از تحقیقات و تعلیقات

الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ
الشیخ المحدث شعیب ارنؤوط حفظہ اللہ
الشیخ عبدالرزاق مہدی حفظہ اللہ
الشیخ مصطفیٰ السید محمد حفظہ اللہ
الشیخ محمد فضل عجماوی حفظہ اللہ
الشیخ حسن عباس قطب حفظہ اللہ
الشیخ محمد السید رشاد حفظہ اللہ
الشیخ علی احمد الباقی حفظہ اللہ
الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ
الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

جدید محقق ایڈیشن

عصرِ حاضر کی تقریباً تمام تحقیقات سے استفادہ شدہ

تفسیرِ ابنِ کثیر

6	5	4	3	2	1



اہتمام
تخریج وتحقیق
حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ

ترجمہ
مولانا محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ

تالیف
حافظ عمادالدین ابنِ کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

ناشر
فقہ الحدیث پبلیکیشنز
0300-4206199
Fiqh-ul-Hadith Publications Lahore Pakistan
E-mail: editor@fiqhulhadith.com, Website: www.fiqhulhadith.com

ڈسٹری بیوٹر
نعمانی کتب خانہ
042-7321865, 0334-4229127
Nomani Kutab Khana Lahore Pakistan
E-mail: nomania2000@hotmail.com, Web: www.nomanibooks.com

تفسیر ابن کثیر

پارہ نمبر ۶

چند اہم مضامین کی فہرست

پارہ نمبر ۶ کے جو مضامین اس جلد میں ہیں ان کے چند اہم عنوانات کی فہرست دی جا رہی ہے جب کہ مزید تفسیر اگلی جلد میں ملاحظہ کریں۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے ○ اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ یا کسی برائی سے درگذر کرو پس یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے ○

ظالم کے خلاف مظلوم کی پکار کا جواز: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو دوسرے کو بددعا دینا جائز نہیں، ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو اسے اپنے ظالم کو بددعا دینا جائز ہے۔ اور وہ بھی اگر صبر وضبط کر لے تو افضل یہی ہے۔ [1] ابوداؤد میں ہے ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کوئی چیز چور چرا کر لے گئے تو آپ ان پر بددعا کرنے لگیں۔ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: کیوں اس کا بوجھ ہلکا کر رہی ہو؟ [2] حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر بددعا نہ کرنی چاہیے بلکہ یہ دعا کرنی چاہیے ﴿ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلَيْهِ وَاسْتَخْرِجْ حَقِّیْ مِنْهُ ﴾ یا اللہ اس چور پر تو میری مدد کر اور اس سے میرا حق دلوا دے' آپ سے ایک اور روایت میں مروی ہے کہ اگرچہ مظلوم کے ظالم کو کوسنے کی رخصت ہے مگر یہ خیال رہے کہ حد سے نہ بڑھ جائے۔ عبدالکریم بن مالک جزری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں ''گالی دینے والے کو یعنی برا کہنے والے کو برا تو کہہ سکتے ہیں لیکن بہتان باندھنے والے پر بہتان نہیں باندھ سکتے''۔ ایک اور آیت میں ہے ﴿ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴾ [3] جو مظلوم اپنے ظالم سے اس کے ظلم کا انتقام لے اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ابوداؤد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''دو گالیاں دینے والوں کا وبال اس پر ہے، جس نے گالیاں دینا شروع کیا''۔ ہاں اگر مظلوم حد سے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔ [4] حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص کسی کے ہاں مہمان بن کر جائے اور میزبان اس کا حق مہمانی ادا نہ کرے تو اسے جائز ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے میزبان کی شکایت کرے جب تک کہ وہ حق ضیافت ادا نہ کرے۔

ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ میں ہے ''صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ ہمیں ادھر ادھر بھیجتے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۹/۳۴۴)]

[2] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الادب : باب فیمن دعا علی من ظلمه (۴۹۰۹)، (۱۴۹۷) مسند احمد (۶/۴۵-۱۳۶) بغوی فی شرح السنة (۵/۱۳۵۴) نسائی فی السنن الکبری (۴/۷۳۵۹)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود (۳۲۱)] اس کی سند میں حبیب بن ابی ثابت راوی مدلس ہے اور سماع کی تصریح نہیں۔] شیخ عبدالرزاق مہدی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [سورۃ الشوریٰ : آیت ۴۱]

[4] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الادب : باب المسبتان (۴۸۹۴) مسند احمد (۲/۲۳۵) صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب النهی عن السباب (۲۵۷۸) ترمذی : کتاب البر والصلة : باب ما جاء فی الشتم (۱۹۸۱) بخاری فی الادب المفرد (۴۲۳) صحیح ابن حبان (۵۷۲۸)]

ہیں۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ ہماری مہمانداری نہیں کرتے'' آپ نے فرمایا ''اگر وہ میز بانی کریں تو درست' ورنہ تم ان سے لوازمات میز بانی خود لے لیا کرو۔ [1] مسند احمد کی حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ ''جو مسلمان کسی اہل قبیلہ کے ہاں مہمان بن کر جائے اور ساری رات گذار جائے لیکن وہ لوگ اس کی مہمانداری نہ کریں تو ہر مسلمان پر اس مہمان کی نصرت ضروری ہے تا کہ میز بان کے مال سے اس کی کھیتی سے بقدر مہمانی دلائیں۔ [2] مسند کی اور حدیث میں ہے ''ضیافت کی رات ہر مسلمان پر واجب ہے' اگر کوئی مسافر صبح تک محروم رہ جائے تو یہ اس میز بان کے ذمہ قرض ہے' خواہ ادا کرے خواہ باقی رکھے'' [3] ان احادیث کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کا مذہب ہے کہ ضیافت واجب ہے۔

ابوداؤد شریف وغیرہ میں ہے ''ایک شخص سرکار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے میرا پڑوسی بہت ایذاء پہنچاتا ہے' آپ نے فرمایا ایک کام کرو' اپنا کل مال اسباب گھر سے نکال کر باہر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور راستے پر اسباب ڈال کر وہیں بیٹھ گیا' اب جو گذرتا وہ پوچھتا کیا بات ہے؟ یہ کہتا پڑوسی مجھے ستاتا ہے میں تنگ آ گیا ہوں' راہ گزر اسے برا بھلا کہتا' کوئی کہتا رب کی مار اس پڑوسی پر۔ کوئی کہتا اللہ غارت کرے اس پڑوسی کو' جب پڑوسی کو اپنی اس طرح کی رسوائی کا حال معلوم ہوا تو اس کے پاس آیا' منتیں کر کے کہا ''اپنے گھر چلو اللہ کی قسم اب مرتے دم تک تم کو کسی طرح نہ ستاؤں گا''۔ [4] پھر ارشاد ہے کہ اے لوگو تم کسی نیکی کو

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المظالم : باب قصاص المظلوم اذا وجد مال ظالمه (۲٤٦١) و کتاب الادب : باب اکرام الضیف وخدمته (٦١٣٧) صحیح مسلم : کتاب اللقطه : باب فی الضیافة ونحوها (۱۷۲۷) ترمذی : کتاب السیر : باب ما جآء مایحل من اموال اهل الزمة (۱۵۸۹) ابن ماجه : کتاب الادب : باب حق الضیف (۳٦۷٦) ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب ماجاء فی الضیافة (۳۷۵۲) مسند احمد (٤/۱۹٤)]

[2] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب ماجآء فی الضیافة (۳۷۵۱) مسند طیالسی (۱۱٤۹) دارمی (۲۰٤۳) مسند احمد (٤/۱۳۳) مستدرك حاکم (٤/۱۳۲)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [التعلیق الرغیب (۳/۲٤۲) ضعیف ابوداود (۸۰۱) السلسلة الضعیفة (٦۸۸۱)] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (۱۷۱۷۸)] اس کی سند میں سعید بن مہاجر راوی مجہول ہے۔]

[3] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب ماجآء فی الضیافة (۳۷۵۰) ابن ماجه : کتاب الادب : باب حق الضیف (۳٦۷۷) بخاری فی الادب المفرد (۷٤٤) مسند احمد (٤/۱۳۰)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (۲۲۰٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح : بخاری فی الادب المفرد (۱۲٤) ابوداؤد : کتاب الادب : باب فی حق الجوار (۵۱۵۳) صحیح ابن حبان (۵۲۰) مستدرك حاکم (٤/۱٦۰)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود ، التعلیق الرغیب (۳/۲۳۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے حسن کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو تم پر کسی نے ظلم کیا ہو اور تم اس سے درگذر کرو تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بڑا ثواب پورا اجر اور اعلیٰ درجے ہیں۔ خود وہ بھی معاف کرنے والا ہے اور بندوں کی بھی یہ عادت اسے پسند ہے وہ انتقام کی قدرت کے باوجود معاف فرماتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ”عرش کو اٹھانے والے فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں“۔

بعض تو کہتے ہیں ((سُبْحَانَكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ)) یا اللہ تیری ذات پاک ہے کہ تو باوجود جاننے کے پھر بھی برد باری اور چشم پوشی کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں سُبْحَانَكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ اے قدرت کے باوجود درگذر کرنے والے اللہ تمام پاکیاں تیری ذات کے لیے مختص ہیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے صدقے اور خیرات سے کسی کا مال گھٹتا نہیں عفو و درگذر کرنے اور معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اور عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم سے تواضع فروتنی اور عاجزی اختیار کرے اللہ اس کا مرتبہ اور اس کی توقیر مزید بڑھا دیتا ہے“۔ (1)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ
وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ
سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع ۲۱

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں ○ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے ○ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ یہ ہیں جنہیں اللہ ان کے پورے ثواب دے گا اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے ○

ایک نبی پر بھی ایمان نہ لانا کفر: اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو ایک نبی کو بھی نہ مانے کافر ہے یہودی سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اور تمام نبیوں کو مانتے تھے نصرانی افضل الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے تھے سامری یوشع علیہ السلام کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہ تھے حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ بن عمران صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ تھے مجوسیوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اپنا نبی زرتشت کو مانتے تھے لیکن جب یہ بھی ان کی شریعت کے منکر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ شریعت ہی ان سے اٹھالی۔ واللہ اعلم۔

---

(1) [**صحيح:** صحيح مسلم: كتاب البر والصلة: باب استحباب العفو والتواضع (٢٥٨٨) ترمذى: كتاب البر والصلة: باب ماجآء فى التواضع (٢٠٢٩) صحيح ابن حبان (٣٢٤٨) بيهقى (١٨٧/٤) مسند احمد (٢٣٥/٢)]

پس یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کی یعنی کسی نبی کو مانا' کسی سے انکار کر دیا۔ کسی ربانی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی نفسانی خواہش جوش تعصب اور تقلید آبائی کی وجہ سے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک نبی کو نہ ماننے والا اللہ کے نزدیک تمام نبیوں کا منکر ہے' اس لیے کہ اگر اور انبیاء علیہم السلام کو بوجہ نبی ہونے کے مانتا تو اس نبی کو ماننا بھی اسی وجہ سے اس پر ضروری تھا' جب وہ ایک کو نہیں مانتا تو معلوم ہوا کہ جنہیں وہ مانتا ہے انہیں بھی کسی دنیاوی غرض اور ہوا وہوس کی وجہ سے مانتا ہے' ان کی شریعت ماننا یا نہ ماننا دونوں بے معنی ہے' ایسے لوگ حتماً اور یقیناً کافر ہیں' کسی نبی پر ان کا شرعی ایمان نہیں بلکہ تقلیدی اور تعصبی ایمان ہے جو قابل قبول نہیں' پس ان کفار کو اہانت اور رسوائی آمیز عذاب کیے جائیں گے۔ کیونکہ جن پر یہ ایمان نہ لا کر ان کی توہین کرتے تھے اس کا بدلہ یہی ہے کہ ان کی توہین ہو اور انہیں ذلت والے عذاب میں ڈالا جائے' ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ خواہ غور وفکر کے بغیر نبوت کی تصدیق نہ کرنا ہو' خواہ حق واضح ہو چکنے کے بعد دنیوی وجہ سے منہ موڑ کر نبوت سے انکار کرنا ہو' جیسے اکثر یہودی علماء کا شیوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تھا کہ محض حسد کی وجہ سے آپ کی عظیم الشان نبوت کے منکر تھے اور آپ کی مخالفت اور عداوت میں آ کر مقابلے پر تل گئے' پس اللہ نے ان پر دنیا کی ذلت بھی مسلط کر دی اور آخرت کی ذلت کی مار بھی ان کے لیے تیار کر رکھی۔ پھر امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہو رہی ہے کہ یہ اللہ پر ایمان رکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام کو اور تمام آسمانی کتابوں کو بھی الہامی کتابیں تسلیم کرتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے ﴿كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ﴾ [1] الخ پھر ان کے لیے جو اجر جمیل اور ثواب عظیم اس نے تیار کر رکھا ہے اسے بھی بیان فرما دیا کہ ان کے ایمان کامل کے باعث انہیں اجر وثواب عطا ہوں گے۔ اگر ان سے کوئی گناہ بھی سرزد ہو گیا تو اللہ معاف فرما دے گا اور ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائیں گے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ
مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا
الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ
سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

تجھ سے یہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ تو ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لائے حضرت موسیٰ سے تو انہوں نے اس سے بہت بڑی درخواست کی تھی کہا تھا کہ تو ہمیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھا دے پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑاکے کی بجلی آ پڑی' پھر باوجود یہ کہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکی تھیں انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرما دیا' اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ اور صریح دلیل عنایت فرمائی ○ اور ان کا قول لینے کے لیے ہم نے ان کے سروں پر

[1] [سورۃ البقرہ : آیت ۲۸۵]

طور پہاڑ لا کھڑا کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں جاؤ اور یہ بھی فرما دیا کہ ہفتے کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سخت قول قرار لیے ○

بنی اسرائیل کا مطالبہ: یہودیوں نے جناب رسالت مآب ﷺ سے کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے توراۃ ایک ساتھ لکھی ہوئی ہمارے پاس لائے' آپ بھی کوئی آسمانی کتاب پوری لکھی لکھائی لے آیئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے نام اللہ تعالیٰ خط بھیجے کہ ہم آپ کی نبوت کو مان لیں۔ یہ سوال بھی ان کا بدنیتی سے بطور مذاق اور کفر تھا۔ جیسا کہ اہل مکہ نے بھی اسی طرح کا ایک سوال کیا تھا، جس طرح سورۂ سبحان میں مذکور ہے کہ ''جب تک عرب کی سرزمین میں دریاؤں کی ریل پیل اور تروتازگی کا دور دورہ نہ ہو جائے ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے''۔ پس بطور تسلی کے آنحضرت ﷺ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کی اس سرکشی اور بیجا سوال پر آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں ان کی یہ بدعادت پرانی ہے' انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی زیادہ بیہودہ سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ خود کو دکھائے۔ اس تکبر اور سرکشی اور فضول سوالوں کی پاداش بھی یہ بھگت چکے ہیں یعنی ان پر آسمانی بجلی گری تھی۔ جیسے سورۂ بقرہ میں تفصیل وار بیان گذر چکا۔ ملاحظہ ہو آیت ﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ [1] الخ یعنی ''جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو ہم صاف طور پر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں پس تمہیں بجلی کے کڑاکے نے پکڑ لیا اور ایک دوسرے کے سامنے سب ہلاک ہو گئے' پھر بھی ہم نے تمہاری موت کے بعد دوبارہ تمہیں زندہ کر دیا تاکہ تم شکر کرو''۔ پھر فرماتا ہے کہ ''بڑی بڑی نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد بھی ان لوگوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا''۔ مصر میں اپنے دشمن فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ہلاک ہونا' اس کے تمام لشکروں کا نامرادی کی موت مرنا' ان کا دریا سے بچ کر پار نکل آنا' ابھی ابھی ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا تھا لیکن وہاں سے چل کر کچھ دور جا کر ہی بت پرستوں کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے پیغمبر سے کہتے ہیں ''ہمارا بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دو''۔ جس کا پورا بیان سورۂ اعراف میں ہے اور سورۂ طہ میں بھی۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہیں' ان کی توبہ کی قبولیت کی یہ صورت ٹھہرتی ہے کہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی وہ گوسالہ پرستوں کو قتل کریں۔ جب قتل شروع ہو جاتا ہے' اللہ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور مرے ہوؤں کو بھی دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ پس یہاں فرماتا ہے کہ ہم نے اس سے بھی درگذر کیا اور یہ جرم عظیم بھی بخش دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر حجت اور کھلا غلبہ عنایت فرمایا۔ اور جب ان لوگوں نے توراۃ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری سے بیزاری ظاہر کی تو ان کے سروں پر طور پہاڑ کو معلق کھڑا کر دیا اور ان سے کہا کہ اب بولو! پہاڑ گرا کر پاش پاش کر دیں یا احکام قبول کرتے ہو؟ تو یہ سجدے میں گر پڑے اور گریہ وزاری شروع کی اور احکام الٰہی بجا لانے کا مضبوط عہد و پیمان کیا یہاں تک کہ دل میں دہشت تھی اور سجدے میں کنکھیوں

---

[1] [سورۃ البقرہ : آیت ۵۵-۵۶]

سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ نہ گر پڑے اور دب کر نہ مر جائیں' پھر پہاڑ ہٹایا گیا۔ ان کی دوسری سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ قول و فعل دونوں کو بدل دیا' حکم ملا تھا کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور ﴿حِطَّةٌ﴾ کہیں "یعنی اے اللہ ہماری خطائیں بخش کہ ہم نے جہاد چھوڑ دیا اور تھک کر بیٹھ رہے جس کی سزا میں چالیس سال میدان تیہ میں سرگشتہ وحیران و پریشان رہے"۔ لیکن ان کی کم ظرفی کا یہاں بھی مظاہرہ ہوا اور اپنی رانوں کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں داخل ہونے لگے' اور حِنْطَةٌ فِیْ شَعْرَةٍ کہنے لگے یعنی گیہوں کی بالیں ہمیں دے۔ پھر ان کی اور شرارت سنئے ہفتہ والے دن کی تعظیم و تکریم کرنے کا ان سے وعدہ لیا گیا اور مضبوط عہد و پیمان ہو گیا لیکن انہوں نے اس کی بھی مخالفت کی نافرمانی پر کمر بستہ ہو کر حرمت کے ارتکاب کے حیلے نکال لیے۔ جیسے کہ سورۂ اعراف میں مفصل بیان ہے ملاحظہ ہو آیت ﴿وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ [1] الخ' ایک حدیث میں بھی ہے کہ یہودیوں سے خاصۃً اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن کی تعظیم کا عہد لیا تھا۔ یہ پوری حدیث سورۂ سبحان کی آیت ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ [2] الخ' کی تفسیر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝

(یہ سزا) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکام الٰہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے اور یوں کہنے کے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے' حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے' پس یہ قدرے قلیل ہی ایمان لاتے ہیں ○ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث ○ اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا' حالانکہ نہ تو انہوں نے انہیں قتل کیا نہ سولی چڑھایا بلکہ ان کے لیے وہی صورت بنا دی گئی تھی' یقین جانو کہ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے حال میں شک میں ہیں' انہیں اس کا کوئی یقین نہیں' بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے' اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا ○ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا ہے' اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے ○ اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ بچے

---

[1] [سورۃ الاعراف: آیت ۱۶۳] [2] [سورۃ بنی اسرائیل : آیت ۱۰۱]

گا جو حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے' اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے ○

انبیاء کے قاتل اہل کتاب اور عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ: اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمتوں سے دور ڈال دیئے گئے اور ملعون و جلا وطن کر دیئے گئے۔ اولاً ان کی عہد شکنی یہ تھی کہ یہ وعدے انہوں نے اللہ سے کیے ان پر قائم نہ رہے' دوسرے اللہ کی آیتوں یعنی حجت و دلیل اور نبیوں کے معجزے سے انکار اور کفر' تیسرے بلاوجہ ناحق انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل۔ ان کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت ان کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ چوتھی ان کا یہ خیال اور قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی پردے میں ہیں' جیسے مشرکین نے کہا تھا ﴿قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ [1] الخ یعنی "اے نبی تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ "ہمارے دل علم کے ظروف ہیں وہ علم و عرفان سے پر ہیں"۔ سورۂ بقرہ میں بھی اس کی نظیر گذر چکی ہے' اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہو چکے تھے۔ پس پہلی تفسیر کی بنا پر یہ مطلب ہوا کہ وہ عذر کرتے تھے کہ ہمارے دل بوجہ ان پر غلاف ہونے کے نبی کی باتوں کو یاد نہیں کر سکتے تو انہیں جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں بلکہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل مسخ ہو گئے ہیں اور دوسری تفسیر کی بنا پر تو جواب ہر طرح ظاہر ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس کی پوری تفصیل و تشریح گذر چکی ہے۔ پس بطور نتیجے کے فرمایا کہ اب ان کے دل کفر و سرکشی اور کمی ایمان پر ہی رہیں گے۔

پھر ان کا پانچواں جرم عظیم بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا پر زنا کاری جیسی بدترین اور شرمناک تہمت لگائی اور اسی زنا کاری کے حمل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا شدہ بتایا' بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی۔ اللہ کی پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے۔ پھر ان کا چھٹا گناہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کے یہ ہانک بھی لگاتے ہیں کہ "ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مار ڈالا"۔ جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے تو تو مجنون ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت دے کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھائے مثلاً بچپن کے اندھوں کو بینا کرنا' کوڑھیوں کو اچھا کرنا' مردوں کو زندہ کرنا' مٹی کے پرند بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ تو یہودیوں کو سخت طیش آیا اور مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذا رسانی شروع کر دی' آپ کی زندگی تنگ کر دی' کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا' ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گذاری' پھر بھی انہیں چین نہ لینے دیا' یہ اس زمانے کے دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے جو ستارہ پرست مشرک شخص تھا (اس مذہب والوں کے ملک کو اس وقت یونان کہا جاتا تھا) یہاں آ کر یہ بہت روئے پیٹے اور بادشاہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے۔ لوگوں کو بہکا رہا ہے' روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے' امن میں خلل ڈالتا

[1] [سورۂ فصلت: آیت ۵]

ہے' لوگوں کو بغاوت پہ اکساتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا' ایک فرمان لکھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر لے اور سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے۔ اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہ علیہ السلام تھے' آپ کے ساتھ اس وقت بارہ تیرہ یا زیادہ سے زیادہ سترہ آدمی تھے' جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لیے رکھا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس کر لیا کہ اب وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے یعنی اس کی صورت اللہ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے اللہ مخلصی دے؟ میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا مجھے یہ منظور ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا' تیسری دفعہ بھی کہا مگر ہر مرتبہ صرف یہی تیار ہوئے رضی اللہ عنہ اب آپ نے یہی منظور فرما لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہی ہیں اور چھت کی طرف ایک روزن نمودار ہو گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اونگھ کی سی حالت ہو گئی اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ [1] الخ' یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے عیسیٰ میں تجھ سے پورا پورا لینے والا ہوں' اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں" الخ۔ حضرت روح اللہ کے سوئے ہوئے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے' یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس پر جناب مسیح علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی تھی' عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا اور لطف تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی اور ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح آسمان پر چڑھا لیے گئے اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ کام آیا۔ باقی عیسائی بھی یہودیوں کا سا راگ الاپنے لگے' یہاں تک کہ پھر یہ بھی گھڑ لیا کہ عیسیٰ کی والدہ سولی تلے بیٹھ کر روتی چلاتی رہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں' واللہ اعلم۔

دراصل یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے اپنے بزرگ بندوں کا امتحان ہیں جو اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے' پس اس غلطی کو اللہ تعالیٰ نے واضح اور ظاہر کر کے حقیقت حال سے اپنے بندوں کو مطلع فرما دیا اور اپنے سب سے بہتر رسول اور بڑے مرتبے والے پیغمبر کی زبانی اپنے پاک' سچے اور بہترین کلام میں صاف فرما دیا کہ "حقیقتاً نہ کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا' نہ سولی دی بلکہ ان کی شبیہ جس پر ڈالی گئی تھی' اسے عیسیٰ ہی سمجھ بیٹھے' جو یہود و نصاریٰ آپ کے قتل کے قائل ہو گئے ہیں وہ سب کے سب شک وشبہ میں حیرت وضلالت میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس کوئی

---

[1] [سورۂ آل عمران: آیت ۵۵]

دلیل نہیں نہ انہیں خود کچھ علم ہے صرف سنی سنائی باتوں پہ یقین کے سوا کوئی ان کے پاس دلیل نہیں''۔ اسی لیے پھر اسی کے متصل فرمادیا کہ ''یہ یقینی امر ہے کہ روح اللہ کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ جناب باری عزاسمہ نے جو غالب تر ہے اور جس کی قدرتیں بندوں کے فہم میں بھی نہیں آسکتیں اور جس کی حکمتوں کی تہ تک اور کاموں کی لم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا' اپنے خاص بندے کو جنہیں اپنی روح کہا تھا اپنے پاس اٹھالیا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا چاہا تھا' آپ گھر میں آئے اور گھر میں بارہ حواری تھے' آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' آپ نے فرمایا: تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر کچھ مجھ سے کفر کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا ''تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہ ڈالی جائے اور میری جگہ وہ قتل کردیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے'' الخ۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت روح اللہ کی پیش گوئی کے مطابق آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا۔ پھر ان کے تین گروہ ہو گئے' یعقوبیہ' نسطوریہ اور مسلمان' یعقوبیہ تو کہنے لگے خود اللہ ہم میں تھا' جب تک چاہا رہا' پھر آسمان پر چڑھ گیا' نسطوریہ کا خیال ہو گیا کہ اللہ کا لڑکا ہم میں تھا' جسے ایک زمانے تک ہم میں رکھ کر پھر اللہ نے اپنی طرف اٹھا لیا اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ کا بندہ اور رسول ہم میں تھا جب تک اللہ نے چاہا وہ ہم میں رہا اور پھر اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔ ان پہلے دو گمراہ فرقوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے تیسرے سچے اور اچھے فرقے کو کچلنا اور دبانا شروع کیا' چنانچہ یہ کمزور ہوتے گئے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اسلام کو غالب کیا۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں اور نسائی میں حضرت ابومعاویہ سے بھی یہی منقول ہے۔ [1] اسی طرح سلف میں سے بہت سے بزرگوں کا قول ہے' حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس وقت شاہی سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چڑھ دوڑے اور گھیرا ڈال دیا اس وقت آپ کے ساتھ سترہ آدمی تھے۔ ان لوگوں نے جب دروازے کھول کر دیکھا تو دیکھا کہ سب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ہیں تو کہنے لگے تم لوگوں نے ہم پر جادو کردیا ہے' اب یا تو تم اسے جو حقیقی عیسیٰ ہوں ہمیں سونپ دو یا اسے منظور کرلو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں۔ یہ سن کر روح اللہ نے فرمایا ''کوئی ہے جو جنت میں میرا رفیق بنے اور یہاں میرے بدلے سولی پر چڑھنا منظور کرے''' ایک صحابی اس کے لیے تیار ہو گئے اور کہنے لگے عیسیٰ میں تیار ہوں' چنانچہ دشمنان دین نے انہیں گرفتار کیا قتل کیا اور سولی چڑھایا اور بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا' حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور اللہ نے اپنے رسول کو اسی وقت اپنے پاس چڑھالیا۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ وحی کردی کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو آپ پر بہت گراں گذرا اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے حواریوں کی دعوت کی' کھانا تیار کیا اور سب سے کہہ دیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا' مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جب وہ آئے تو خود

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (٤/ ١١١٠) الدر المنثور للسیوطی (٤٢٣/٢) نسائی فی السنن الکبری (٤٨٩/٦)]

کھانا کھلایا سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے' جب وہ کھا چکے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑوں سے ان کے ہاتھ پونچھے یہ ان پر بھاری پڑا اور برا بھی لگا لیکن آپ نے فرمایا' سنو اس رات میں جو کر رہا ہوں اگر تم میں سے کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس کا اس سے کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا نہ میں اس کا۔ چنانچہ وہ سب خاموش ہو رہے۔ جب آپ ان تمام کاموں سے فارغ ہو گئے تو فرمایا دیکھو! تمہارے نزدیک میں تم سب سے بڑے مرتبے والا ہوں اور میں نے تمہاری خدمت خود کی ہے' یہ اس لیے کہ تم میری اس سنت کے عامل بن جاؤ' خبردار تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے' بلکہ ہر بڑا چھوٹے کی خدمت کرے' جس طرح خود میں نے تمہاری خدمت کی ہے' اب تم سے میرا جو خاص کام تھا جس کی وجہ سے آج میں نے تمہیں بلایا ہے وہ بھی سن لو کہ ''تم سب مل کر آج رات بھر خشوع وخضوع سے میرے لیے دعائیں کرو کہ اللہ میری اجل کو موخر کر دے''۔ چنانچہ سب نے دعائیں شروع کیں لیکن خشوع وخضوع کا وقت آنے سے پہلے ہی اس طرح انہیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہو گیا' آپ نے انہیں بیدار کرنے کی کوشش میں ایک ایک کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہا تمہیں کیا ہو گیا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں سکتے؟ میری مدد نہیں کرتے؟ لیکن سب نے جواب دیا اے رسول اللہ ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک چھوڑ کئی کئی راتیں جاگتے تھے' جاگنے کے عادی ہیں لیکن اللہ جانے' آج کیا بات ہے کہ بری طرح نیند نے گھیر رکھا ہے' دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے تو آپ نے فرمایا! اچھا پھر چرواہا نہ رہے گا اور بکریاں تین تیرہ ہو جائیں گی' غرض اشاروں کنایوں میں اپنا مطلب ظاہر کرتے رہے' پھر فرمایا ''دیکھو تم میں سے ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کرے گا اور تم میں سے ایک چند درہموں کے بدلے مجھے بیچ دے گا اور میری قیمت کھائے گا''۔ اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے ادھر ادھر چلے گئے' یہود جو اپنی جستجو میں تھے' انہوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا یہ بھی اس کا ساتھی ہے' مگر شمعون نے کہا ''غلط ہے میں اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ انہوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن کچھ آگے جا کر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا' وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنا آپ چھڑایا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی اب یہ پچھتانے لگے اور سخت غمگین ہوئے۔ صبح ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تمہیں عیسیٰ کا پتہ بتا دوں تو تم مجھے کیا دلواؤ گے؟ انہوں نے کہا تیس درہم' چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتا دیا۔ اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے' اب انہوں نے گرفتار کر لیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعنہ زنی کے کہتے جاتے تھے کہ آپ تو مردوں کو زندہ کرتے تھے' جنات کو بھگا دیا کرتے تھے' مجنون کو اچھا کر دیا کرتے تھے' اب کیا بات ہے کہ خود اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے' تھو ہے تمہارے منہ پر! یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اسی طرح بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینا تھی اور ارادہ کیا کہ سولی پر چڑھا دیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنی طرف چڑھا لیا اور انہوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا سولی پر چڑھا دیا''۔

پھر سات دن کے بعد حضرت مریم اور وہ عورت جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن سے نجات دلوائی تھی، وہاں آئیں اور رونے پیٹنے لگیں تو ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے اور ان سے کہا کہ ''کیوں روتی ہو؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کرلیا ہے اور مجھے ان کی اذیتیں نہیں پہنچیں، ان پر تو شبہ ڈال دیا گیا ہے میرے حواریوں سے کہو کہ مجھ سے فلاں جگہ ملیں'' چنانچہ یہ بشارت جب حواریوں کو ملی تو وہ سب کے سب گیارہ آدمی اس جگہ پہنچے، جس حواری نے آپ کو بیچا تھا، اسے انہوں نے وہاں نہ پایا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا گلا گھونٹ کر آپ ہی مر گیا، اس نے خودکشی کرلی۔ آپ نے فرمایا: ''اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا''۔ پھر پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے، اس کا نام یحیٰی ہے، اب یہ تمہارا ساتھی ہے سنو صبح کو تمہاری زبانیں بدل دی جائیں گی، ہر شخص اپنی اپنی قوم کی زبان بولنے لگے گا، اسے چاہیے کہ اسی قوم میں جا کر اسے میری دعوت پہنچائے اور اللہ سے ڈرائے۔ یہ واقعہ نہایت ہی غریب ہے۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لیے اپنی فوج بھیجی تھی اس کا نام داود تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت سخت گھبراہٹ میں تھے، کوئی شخص اپنی موت سے اس قدر پریشان حواس باختہ اور اس قدر رواویلا کرنے والا نہ ہوگا، جس قدر آپ نے اس وقت کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا یا اللہ اگر تو موت کے پیالے کو کسی سے بھی ٹالنے والا ہے تو مجھ سے ٹال دے اور یہاں تک کہ گھبراہٹ اور خوف کے مارے ان کے بدن سے خون پھوٹ کر بہنے لگا، اس وقت اس مکان میں آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے، جن کے نام یہ ہیں فرطوس، یعقوب، ربداء، یحنس (یعقوب کا بھائی) اندراییس، فیلبس ابن یلما، منتا، طوماس، یعقوب بن حلقایا، تداوسیس، قثانیا، یودس ذکریا یوطا۔ بعض کہتے ہیں تیرہ آدمی تھے اور ایک کا نام سرجس تھا۔ اسی نے اپنے آپ کو سولی پر چڑھایا جانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت پر منظور کیا تھا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھا لئے گئے اور بقیہ لوگ یہودیوں کے ہاتھوں میں اسیر ہوگئے، اب جو گنتی گنتے ہیں تو ایک کم نکلا۔ اس کے بارے میں ان میں آپس میں اختلاف ہوا۔ یہ لوگ جب اس جماعت پر چھاپہ مارتے ہیں اور انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چونکہ پہچانتے نہ تھے تو یودس ذکریا یوطا نے تیس درہم لے کر ان سے کہا تھا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں جسے میں جا کر بوسہ دوں تم سمجھ لینا کہ عیسیٰ وہی ہے، جب یہ اندر پہنچتے ہیں، اس وقت حضرت عیسیٰ اٹھا لیے گئے تھے اور حضرت سرجس آپ کی صورت میں بنا دیئے گئے تھے، اس نے جا کر حسب قرارداد انہی کا بوسہ لیا اور گرفتار کر لیے گئے پھر تو یہ بہت نادم ہوا اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹک گیا اور نصرانیوں میں ملعون بنا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام یودس زکریا یوطا تھا، یہ جیسے ہی حضرت عیسیٰ کی پہچان کرانے کے لیے اس گھر میں داخل ہوا، حضرت عیسیٰ تو اٹھا لیے گئے اور خود اس کی صورت حضرت عیسیٰ جیسی ہوگئی اور اسی کو لوگوں نے پکڑ لیا، یہ ہزار چیختا چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں، میں تو تمہارا ساتھی ہوں، میں نے ہی تو تمہیں عیسیٰ کا پتہ دیا تھا لیکن کون سنتا؟ آخر اسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا، اب اللہ ہی کو علم ہے کہ یہی تھا

یاوہ تھا' جس کا ذکر پہلے ہوا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حضرت روح اللہ علیہ السلام کی مشابہت جس پر ڈال دی گئی تھی اسے صلیب پر چڑھایا اور حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں "حضرت عیسیٰ کی شبیہ آپ کے ان تمام ساتھیوں پر ڈال دی گئی تھی"۔ اس کے بعد ذکر ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت تک آپ ان کے گواہ ہوں گے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔

ایک تو یہ کہ عیسیٰ موت سے پہلے یعنی جب آپ دجال کو قتل کرنے کے لیے دوبارہ زمین پر آئیں گے اس وقت تمام مذہب ختم ہو چکے ہوں گے اور صرف ملت اسلامیہ جو دراصل ابراہیم علیہ السلام حنیف کے ملت ہے رہ جائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿ مَوْتِہٖ ﴾ سے مراد موت عیسیٰ علیہ السلام ہے ابو مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب جناب مسیح اتریں گے' اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور روایت میں ہے خصوصاً یہودی ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی۔ آپ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی حضرت عیسیٰ اللہ کے پاس اب زندہ موجود ہیں۔ جب آپ زمین پر نازل ہوں گے' اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو آپ پر ایمان نہ لائے۔ آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھا لیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ پر ایمان لائے گا۔ حضرت قتادہ' عبدالرحمٰن رحمہما اللہ وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے اور یہی تفسیر بالکل ٹھیک ہے' ان شاء اللہ العظیم اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسے بادلائل ثابت کریں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے۔ اس لیے کہ موت کے وقت حق و باطل سب پر کھل جاتا ہے تو ہر کتابی حضرت عیسیٰ کی حقانیت کو زمین سے سدھارنے سے پہلے یاد کر لیتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کوئی یہودی نہیں مرتا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تو یہاں تک مروی ہے کہ اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے تو اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ کہہ دے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت ابی کی تو قرات میں ﴿ قَبْلَ مَوْتِہِمْ ﴾ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا جاتا ہے کہ فرض کرو کوئی دیوار سے گر کر مر جائے؟ فرمایا پھر بھی اس درمیانی فاصلے میں وہ ایمان لا چکتا ہے۔ عکرمہ' محمد بن سیرین' محمد ضحاک' سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک قول امام حسن رحمہ اللہ سے ایسا بھی مروی ہے کہ جس کا مطلب پہلے قول کا سا بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے کا بھی ہو سکتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی موت سے پہلے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۹/۳۸۰)]

ایمان لائے گا۔ عکرمہ رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان سب اقوال میں زیادہ ترصحیح قول پہلا ہی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے قیامت کے قریب اتریں گے' اس وقت کوئی اہل کتاب آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا۔ فی الواقع امام صاحب کا یہ فیصلہ بجانب ہے۔ اس لیے کہ یہاں کی آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود یہودیوں کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنا ہے کہ ہم نے جناب مسیح کو قتل کیا اور سولی دی۔ اور اسی طرح جن جاہل عیسائیوں نے یہ بھی کہا ہے ان کے قول کو بھی باطل کرنا ہے' تو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ فی الواقع نفس الامر میں نہ تو روح اللہ مقتول ہوئے' نہ مصلوب ہوئے۔ بلکہ ان کے لیے شبہ ڈال دیا گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ جیسے ایک شخص کو قتل کیا لیکن خود انہیں اس حقیقت کا علم نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو اپنے پاس چڑھا لیا۔ وہ زندہ ہیں، اب تک باقی ہیں' قیامت کے قریب اتریں گے' جیسے صحیح متواتر احادیث میں ہے مسیح ہر گمراہ کو قتل کریں گے' صلیب کو توڑیں گے' خنزیروں کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہیں کریں گے' اعلان کر دیں گے کہ یا تو اسلام کو قبول کرو یا تلوار سے مقابلہ کرو۔ پس اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کریں گے اور ایک بھی ایسا نہ رہے گا جو اسلام کو مانے بغیر رہ جائے یا رہ سکے۔ پس جسے یہ گمراہ یہود اور یہ جاہل نصرانی مرا ہوا جانتے ہیں اور سولی پر چڑھا یا ہوا مانتے ہیں' یہ ان کی حقیقی موت سے پہلے ہی ان پر ایمان لائیں گے اور جو کام انہوں نے ان کی موجودگی میں کئے ہیں اور کریں گے یہ ان پر قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دیں گے یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے قبل زندگی کے مشاہدہ کئے ہوئے کام اور دوبارہ کی آخری زندگی جو زمین پر گذاریں گے' اس میں ان کے سامنے جتنے کام انہوں نے کئے وہ سب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے اور انہیں اللہ کے سامنے پیش کریں گے۔

ہاں اس کی تفسیر میں جو دو قول اور بیان ہوئے ہیں وہ بھی واقعہ کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہیں۔ موت کا فرشتہ آ جانے کے بعد احوال آخرت' سچ جھوٹ کا معائنہ ہو جاتا ہے' اس وقت ہر شخص سچائی کو سچ کہنے اور سمجھنے لگتا ہے لیکن وہ ایمان اللہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اسی سورت کے شروع میں ہے ﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ ﴾ [1] الخ' اور جگہ فرمان ہے ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ ﴾ [2] الخ' یعنی جو لوگ موت کے آ جانے تک برائیوں میں مشغول رہے ان کی توبہ قبول نہیں اور جو لوگ عذاب رب دیکھ کر ایمان لائیں' انہیں بھی ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ پس ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ پچھلے دو اقوال جن کی امام ابن جریر رحمہ اللہ نے تردید کی ہے وہ ٹھیک نہیں۔ اس لیے کہ امام صاحب فرماتے ہیں اگر پچھلے دونوں قولوں کو اس آیت کی تفسیر میں صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ کسی یہودی یا نصرانی کے اقرباء اس کے وارث نہ ہوں' اس لیے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر مرا اور اس کے وارث یہود و نصاریٰ ہیں' مسلمان کا وارث کافر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب ایمان ایسے وقت لائے کہ اللہ کے نزدیک معتبر ہو' نہ ایسے وقت ایمان لانا جو بالکل

---

[1] [سورۃ النساء: آیت ۱۸]
[2] [سورۃ غافر: آیت ۸٤]

بے سود ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر گہری نظر ڈالیے کہ دیوار سے گرتے ہوئے درندے کے جبڑوں میں، تلوار کے چلتے ہوئے وہ ایمان لاتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا ایمان مطلق نفع نہیں دے سکتا۔ جیسے قرآن کی مندرجہ بالا دونوں آیتیں ظاہر کر رہی ہیں واللہ اعلم۔ میرے خیال سے تو یہ بات بہت صاف ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے پچھلے دونوں قول بھی معتبر مان لینے سے کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ لیکن ہاں آیت سے واقعی مطلب وہی نکلتا ہے جو پہلا قول ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں، قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور یہودیوں و نصرانیوں کو جھوٹا بتائیں گے اور جو افراط تفریط انہوں نے کی ہے، اسے باطل قرار دیں گے۔ ایک طرف ملعون جماعت یہودیوں کی ہے، جنہوں نے آپ کو آپ کی عزت سے بہت گرا دیا اور ایسی ناپاک باتیں آپ کی شان میں کہیں جن سے ایک بھلا انسان نفرت کرے۔ دوسری جانب نصرانی ہیں جنہوں نے آپ کے مرتبے کو اس قدر بڑھایا کہ جو آپ میں نہ تھا اس کے اثبات میں اتنے بڑھے کہ مقام نبوت سے مقام ربوبیت تک پہنچا دیا جس سے اللہ کی ذات بالکل پاک ہے۔

اب ان احادیث کو سنیے جن میں بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر زمانے میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر اتریں گے اور اللہ وحدہ لا شریک لہ کی عبادت کی طرف سب کو بلائیں گے۔ صحیح بخاری شریف جسے ساری امت نے قبول کیا ہے اس میں امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کتاب ذکر انبیاء علیہم السلام میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریم صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہوں گے، عادل منصف بن کر صلیب کو توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ہٹا دیں گے۔ مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اسے لینا کوئی منظور نہ کرے گا، ایک سجدہ کر لینا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب تر ہو گا۔ اس حدیث کو بیان فرما کر راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بطور شہادت قرآنی کے اسی آیت ﴿وَإِنْ مِّنْ﴾ کی آخر تک تلاوت کی۔ [1] صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور سند سے یہی روایت بخاری و مسلم میں مروی ہے اس میں ہے کہ سجدہ اس وقت فقط اللہ رب العالمین کے لیے ہی ہوگا۔ اور اس آیت کی تلاوت میں ﴿قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ ﴿قَبْلَ مَوْتِ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ﴾ پھر اسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تین مرتبہ دوہرانا بھی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج یا عمرے پر یا دونوں پر لبیک کہیں گے میدان فج میں، روحاء میں۔ [2] یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ [3] مسند کی اور حدیث میں ہے عیسیٰ بن

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المظالم : باب کسر الصلیب و قتل الخنزیر (۲۴۷۶) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب نزول عسی ابن مریم (۱۵۵) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب فتنة الدجال و خروج عیسیٰ ابن مریم (۴۰۷۸) ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجآء فی نزول عیسیٰ ابن مریم (۲۲۳۳) مسند احمد (۲/۲۴۰)]

[2] [صحیح : مسند احمد (۲/۲۴۰- ۲۷۲)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب اهلال النبی و هدية (۱۲۵۲)]

مریم ﷺ اتریں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹائیں گے، نماز باجماعت ہو گی اور اللہ کی راہ میں مال اس قدر کثرت سے دیا جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ خراج چھوڑ دیں گے، روحاء میں جائیں گے اور وہاں سے حج یا عمرہ کریں گے یا دونوں ایک ساتھ کریں گے۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھی لیکن آپ کے شاگرد حضرت حنظلہ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''حضرت عیسیٰ کے انتقال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے''۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب حدیث کے ہی الفاظ ہیں یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اپنے۔ [1]

صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہوگا؟ جب تم میں مسیح بن مریم ﷺ اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ [2] ابوداود، مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں، مائیں جدا جدا اور دین ایک۔ عیسیٰ بن مریم ﷺ سے زیادہ تر نزدیک میں ہوں اس لیے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں، یقیناً وہ اترنے والے ہیں پس تم انہیں پہچان رکھو۔ درمیانہ قد ہے، سرخ سفید رنگ ہے، وہ دوگیروے رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے اوڑھے اور باندھے ہوں گے، بال خشک ہونے کے باوجود ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ قبول نہ کریں گے، لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے، ان کے زمانے میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی، صرف اسلام ہی اسلام رہے گا، ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو ہلاک کرے گا۔ پھر زمین پر امن ہی امن ہوگا یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ، چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چرتے پھریں گے اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے، انہیں وہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے، چالیس برس تک ٹھہریں گے، پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے''۔ [3] ابن جریر کی اسی روایت میں ہے، آپ لوگوں سے اسلام کے لیے جہاد کریں گے، اس حدیث کا ایک ٹکڑا بخاری شریف میں بھی ہے اور روایت میں ہے ''سب سے زیادہ قریب تر حضرت عیسیٰ سے دنیا اور آخرت میں میں ہوں''۔ [4]

صحیح مسلم میں ہے: ''قیامت قائم نہ ہوگی جب تک رومی اعماق دالق میں نہ اتریں اور ان کے مقابلہ کے لیے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ نکلے گا، جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے جب صفیں بندھ جائیں گی تو رومی کہیں گے تم سے ہم لڑنا نہیں چاہتے، ہم میں سے جو دین بدل کر تم میں جا ملے ہم

---

[1] [صحیح : مسند احمد (۲/ ۲۹۰۔ ۲۹۱) تفسیر ابن ابی حاتم (۶۲۴۹)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (۷۹۰۳)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب نزول عیسی ابن مریم (۳۴۴۹) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب نزول عیسیٰ ابن مریم (۱۵۵)]

[3] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الملاحم : باب خروج الدجال (۴۳۲۴) مسند احمد (۲/ ۴۰۶)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود ، السلسلة الصحيحة (۲۱۸۲)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب قول الله واذ کر فی الکتاب مریم (۳۴۴۳)]

ان سے لڑنا چاہتے ہیں تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ لیکن مسلمان کہیں گے واللہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے ان کمزور بھائیوں کو تمہارے حوالے کر دیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہو گی مسلمانوں کے اس لشکر کا تہائی حصہ تو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہو گا' ان کی توبہ اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا اور تہائی حصہ شہید ہو جائے گا' جو اللہ کے نزدیک سب سے افضل شہید ہیں لیکن آخری تہائی حصہ فتح حاصل کرے گا اور رومیوں پر غالب آ جائے گا' پھر یہ کسی فتنے میں نہ پڑیں گے' قسطنطنیہ کو فتح کریں گے' ابھی تو وہ اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکائے ہوئے مال غنیمت تقسیم کر رہی رہے ہوں گے جو شیطان چیخ کر کہے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آ گیا' اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے' شام میں پہنچیں گے' دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لیے صفیں ٹھیک کر رہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہو گی اور حضرت عیسیٰ بن مریم ﷺ نازل ہوں گے' ان کی امامت کرائیں گے' جب دشمن رب انہیں دیکھے گا تو اسی طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے' اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے یونہی چھوڑ دیں' جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے حربے پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے''۔ (1)

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ''معراج والی رات میں نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی' آپس میں قیامت کی نسبت بات چیت ہونے لگی' ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی' اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی' لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے آنے کا ٹھیک وقت تو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا' ہاں مجھ سے میرے رب نے جو عہد لیا ہے وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا اس کے ہمراہ دو شاخیں ہوں گی' مجھے دیکھ کر اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے' پس اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے گا جب وہ مجھے دیکھ لے گا' یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے پیچھے ایک کافر ہے آؤ اور اسے قتل کر لیں' اللہ تعالیٰ ان سب کو غارت کر دے گا اور لوگ امن و امان کے ساتھ اپنے اپنے وطن اور شہروں کو لوٹ جائیں گے' اب یاجوج ماجوج نکلیں گے' ہر طرف سے چڑھ دوڑیں گے' تمام شہروں کو روندیں گے' جس جس چیز پر گذر ہو گا اسے ہلاک کر دیں گے' جس پانی کے پاس سے گذریں گے پی جائیں گے' لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئیں گے' میں اللہ سے دعا کروں گا' اللہ ان سب کو ایک ساتھ فنا کر دے گا لیکن ان کے مردہ جسموں سے ہوا بگڑ جائے گی' بدبو پھیل جائے گی' پھر مینہ برسے گا اور اس قدر کہ ان کی تمام لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا۔ بس اس وقت قیامت کی اس طرح آمد آمد ہو گی جس طرح پورے دن کی حاملہ عورت ہو کہ اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ صبح کو بچہ ہو جائے یا شام کو' رات کو پیدا ہو یا دن کو؟''۔ (2) مسند احمد میں ہے حضرت ابونضرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم حضرت

---

(1) [صحیح: صحيح مسلم : كتاب الفتن : باب فتح قسطنطنية (٢٨٩٧)]

(2) [ضعیف: مسند احمد (١/٣٧٥) مستدرك حاكم (٤/٤٨٨) ابن ماجه : كتاب الفتن : باب فتنة الدجال و خروج عيسى ابن مريم (٤٠٨١)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعيف ابن ماجه ، السلسلة الضعيفة (٤٣١٨)] جبکہ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس جمعہ والے دن آئے کہ ہم اپنا لکھا ہوا قرآن ان کے قرآن سے ملائیں' جب جمعہ کا وقت آیا تو آپ نے ہم سے فرمایا ''غسل کرلو' پھر خوشبو لے آئے جو ہم نے ملی' پھر ہم مسجد میں آئے اور ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے جنہوں نے ہم سے دجال والی حدیث بیان کی پھر حضرت عثمان بن ابوالعاص آئے' ہم کھڑے ہوگئے' پھر سب بیٹھ گئے' آپ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر ہو جائیں گے' ایک دونوں سمندر کے ملنے کی جگہ پر' دوسرا حیرہ میں اور تیسرا شام میں' پھر تین گھبراہٹیں لوگوں کو ہوں گی' پھر دجال نکلے گا' یہ پہلے شہر کی طرف جائے گا' وہاں کے لوگ تین حصوں میں بٹ جائیں گے' ایک حصہ تو کہے گا ہم اس کے مقابلہ پر ٹھہرے رہیں گے اور دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے؟ دوسری جماعت گاؤں کے لوگوں میں مل جائے گی اور تیسری جماعت دوسرے شہر میں چلی جائے گی جو ان سے قریب ہوگا' دجال کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے' جن کے سروں پر تاج ہوں گے' ان کی اکثریت یہودیوں کی اور عورتوں کی ہوگی' یہاں کے یہ مسلمان ایک گھاٹی میں سمٹ کر محصور ہو جائیں گے' ان کے جانور جو چرنے چگنے کو گئے ہوں گے' وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے' اس سے ان کے مصائب بہت بڑھ جائیں گے اور بھوک کے مارے برا حال ہو جائے گا' یہاں تک کہ اپنی کمانوں کی تانیں سینک سینک کر کھالیں گے' جب سخت تنگی کا عالم ہوگا تو انہیں سمندر میں سے آواز آئے گی کہ لوگو تمہاری مدد آ گئی' اس آواز کو سن کر یہ لوگ خوش ہوں گے' کیونکہ آواز سے جان لیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز ہے' عین صبح کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' ان کا امیر آپ سے کہے گا کہ اے روح اللہ آگے بڑھئے اور نماز پڑھائیے لیکن آپ کہیں گے کہ اس امت کے بعض' بعض کے امیر ہیں' چنانچہ انہی کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا' نماز سے فارغ ہوکر آپ اپنا حربہ ہاتھ میں لے کر مسیح دجال کا رخ کریں گے' دجال آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا' آپ اس کے سینہ پر وار کریں گے جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے' لیکن انہیں کہیں امن نہیں ملے گا' یہاں تک کہ اگر وہ کسی درخت تلے چھپیں گے تو وہ درخت پکار کر کہے گا کہ اے مومن یہ ایک کافر میرے پاس چھپا ہوا ہے اور اسی طرح پتھر بھی''۔ [1]

ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ کا کم و بیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا' جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں' تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں' میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو' وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا' اگر میری موجودگی میں آ گیا تو میں آپ اس سے نمٹ لوں گا اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو اپنے آپ کو اس سے بچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کو ہر مسلمان کا خلیفہ بناتا ہوں۔ وہ شام و عراق کے درمیان نکلے گا' دائیں بائیں خوب گھومے گا' لوگو اے اللہ کے بندو! دیکھو دیکھو تم ثابت قدم رہنا' سنو میں تمہیں اس

---

[1] [ضعیف: مسند احمد (۲۱۶/۳) طبرانی کبیر (۸۳۹۲)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں علی بن زید راوی ضعیف ہے۔[الموسوعة الحديثية (۱۷۹۰۰)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

کی ایسی صفت بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی۔ وہ ابتداء میں دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں' پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں' پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور کہے گا میں اللہ ہوں' پس تم یاد رکھنا کہ اللہ کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا' ہاں مرنے کے بعد دیدار باری تعالیٰ ہو سکتا ہے۔ اور سنو وہ کانا ہو گا اور تمہارا رب کانا نہیں' اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہو گا جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ غرض ہر ایمان دار پڑھ لے گا۔ اس کے ساتھ آگ ہو گی اور باغ ہو گا اس کی آگ دراصل جنت ہو گی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہو گا' سنو تم میں سے جسے وہ آگ میں ڈالے' وہ اللہ سے فریاد رسی چاہے اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے' اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی والی بن جائے گی جیسے کہ خلیل اللہ پر نمرود کی آگ ہو گئی تھی' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہو گا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کر دوں تو پھر تو مجھے رب مان لے گا وہ اقرار کرے گا' اتنے میں دو شیطان اس کی ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور ان سے کہیں گے بیٹے یہی تیرا رب ہے تو اسے مان لے' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہو گا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کر دیا جائے گا اسے آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کروا دے گا' پھر لوگوں سے کہے گا میرے اس بندے کو دیکھنا اب میں اسے زندہ کر دوں گا' لیکن پھر بھی یہ یہی کہے گا کہ اس کا رب میرے سوا اور ہے' چنانچہ یہ اسے اٹھا بٹھائے گا اور یہ خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دے گا میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے۔ اللہ کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی بہت زیادہ یقین ہو گیا۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ مومن میری تمام امت سے زیادہ بلند درجہ کا جنتی ہو گا''۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث کو سن کر ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا' [1] حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہو گا کہ وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا اور آسمان سے بارش ہو گی' وہ زمین کو پیداوار اگانے کا حکم دے گا اور زمین سے پیداوار نکلے گی' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہو گا کہ وہ ایک قبیلے کے پاس جائے گا وہ اسے نہ مانیں گے' اسی وقت ان کی تمام چیزیں برباد اور ہلاک ہو جائیں گے' ایک اور قبیلے کے پاس جائے گا جو اسے خدا مان لے گا' اسی وقت اس کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برسے گی اور زمین پھل اور کھیتی اگائے گی' ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام زمین کا گشت کرے گا' جب مدینے کا رخ کرے گا تو یہاں ہر ہر راہ پر فرشتوں کو کھلی تلواریں لیے ہوئے پائے گا تو ضریب کی انتہائی حد پر ضریب احمر کے پاس ٹھہر جائے گا' پھر مدینے میں تین بھونچال آئیں گے' اس وجہ سے جتنے منافق مرد اور جس قدر منافقہ عورتیں ہوں گی' سب مدینہ سے نکل کر اس کے لشکر میں مل جائیں گے اور مدینہ ان گندے لوگوں کو اس طرح اپنے میں سے دور پھینک دے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو الگ کر دیتی ہے' اس دن کا نام یوم الخلاص ہو گا''۔

ام شریک رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا اوّلاً

---

[1] [ضعیف : ابن ماجه (٤٠٧٧) ابن ابی عاصم فی السنة (٣٩١) الاجری فی الشریعة (٩٣٧)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابن ماجه (٨٨٤) ظلال الجنة (٣٩١)]

تو ہوں گے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہوگی' ان کا امام ایک صالح شخص ہوگا جو آگے بڑھ کر صبح کی نماز پڑھا رہا ہوگا' جیسے ہی حضرت عیسیٰ بن مریم ﷺ نازل ہوں گے۔ امام پچھلے پیروں پیچھے ہٹے گا تا کہ آپ آگے بڑھ کر امامت کرائیں لیکن آپ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ' اقامت تمہارے لیے کی گئی ہے پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا' نماز سے فارغ ہو کر آپ فرمائیں گے' دروازہ کھول دو' پس کھول دیا جائے گا' ادھر دجال ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لیے ہوئے موجود ہوگا' جن کے سر پر تاج اور جن کی تلواروں پر سونا ہوگا' دجال آپ کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دے گا لیکن آپ فرمائیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے گا تو اسے ٹال نہیں سکتا۔ چنانچہ آپ اسے مشرقی باب لد کے پاس پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کریں گے' اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن انہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی' ہر پتھر ہر درخت ہر دیوار اور ہر جانور بولتا ہوگا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے' آ اسے مار ڈال ببول کا درخت یہودیوں کا درخت ہے یہ نہیں بولے گا''۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کا رہنا چالیس سال تک ہوگا' سال آدھے سال کے برابر اور سال مہینہ بھر جیسا اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔ صبح ہی ایک شخص شہر کے ایک دروازے سے چلے گا' ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا تو شام ہو جائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ پھر ان چھوٹے دنوں میں ہم نماز کیسے پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا اندازہ کر لیا کرو جیسے ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں پس عیسیٰ بن مریم ﷺ میری امت میں حاکم ہوں گے' عادل ہوں گے' امام ہوں گے' باانصاف ہوں گے' صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ کو ہٹا دیں گے صدقہ چھوڑ دیا جائے گا پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی' حسد اور بغض بالکل جاتا رہے گا' ہر زہریلے جانور کا زہر ہٹا دیا جائے گا' بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے لیکن وہ انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا' شیروں سے لڑکے کھیلیں گے کچھ نہ ہوگا' بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھریں گے جیسے رکھوالا کتا ہو تمام زمین اسلام اور اصلاح سے اس طرح بھر جائے گی جیسے کوئی برتن پانی سے لبالب بھرا ہوا ہو' سب کا کلمہ ایک ہو جائے گا' اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی' لڑائی اور جنگ بالکل موقوف ہو جائے گی' قریش اپنا ملک سلب کر لیں گے' زمین مانند سفید چاندی کے منور ہو جائے گی اور جیسی برکتیں زمانہ آدم علیہ السلام میں تھیں لوٹ آئیں گی' ایک جماعت کو ایک انگور کا خوشہ پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہوگا' ایک انار اتنا ہوگا کہ ایک جماعت کھائے اور سیر ہو جائے بیل اتنی اتنی قیمت پر ملے گا اور گھوڑا چند درہموں پر ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا اس کی قیمت گر جانے کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لیے کہ لڑائیوں میں اس کی سواری بالکل نہ لی جائے گی۔ دریافت کیا گیا بیل کی قیمت بڑھ جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لیے کہ تمام زمین پر کھیتیاں ہونی شروع ہو جائیں گی۔ دجال کے آنے سے تین سال پیشتر سے سخت قحط سالی ہوگی' پہلے سال بارش کا تیسرا حصہ بحکم الٰہی روک لیا جائے گا اور زمین کی پیداوار کا بھی تیسرا حصہ کم ہو جائے گا' پھر دوسرے سال اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش کی دو تہائیاں روک لے اور یہی حکم زمین کو ہوگا کہ اپنی پیداوار کی دو تہائیاں کم کر دے' تیسرے سال

آسمان سے بارش کا ایک قطرہ نہ برسے گا' نہ زمین سے کوئی روئیدگی پیدا ہو گی' تمام جانور اس قحط سے ہلاک ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اس وقت لوگ زندہ کیسے رہ جائیں گے' آپ نے فرمایا ''ان کی غذا کے قائم مقام اس وقت ان کا ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہنا اور ﴿اَللّٰهُ اَكْبَرُ﴾ کہنا اور ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ﴾ کہنا اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کہنا ہوگا''۔ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے استاد نے اپنے استاد سے سنا وہ فرماتے تھے یہ حدیث اس قابل ہے کہ بچوں کے استاد اسے بچوں کو بھی سکھا دیں بلکہ لکھوائیں تا کہ انہیں بھی یاد رہے [1] یہ حدیث اس سند سے ہے تو غریب لیکن اس کے بعض حصوں کی شواہد دوسری حدیثیں ہیں۔ اسی حدیث جیسی ایک حدیث حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسے بھی ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

''صحیح مسلم شریف میں ہے ایک دن صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور اس طرح اسے واضح بیان فرمایا کہ ہم سمجھے' کہیں مدینہ کے نخلستان میں وہ موجود نہ ہو پھر جب ہم لوٹ کر آپ کی طرف آئے تو ہمارے چہروں سے آپ نے جان لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ہم نے دل کی بات کہہ دی تو آپ نے فرمایا! دجال کے علاوہ مجھے تو تم سے اس سے بھی بڑا خوف ہے' اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں آپ اس سے سمجھ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اس سے آپ بھگت لے گا' میں اپنا خلیفہ ہر مسلمان پر اللہ کو بناتا ہوں' وہ جوان ہوگا' آنکھ اس کی ابھری ہوئی ہوگی' بس یوں سمجھ لو کہ عبدالعزیٰ بن قطن جیسا ہوگا' تم میں جو اسے دیکھے اسے چاہیے کہ سورۂ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھے وہ شام وعراق کے درمیانی گوشے سے نکلے گا اور دائیں بائیں گشت کرے گا' اے اللہ کے بندو! خوب ثابت قدم رہنا' ہم نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ رہے گا کتنی مدت؟ آپ نے فرمایا چالیس دن' ایک دن سال کے برابر' ایک دن ایک مہینے کے برابر' ایک دن جمعہ کے برابر اور باقی دن تمہارے معمولی دنوں جیسے' پھر ہم نے دریافت کیا کہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا' کیا اس میں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کر لو اور نماز ادا کر لو' ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی رفتار کی سرعت کیسی ہوگی؟ فرمایا جیسے بادل ہواؤں سے بھاگتے ہیں۔ ایک قوم کو اپنی طرف بلائے گا وہ مان لیں گے تو آسمان سے ان پر بارش برسے گی' زمین سے کھیتی اور پھل اگیں گے' ان کے جانور تروتازہ اور زیادہ دودھ والے ہو جائیں گے' ایک قوم کے پاس جائے گا جو اسے جھٹلا دے گی اور اس کا انکار کر دے گی یہ وہاں سے لوٹے گا تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا' وہ بنجر زمین پر کھڑے ہو کر حکم دے گا کہ اے زمین کے خزانو نکل آؤ' تو وہ سب نکل آئیں گے اور شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے۔ یہ ایک نوجوان کو بلائے گا اسے قتل کرے گا اور اس کے ٹھیک دو ٹکڑے کر کے اتنی اتنی دور ڈال دے گا جو کسی تیر کی کمان سے نکلے ہوئے دور ہوں' پھر اسے آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اس کے پاس آ جائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا اور وہ دمشق کے سفید شرقی مینارے کے پاس دو چادریں اوڑھے دو فرشتوں کے پروں پر بازو رکھے ہوئے اتریں گے' جب سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور

---

[1] [ضعیف : المشكاة للألباني (٦٠٤٤) ظلال الجنة للألباني (٣٩١)]

جب اٹھائیں گے تو مثل موتیوں کے وہ قطرے لڑھکیں گے، جس کافر تک ان کا سانس پہنچ جائے وہ مر جائے گا اور آپ کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے' آپ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد کے پاس اسے پاکر قتل کریں گے' پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے' جنہیں اللہ نے اس فتنے سے بچایا ہوگا' ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت کے درجوں کی انہیں خبر دیں گے' اب اللہ کی طرف سے حضرت عیسیٰ کے پاس وحی آئے گی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تو تم میرے ان خاص بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ۔

پھر یاجوج' ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر طرف سے کودتے پھاندتے آجائیں گے' بحیرہ طبریہ پر ان کا پہلا گروہ آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا' جب ان کے بعد ہی دوسرا گروہ آئے گا تو وہ اسے ایسا سوکھا ہوا پائے گا کہ وہ کہیں گے شاید یہاں کبھی پانی نہیں ہوگا؟ حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی مومن وہاں اس قدر محصور رہیں گے کہ ایک بیل کا سر انہیں اس سے بھی اچھا لگے گا جیسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوب ہیں' اب آپ اور مومن اللہ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے' اللہ ان پر گردن کی گلٹی کی بیماری بھیج دے گا' جس میں سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم میں فنا ہو جائیں گے' پھر حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی زمین پر اتریں گے مگر زمین پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں سے اور بدبو سے خالی نہ ہو' پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے تو بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ایک قسم کے پرند اللہ تعالیٰ بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے ڈال آئیں گے' پھر بارش ہوگی' جس سے تمام زمین دھل دھلا کر ہتھیلی جیسی صاف ہو جائے گی پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل نکال اور اپنی برکتیں لوٹا' اس دن ایک انار ایک جماعت کو کافی ہوگا اور وہ سب اس کے چھلکے تلے آرام حاصل کر سکیں گے' ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے سے نہیں پیا جائے گا' پھر پروردگار عالم ایک لطیف اور پاکیزہ ہوا چلائے گا جو تمام ایماندار مردوں عورتوں کی بغل تلے سے نکل جائے گی اور ساتھ ہی ان کی روح بھی پرواز کر جائے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح دھینگا مشتی میں مشغول ہو جائیں گے ان پر قیامت قائم ہوگی۔ [1] مسند احمد میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے اسے ہم سورۂ انبیاء کی آیت ﴿ حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ ﴾ [2] الخ' کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاءاللہ تعالیٰ۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے جو مجھے پہنچی ہے کہ آپ فرماتے ہیں قیامت یہاں یہاں تک آجائے گی آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہہ کر فرمایا میرا تو اب جی چاہتا ہے کہ تمہیں اب کوئی حدیث ہی نہ سناؤں' میں نے تو یہ کہا تھا کہ کچھ زمانے کے بعد تم بڑے بڑے امر دیکھو گے' بیت اللہ جلا دیا جائے گا اور یہ ہوگا وہ ہوگا وغیرہ۔ پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دجال نکلے گا اور میری امت میں چالیس تک ٹھہرے گا' مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا'

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الفتن: باب ذکر الدجال (۲۹۳۷)]

[2] [سورۂ الانبیاء: آیت ۹۶]

آپ کی صورت مثل حضرت عروہ بن مسعود کے ہے۔ آپ اسے تلاش کر کے قتل کریں گے پھر سات سال تک لوگ اسی طرح رہیں گے کہ دو میں بھی کچھ عداوت نہ ہو گی' پھر ایک ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے چلے گی اور سب ایمان والوں کو فوت کردے گی' جس کے دل میں ایک ذرے برابر بھی بھلائی یا ایمان ہو گا اگر چہ وہ کسی پہاڑ کے غار میں ہو وہ بھی فوت ہو جائے گا' پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور درندوں جیسے دماغوں والے ہوں گے' اچھائی برائی کی کوئی تمیز ان میں نہ ہو گی' شیطان ان کے پاس انسانی صورت میں آ کر انہیں بت پرستی کی طرف مائل کرے گا لیکن ان کی اس حالت میں بھی ان کی روزی کے دروازے ان پر کھلے ہوں گے اور زندگی بہ آرام گذر رہی ہو گی' پھر صور پھونکا جائے گا' جس سے لوگ گرنے مرنے لگیں گے' ایک شخص جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے ان کا حوض ٹھیک کر رہا ہو گا' سب سے پہلے صور کی آواز اس کے کان میں پڑے گی' جس سے یہ اور تمام اور لوگ بیہوش ہو جائیں گے۔ غرض سب کچھ فنا ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ مینہ برسائے گا' جو مثل شبنم کے یا مثل سائے کے ہو گا' اس سے دوبارہ جسم پیدا ہوں گے پھر دوسرا پھونکا جائے گا' سب کے سب جی اٹھیں گے' پھر کہا جائے گا اپنے رب کی طرف چلو' انہیں ٹھہرا کر ان سے سوال کیا جائے گا پھر فرمایا جائے گا جہنم کا حصہ نکالو' پوچھا جائے گا کتنوں سے کتنے؟ جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے یہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور یہی دن ہے جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔ [1]

مسند احمد میں ہے ابن مریم ﷺ باب لد کے پاس یا لد کی جانب مسیح دجال کو قتل کریں گے۔ [2] ترمذی میں باب لد ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ [3] اس کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ نے چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام لیے ہیں کہ ان سے بھی اس باب کی حدیثیں مروی ہیں تو اس سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن میں دجال کا مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہونا مذکور ہے۔ صرف دجال کے ذکر کی حدیثیں تو بے شمار ہیں' جنہیں جمع کرنا سخت دشوار ہے۔ مسند میں ہے کہ عرفے سے آتے ہوئے حضور ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع کے پاس سے گذرے اس وقت وہاں قیامت کے ذکر اذکار ہو رہے تھے تو آپ نے فرمایا جب تک دس باتیں نہ ہو لیں' قیامت قائم نہ ہو گی' آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا' دھویں کا آنا' دابۃ الارض کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا آنا' عیسیٰ بن مریم کا نازل ہونا' دجال کا آنا' تین جگہ زمین کا دھنس جانا' شرق میں' غرب میں اور جزیرہ عرب میں اور عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر ایک جگہ کر دے گی وہ شب باشی بھی انہی کے ساتھ کرے گی اور جب دوپہر کو وہ آرام کریں گے یہ آگ ان کے ساتھ

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب خروج الدجال (۲۹۴۰)]

[2] [صحیح لغیرہ : مسند احمد (۳/۴۲۰) ، (۴/۲۲۶) مصنف عبد الرزاق (۲۰۸۳۵) حمیدی (۸۲۸) طبرانی کبیر (۱۹/۱۰۷۶)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اگر چہ یہ سند ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۱۵۴۶۹)]

[3] [صحیح : ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجاء فی قتل عیسی ابن مریم الدجال (۲۲۴۴) مسند احمد (۳/۴۲۰)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ترمذی (۱۸۲۹)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔

ٹھہری رہے گی۔ یہ حدیث مسلم اور سنن میں بھی ہے [1] اور حضرت حذیفہ بن اسید غفاری سے موقوفاً یہی مروی ہے واللہ اعلم۔ پس آنحضرت ﷺ کی یہ متواتر حدیثیں جو حضرت ابوہریرہ حضرت ابن مسعود' حضرت عثمان بن ابو العاص' حضرت ابوامامہ' حضرت نواس بن سمعان' حضرت عبداللہ بن عمرو' حضرت مجمع بن جاریہ' حضرت ابوشریحہ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ یہ صاف دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے' ساتھ ہی ان میں یہ بھی بیان ہے کہ کس طرح اتریں گے اور کہاں اتریں گے اور کس وقت اتریں گے؟ یعنی صبح کی نماز کی اقامت کے وقت شام کے شہر دمشق کے شرقی مینار پر آپ اتریں گے۔ اس زمانہ میں یعنی سن سات سو کتالیس میں جامع اموی کا مینارہ سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے' اس لیے کہ آگ کے شعلہ سے یہ جل گیا ہے آگ لگانے والے غالباً ملعون عیسائی تھے کیا عجب کہ یہی وہ مینارہ ہو جس پر مسیح بن مریم ﷺ نازل ہوں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے' صلیبوں کو توڑ دیں گے' جزیئے کو ہٹادیں گے اور سوائے دین اسلام کے اور کوئی دین قبول نہ فرمائیں گے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیثیں گذر چکیں' جن میں پیغمبر صادق و مصدوق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے اور اسے ثابت بتایا ہے۔ یہ وہ وقت ہوگا جبکہ تمام شک شبے ہٹ جائیں گے' اور لوگ حضرت عیسیٰ کی پیروی کے ماتحت اسلام قبول کرلیں گے۔ جیسے اس آیت میں ہے اور جیسے فرمان ہے ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ [2] اور ایک قرات میں ﴿لَعَلَمٌ﴾ ہے یعنی جناب مسیح علیہ السلام قیامت کا ایک زبردست نشان ہے' یعنی قرب قیامت کا اس لیے کہ آپ دجال کے آچکنے کے بعد تشریف لائیں گے اور اسے قتل کریں گے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کا علاج نہ مہیا کیا ہو' [3] آپ ہی کے وقت میں یاجوج ماجوج نکلیں گے' جنہیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ہلاک کرے گا۔ قرآن کریم ان کے نکلنے کی خبر بھی دیتا ہے' فرمان ہے ﴿حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ [4] یعنی ان کا نکلنا بھی قرب قیامت کی دلیل ہے۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفتیں ملاحظہ ہوں۔ پہلے کی دو احادیث میں بھی آپ کی صفت گذر چکی ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ لیلۃ المعراج میں میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی وہ درمیانہ قد صاف بالوں والے ہیں' جیسے شنوہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی' وہ سرخ رنگ میانہ قد ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی میں نے دیکھا بس وہ بالکل مجھ جیسے تھے۔ [5] بخاری کی اور

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الفتن: باب فی الآیات التی تکون قبل الساعۃ (۲۹۰۱) ابوداؤد: کتاب الملاحم (۴۳۱۱) ابن ماجہ: کتاب الفتن (۴۰۴۱) ترمذی: کتاب الفتن (۲۱۸۳) مسند احمد (۴/۶-۷)]

[2] [سورۃ الزخرف: آیت ۶۱]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الطب: باب ما انزل اللہ داء (۵۶۷۸) ابن ماجہ (۳۴۳۸)]

[4] [سورۃ الانبیاء: آیت ۹۶، ۹۷]

[5] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالی واذکر فی الکتاب مریم (۳۴۳۷) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الاسراء برسول اللہ (۱۶۸) ترمذی (۳۱۳۰)]

روایت میں ہے ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ' گھنگریالے بالوں والے' چوڑے چکلے سینے والے تھے' حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے جسم اور سیدھے بالوں والے تھے' جیسے زط کے لوگ ہوتے ہیں [1] اسی طرح آپ نے دجال کی شکل وصورت بھی بیان فرما دی ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی' جیسے پھولا ہوا انگور' [2] آپ فرماتے ہیں مجھے کعبہ کے پاس خواب میں دکھلایا گیا کہ ایک بہت گندمی رنگ والے آدمی جن کے سر کے پٹھے دونوں کندھوں تک تھے' صاف بالوں والے جن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے طواف کر رہے ہیں' میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ مسیح بن مریم علیہ السلام ہیں' میں نے ان کے پیچھے ہی ایک شخص کو دیکھا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی' ابن قطن سے بہت ملتا جلتا تھا' سخت الجھے ہوئے بال تھے' وہ بھی دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے' میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔ [3] بخاری کی اور روایت میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سرخ رنگ نہیں بتایا بلکہ آپ نے گندمی رنگ بتایا ہے' پھر اوپر والی پوری حدیث ہے۔ حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا' جو جاہلیت میں مر چکا تھا۔ [4] وہ حدیث بھی گذر چکی جس میں یہ بیان ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنے نزول کے بعد چالیس سال یہاں رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔ [5] ہاں مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ یہاں سات سال رہیں گے' [6] تو ممکن ہے کہ چالیس سال کا فرمان اس مدت سمیت کا ہو جو آپ نے دنیا میں اپنے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے گذاری ہے۔ جس وقت آپ اٹھائے گئے اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال کی تھی اور سات سال اب آخر زمانے کے تو پورے چالیس سال ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ (ابن عساکر) بعض کا قول ہے کہ جب آپ آسمانوں پر چڑھائے گئے اس وقت آپ کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی' یہ بالکل فضول سا قول ہے' ہاں حافظ ابو القاسم رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں بعض سلف سے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں آپ کے ساتھ دفن کئے جائیں گے [7] واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے یعنی اس بات کے کہ اللہ کی رسالت آپ نے انہیں پہنچا دی

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم (٣٤٣٨)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری (٣٤٣٩) صحیح مسلم (٢٩٣٢)]

[3] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب ذکر المسیح ابن مریم (١٦٩)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالی واذکر فی الکتاب مریم (٣٤٤١) صحیح مسلم (١٦٩)]

[5] [صحیح: مسند احمد (٤٦/٢) تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٨٣٥) ابوداؤد (٤٣٢٤)]

[6] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الفتن: باب خروج الدجال (٢٩٤٠)]

[7] [ضعیف: ترمذی: کتاب المناقب: باب فی فضل النبی (٣٦١٧)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی، المشکاۃ (٥٧٧٢)]

تھی اور خود آپ نے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا تھا' جیسے سورۂ مائدہ کے آخر میں ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ﴾ سے ﴿اَلْحَكِيْمُ﴾ [1] تک ہے یعنی آپ کی گواہی کا وہاں ذکر ہے اور اللہ کے سوال کا۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۲

جو نفیس چیزیں ان کے لیے حلال کی گئی تھی وہ ہم نے ان پر حرام کر دیں ان کے ظلم کے باعث اور راہ اللہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث ○ اور سود جس سے وہ منع کیے گئے تھے اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق مار کھانے کے باعث' ان میں سے جو کفار ہیں ہم نے ان کے لیے المناک عذاب مہیا کر رکھے ہیں ○ لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں کو قائم رکھنے والے ہیں اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے بڑے اجر عطا فرمائیں گے ○

یہود کی تحریفات اور ان کا انجام: اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ حرام کام ان کا مقدر تھا یعنی اللہ کی طرف سے لکھا جا چکا تھا کہ یہ لوگ اپنی کتاب کو بدل دیں' اس میں تحریف کر لیں اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیں' صرف اپنے تشدد اور اپنی سخت گیری کی وجہ سے' دوسرا یہ کہ یہ حرمت شرعی ہے یعنی نزول تورات سے پہلے جو بعض چیزیں ان پر حلال تھیں' توراۃ کے اترنے کے وقت ان کی بعض بدکاریوں کی وجہ سے وہ حرام قرار دے دی گئیں جیسے فرمان ہے ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ﴾ [2] الخ' یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ جو حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' اس کے سوا تمام طعام بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے پھر توراۃ میں ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں' جیسے سورۂ انعام میں فرمایا ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا﴾ [3] الخ' یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن دار جانور حرام کر دیا اور گائے بکری کی چربی بھی جو الگ تھلگ ہو ہم نے ان پر حرام قرار دے دی' یہ اس لیے کہ یہ باغی' طاغی' مخالف رسول اور اختلاف کرنے والے لوگ تھے پہلے یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ ان کے ظلم و زیادتی کے سبب وہ خود اللہ کے راستہ سے الگ ہو کر اور دوسروں کو بھی بہکانے کے باعث

---

[1] [سورہ المائدہ: آیت ۱۱۶ - ۱۱۸]
[2] [سورہ ال عمران: آیت ۹۳]
[3] [سورہ الانعام: آیت ۱۴۶]

جوان کی پرانی عادت تھی رسولوں کے دشمن بن جاتے تھے ۔انہیں قتل کر ڈالتے تھے' انہیں جھٹلاتے تھے' ان کا مقابلہ کرتے تھے اور طرح طرح کے حیلے کر کے سود خوری کرتے تھے جو محض حرام تھی اور بھی جس طرح بن پڑتا لوگوں کے مال غصب کرنے کی تاک میں لگے رہتے اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ اللہ نے یہ کام حرام کیے ہیں جرات سے انہیں کر گذرتے تھے' اس وجہ سے ان پر بعض حلال چیزیں بھی ہم نے حرام کر دیں' ان کفار کے لیے دردناک عذاب تیار ہیں' لیکن ان میں جو سچے دین والے اور پختہ علم والے ہیں' اس جملے کی تفسیر سورۂ آل عمران میں گذر چکی ہے اور جو باایمان ہیں وہ تو قرآن کو اور تمام پہلی کتابوں کو مانتے ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت ثعلبہ بن سعیہ' زید بن سعیہ' حضرت اسد بن عبید رضی اللہ عنہم ہیں' جو اسلام قبول کر چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مان چکے تھے آگے کا جملہ ﴿وَالْمُقِيمِينَ الصَّلٰوةَ﴾ تمام ائمہ کے قرآن میں اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اسی طرح ہے لیکن بقول علامہ ابن جریر رحمہ اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں ﴿وَالْمُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ﴾ ہے۔صحیح قرات اگلی ہی ہے جن بعض لوگوں نے اسے کتابت کی غلطی بتایا ہے ان کا قول غلط ہے۔بعض تو کہتے ہیں اس کی نصبی حالت مدح کی وجہ سے ہے' جیسے ﴿وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ﴾ [1] الخ' میں ہے اور کلام عرب میں اور شعروں میں برابر یہ قاعدہ موجود پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ عطف ہے اگلے جملے پر یعنی ﴿بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ﴾ پر یعنی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرنے پر بھی ان کا ایمان ہے' یعنی اسے واجب و برحق مانتے ہیں' یا یہ مطلب ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی ان کا قرآن پر اور الہامی کتابوں پر اور فرشتوں پر ایمان ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اس میں تامل کی ضرورت ہے واللہ اعلم۔

اور زکوۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مال کی یا جان کی اور دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں واللہ اعلم۔اور صرف اللہ ہی کو لائق عبادت جانتے ہیں اور موت کے بعد کی زندگانی پر بھی یقین کامل رکھتے ہیں کہ ہر بھلے برے عمل کی جزا سزا اس دن ملے گی' یہی لوگ ہیں جنہیں ہم اجر عظیم یعنی جنت دیں گے۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَّالنَّبِيِّنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ
إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَٰرُونَ
وَسُلَيْمَٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ
وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ
وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا
حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

---

[1] [سورہ البقرہ : آیت ١٧٧]

یقیناً ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی' اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور یعقوب اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف' اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی ○ اور تجھ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے تجھ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے' اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا ○ ہم نے انہیں رسول بنایا خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تا کہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر رہ نہ جائے' اللہ بڑا غالب اور بڑا با حکمت ہے ○

انبیاء کرام علیہم السلام کے صحائف اور ان کی بنیادی تعلیمات: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سکین اور عدی بن زید نے کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نہیں مانتے کہ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو"۔ اس پر یہ آیتیں اتریں' محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب آیت ﴿یَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ سے عَظِیْمًا﴾ تک اتری اور یہودیوں کے برے اعمال کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پر اللہ نے اپنا کوئی کلام نازل ہی نہیں فرمایا' نہ موسیٰ پر' نہ عیسیٰ پر' نہ کسی اور نبی پر' آپ اس وقت گوٹھ لگائے بیٹھے تھے اسے آپ نے کھول دیا اور فرمایا کسی پر بھی نہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ﴾ [1] الخ' نازل فرمائی۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے اس لیے کہ یہ آیت سورۂ انعام میں ہے جو مکیہ ہے اور سورۂ نساء کی مندرجہ بالا آیت مدنیہ ہے جو ان کی تردید میں ہے' جب انہوں نے کہا تھا کہ آسمان سے کوئی کتاب آپ اتار لائیں' جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا الخ۔ پھر ان کے عیوب بیان فرمائے ان کی پہلی اور موجودہ سیاہ کاریاں واضح کر دیں پھر فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے جس طرح اور انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کی۔ زبور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داود علیہ السلام پر اتری تھی' ان انبیاء علیہم السلام کے قصے سورۂ قصص کی تفسیر میں ہم بیان کریں گے' ان شاء اللہ۔ پھر فرماتا ہے اس آیت یعنی مکی سورت کی آیت سے پہلے بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہو چکا ہے اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں بھی ہوا۔ جن انبیاء علیہم السلام کے نام قرآن کے الفاظ میں آ گئے ہیں وہ یہ ہیں: آدم' ادریس' نوح' ہود' صالح' ابراہیم' لوط' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' یوسف' شعیب' موسیٰ' ہارون' یونس' داود' سلیمان' یسع' زکریا' عیسیٰ' یحییٰ اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل اور ایوب اور الیاس علیہم السلام اور ان سب کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا' اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کی تعداد میں اختلاف ہے' اس بارے میں مشہور حدیث حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے کہ آپ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم السلام کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے پوچھا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ' بہت بڑی جماعت۔ میں نے پھر دریافت کیا "سب سے پہلے کون سے ہیں؟" فرمایا "آدم علیہ السلام میں نے کہا "کیا وہ بھی رسول تھے؟" فرمایا "ہاں اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' پھر ان میں اپنی روح پھونکی' پھر

[1] [سورہ الانعام: آیت ۹۱]

درست اور ٹھیک ٹھاک کیا'' پھر فرمایا اے ابوذر چار سریانی ہیں' آدم' شیث' نوح' خنوخ ﷺ جن کا مشہور نام ادریس ہے' انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا چار عربی ہیں' ہود' صالح' شعیب ﷺ اور تمہارے نبی ﷺ اے ابوذر بنو اسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ تمام نبیوں میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ﷺ ہیں''۔ [1] اس پوری حدیث کو جو بہت طویل ہے' حافظ ابو حاتم نے اپنی کتاب الانواع والتقاسیم میں روایت کیا ہے جس پر صحت کا نشان دیا ہے' لیکن ان کے برخلاف امام ابو الفرج بن جوزی رحمہ اللہ اسے بالکل موضوع بتلاتے ہیں' اور ابراہیم بن ہشام اس کے ایک راوی پر وضاع ہونے کا وہم کرتے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے بہت سے لوگوں نے ان پر اس حدیث کی وجہ سے کلام کیا ہے واللہ اعلم' لیکن یہ حدیث دوسری سند سے حضرت ابوامامہ سے بھی مروی ہے' لیکن اس میں معان بن رفاعہ سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں اور قاسم ابوعبدالرحمٰن بھی ضعیف ہیں' [2] ایک اور حدیث ابویعلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں' چار ہزار بنواسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف' [3] یہ حدیث بھی ضعیف ہے اس میں ربذی اور ان کے استاد رقاشی دونوں ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔ ابویعلی کی اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا آٹھ ہزار انبیاء ﷺ میرے بھائی گذر چکے ہیں ان کے بعد حضرت عیسیٰ آئے اور ان کے بعد میں آیا ہوں۔ [4] اور حدیث میں ہے میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں جن میں سے چار ہزار تو بنی اسرائیل میں سے تھے۔ [5] یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہیں اور سند میں کوئی کمی یا اختلاف نہیں بجز احمد بن طارق کے کہ ان کے بارے میں مجھے کوئی علالت یا جرح نہیں ملی' واللہ اعلم۔

ابوذر غفاری والی طویل حدیث جو انبیاء ﷺ کی گنتی کے بارے میں ہے' اسے بھی سن لیجیے' آپ فرماتے ہیں

---

[1] [ضعیف جدا : صحیح ابن حبان (٣٦١) ابو نعیم فی الحلیة (١/١٦٦۔١٦٨)] اس کی سند میں ابراهیم بن هشام راوی ضعیف هے۔ [میزان (١/٧٣)، (٤/٣٧٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [ضعیف جدا : مسند احمد (٥/٢٦٥) تفسیر ابن ابی حاتم (٦٢٨٣)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (٢١٥٤٦)]

[3] [ضعیف جدا : مسند ابو یعلی (٤١٣٢) ابو نعیم فی الحلیة (٣/٥٣)] امام سیوطیؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الدر المنثور (٢/٤٣٦)] اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ اور یزید رقاشی دو راوی ضعیف ہیں۔ [مجمع الزوائد (١٣٨٠٨)]

[4] [ضعیف جدا : مسند ابو یعلی (٤٠٩٢) مستدرك حاكم (٢/٥٩٨)] امام ہیثمیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (١٣٨١٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[5] [ضعیف جدا : ابو نعیم فی الحلیة (٣/١٦٢) طبرانی اوسط (٧٧٤)] اس کی سند میں مہاجر بن مسمار راوی ضعیف ہے جیسا کہ امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے۔ [مجمع الزوائد (٨/٢١٣)] مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

میں مسجد میں آیا اور اس وقت حضور ﷺ تنہا تشریف فرما تھے' میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا آپ نے نماز کا حکم دیا ہے آپ نے فرمایا ''ہاں وہ بہتر چیز ہے' چاہے کوئی زیادتی کرے چاہے کمی'' میں نے کہا ''حضور ﷺ کون سے اعمال افضل ہیں؟'' فرمایا ''اللہ پر ایمان لانا' اس کی راہ میں جہاد کرنا'' میں نے کہا ''حضور ﷺ کون سا مومن افضل ہے؟'' فرمایا سب سے اچھے اخلاق والا' میں نے کہا حضور کون سا مسلمان اعلیٰ ہے؟'' فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں'' میں نے پوچھا ''کون سی ہجرت افضل ہے؟'' فرمایا ''برائیوں کو چھوڑ دینا'' میں نے پوچھا کون سی نماز افضل ہے؟ فرمایا ''لمبے قنوت والی'' میں نے کہا کون سا روزہ افضل ہے؟ فرمایا ''فرض کفایت کرنے والا ہے اور اللہ کے پاس بہت بڑھا چڑھا ثواب ہے''۔ میں نے پوچھا کون سا جہاد افضل ہے؟'' فرمایا جس کا گھوڑا بھی کاٹ دیا جائے اور خود اس کا بھی خون بہا دیا جائے''۔ میں نے کہا غلام کو آزاد کرنے کے عمل میں افضل کیا ہے؟'' فرمایا جس قدر گراں قیمت ہو اور مالک کو زیادہ پسند ہو''۔ میں نے پوچھا صدقہ کون سا افضل ہے؟ فرمایا ''کم مال والے کا کوشش کرنا اور چپکے سے محتاج کو دے دینا''۔ میں نے کہا قرآن میں سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ فرمایا ''آیت الکرسی'' پھر آپ نے فرمایا ''اے ابوذر ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کوئی حلقہ کسی چٹیل میدان کے مقابلے میں اور عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے جیسے وسیع میدان کی حلقے پر'' میں نے عرض کیا حضور ﷺ انبیاء علیہم السلام کتنے ہیں؟ فرمایا ''ایک لاکھ چوبیس ہزار'' میں نے کہا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا ''تین سو تیرہ کی بہت بڑی پاک جماعت'' میں نے پوچھا سب سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا ''آدم علیہ السلام میں نے کہا کیا وہ بھی نبی رسول تھے؟ فرمایا ''ہاں انہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور انہیں صحیح تر بنایا''۔ پھر آپ نے فرمایا سنو چار تو سریانی ہیں' آدم' شیث' خنوخ اور یہی ادریس ہیں علیہم السلام جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے لکھا اور نوح اور چار عربی ہیں ہود' شعیب' صالح علیہم السلام اور تمہارے نبی ﷺ سب سے پہلے رسول حضرت آدم ہیں اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں؟ فرمایا ایک سو چار' حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے' حضرت خنوخ علیہ السلام پر تیس صحیفے' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ سے پہلے دس صحیفے اور توراۃ انجیل زبور اور فرقان' میں نے کہا یا رسول اللہ حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا اس کا کل یہ تھا اے بادشاہ مسلط کیا ہوا اور مغرور میں نے تجھے دنیا جمع کرنے اور ملا ملا کر رکھنے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے کہ تو مظلوم کی پکار کو سامنے سے ہٹا دے اگر میرے پاس پہنچے تو میں اسے رد نہ کروں گا گو وہ مظلوم کافر ہی ہو' اور ان میں مثالیں بھی تھیں یہ کہ عاقل کو لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات کے کئی حصے کرے ایک وقت اپنے نفس کا حساب لے ایک وقت خدا کی صفت میں غور کرے ایک وقت اپنے کھانے پینے کی فکر کرے' اس کی مرکزی تعلیم جبر سے مسلط بادشاہ کو اس کے اقتدار کا مقصد سمجھانا تھا اور اسے مظلوم کی فریاد رسی کرنے کا احساس دلانا تھا۔ عقل مند کو تین چیزوں کے سوا کسی اور چیز میں دلچسپی نہ لینا چاہیے' ایک تو آخرت کے زاد راہ کی فکر' دوسرے سامان زیست اور تیسرے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ نعمتوں سے لطف اندوز ہونا یا فکر معاش یا غیر حرام چیزوں سے سرور لذت' عقل مند کو اپنے وقت کو غنیمت

سمجھ کر سرگرم عمل رہنا چاہیے۔ اپنی زبان پر قابو اور قول و فعل میں یکسانیت برقرار رکھنا چاہیے وہ بہت کم گو ہوگا' بات وہی کہو جو تمہیں نفع دے' میں نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا وہ عبرت دلانے والی تحریروں کا مجموعہ تھے' مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا یقین رکھتا ہے پھر بھی غافل ہے' تقدیر کا یقین رکھتا ہے پھر بھی مال و دولت کے لیے پاگل ہو رہا ہے' ہائے وائے میں پڑا ہوا ہے' دنیا کی بے ثباتی دیکھ کر بھی اسی کو سب کچھ سمجھتا رہے' قیامت کے دن حساب کو جانتا ہے پھر بے عمل ہے' میں نے عرض کیا حضور ﷺ اگلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں جو تھا اس میں سے بھی کچھ ہماری کتاب میں ہمارے ہاتھوں میں ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں پڑھو ﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾ [1] آخر سورت تک' میں نے کہا حضور ﷺ مجھے وصیت کیجیے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں' یہی تیرے اعمال کا سر ہے' میں نے کہا رسول اللہ ﷺ کچھ اور بھی' آپ نے فرمایا قرآن کی تلاوت اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہ وہ تیرے لیے آسمانوں میں ذکر کا اور زمین میں نور کے حصول کا سبب ہو گا' میں نے پھر کہا حضور ﷺ کچھ مزید فرمائیے' فرمایا خبردار زیادہ ہنسی سے باز رہو زیادہ ہنسی دل کو مردہ اور چہرہ کا نور دور کر دیتی ہے' میں نے کہا اور زیادہ فرمایا جہاد میں مشغول رہو' میری امت کی رہبانیت یعنی درویشی یہی ہے' میں نے کہا اور وصیت کیجیے فرمایا بھلی بات کہنے کے سوا زبان بند رکھو' اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور دینی کاموں میں بڑی تائید ہوگی۔ میں نے کہا کچھ اور بھی فرما دیجیے فرمایا اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کو دیکھا کرو اور اپنے سے اعلیٰ درجہ کے لوگوں پر نظریں نہ ڈالو' اس سے تمہارے دل میں اللہ کی نعمتوں کی عظمت پیدا ہوگی' میں نے کہا مجھے اور زیادہ نصیحت کیجیے فرمایا مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کے ساتھ بیٹھو' اس سے اللہ کی رحمتیں تمہیں گراں قدر معلوم ہوں گی' میں نے کہا اور فرمائیے فرمایا: ''قرابت داروں سے ملتے رہو' چاہے وہ تجھ سے نہ ملیں' میں نے کہا اور؟ فرمایا سچ بات کہو چاہے وہ کسی کو کڑوی لگے' میں نے اور بھی نصیحت طلب کی فرمایا اللہ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کر' میں نے کہا اور فرمائیے فرمایا اپنے عیبوں پر نظر رکھا کر' دوسروں کی عیب جوئی سے باز رہو' پھر میرے سینے پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا اے ابوذر تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں اور حرام سے رک جانے سے بڑھ کر کوئی پرہیزگاری نہیں اور اچھے اخلاق سے بہتر کوئی حسب نسب نہیں۔ [2] مسند احمد میں بھی یہ حدیث کچھ اسی مفہوم کی ہے۔ [3]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کیا خارجی بھی دجال کے قائل ہیں' لوگوں نے کہا نہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں ایک ہزار بلکہ زیادہ نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور ہر ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے لیکن مجھ سے اللہ نے اس کی وہ علامت بیان فرمائی ہے جو کسی اور کو نہیں فرمائی ''سنو وہ بھینگا ہوگا اور رب

---

[1] [سورة الاعلى: آیت ۱۴، ۱۹]

[2] [ضعیف : صحیح ابن حبان (۳۶۱) ابو نعیم (۱/۱۶۶) ابن ماجه (۴۲۱۸)] حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (۳/۳۰۳)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے السلسلة الضعيفة میں ذکر کیا ہے۔ [۴/۳۸۳)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ابراہیم بن ہشام راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (۴/۲۱۹)]

[3] [ضعیف و منقطع : مسند احمد (۵/۱۷۸-۱۷۹)]

ایسا ہو نہیں سکتا اس کی داہنی آنکھ کانی بھینگی ہو گی' آنکھ کا ڈھیلا اتنا اٹھا ہوا جیسے چونے کی صاف دیوار پر کسی کا کھنکار پڑا ہو اور اس کی بائیں آنکھ ایک جگمگاتے ستارے جیسی ہے' وہ تمام زبانیں بولے گا' اس کے ساتھ جنت کی صورت ہو گی سرسبز و شاداب اور پانی والی اور دوزخ کی صورت ہو گی سیاہ دھواں دھار"[1] ایک حدیث میں ہے ایک لاکھ نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں بلکہ زیادہ کا الخ ۔[2] پھر فرماتا ہے موسیٰ سے خود اللہ نے صاف طور پر کلام کیا۔ یہ ان کی خاص صفت ہے کہ وہ کلیم اللہ تھے' ایک شخص حضرت ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص اس جملہ کو یوں پڑھتا ہے ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهَ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾ یعنی موسیٰ نے اللہ سے بات کی ہے' اس پر آپ بہت بگڑے اور فرمایا یہ کسی کافر نے پڑھا ہو گا۔ میں نے اعمش سے' اعمش نے یحییٰ سے' یحییٰ نے عبدالرحمٰن سے' عبدالرحمٰن نے علی سے' علی نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا ہے کہ ﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا﴾[3] غرض اس شخص کی معنوی اور لفظی تحریف پر آپ بہت زیادہ ناراض ہوئے مگر عجب نہیں کہ یہ کوئی معتزلی ہو' اس لیے کہ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا نہ کسی اور سے۔ کسی معتزلی نے ایک بزرگ کے سامنے اسی آیت کو اسی طرح پڑھا تو انہوں نے اسے ڈانٹ کر فرمایا پھر اس آیت میں یہ بد دیانتی کیسے کرو گے؟ جہاں فرمایا ہے ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ﴾[4] یعنی موسیٰ ہمارے وعدے پر آئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا' مطلب یہ ہے کہ یہاں تو یہ تاویل و تحریف نہیں چلے گی۔

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو وہ اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی کا کسی صاف پتھر پر چلنا بھی دیکھ لیتے تھے"۔[5] یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں اور جب موقوفاً بقول ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ثابت ہو جائے تو بہت ٹھیک ہے۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ کلیم اللہ سے جب اللہ نے کلام کیا وہ صوف کی چادر اور صوف کی سردول اور غیر مذبوح گدھے کی کھال کی جوتیاں پہنے ہوئے تھے۔[6]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چالیس ہزار باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیں جو سب کی

---

[1] [ضعیف : مسند احمد: (۳/ ۷۹) مستدرك حاكم (۲/ ۵۹۷) ابن ابی شیبة (۸/ ۶۴۷)] اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (۱۲۰۳۳)]

[2] [ضعیف : بزار فی کشف الاستار (۴/ ۱۳۵) ابن ابی شیبة (۸/ ۶۴۶)] اس کی سند بھی مجالد بن سعید راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف : طبرانی اوسط (۸۶۰۳) الدر المنثور للسیوطی (۲/ ۴۳۸)] امام ہیثمیؒ کے مطابق اس کی سند میں عبد الجبار بن عبداللہ راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (۷/ ۱۲)]

[4] [سورہ الاعراف: آیت ۱۴۳]

[5] [ضعیف : امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں حسن بن ابی جعفر راوی متروک ہے۔[مجمع الزوائد (۸/ ۳۷۳)]

[6] ضعیف جدا : مستدرك حاكم (۲/ ۳۷۹) ترمذی (۱۷۳۴) مسند ابو یعلی (۴۹۸۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۶/ ۱۴۴) العقیلی فی الضعفاء (۱/ ۲۶۸)] شیخ البانیؒ نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعیفة (۱۲۴۰)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

سب وصیتیں تھیں' نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی باتیں حضرت موسیٰ سے سنی نہیں جاتی تھیں کیونکہ کانوں میں اسی پاک کلام الٰہی کی گونج رہتی تھی' [1] اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں۔ پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔ ایک اثر ابن مردویہ میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو کلام اللہ تعالیٰ نے طور والے دن حضرت موسیٰ سے کیا تھا یہ تو میرے اندازے کے مطابق اس کی صفت جس دن پکارا تھا اس انداز کلام کی صفت سے الگ تھی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا راز معلوم کرنا چاہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ ابھی تو میں نے دس ہزار زبانوں کے برابر کی قوت سے کلام کیا ہے حالانکہ مجھے تمام زبانوں کی قوت حاصل ہے بلکہ ان سب سے بھی بہت زیادہ۔ بنواسرائیل آپ سے جب کلام ربانی کی صفت پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا: ''میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا'' انہوں نے کہا کچھ تشبیہ تو بیان کرو' آپ نے فرمایا تم نے کڑاکے کی آواز سنی ہوگی' وہ اس کے مشابہ تھی لیکن ویسی نہ تھی' [2] اس کے ایک راوی فضل رقاشی ضعیف ہیں اور بہت ہی ضعیف ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو یہ تمام زبانوں پہ محیط تھا۔ حضرت کلیم اللہ نے پوچھا ''باری تعالیٰ یہ تیرا کلام ہے؟ فرمایا نہیں اور نہ تو میرے کلام کی استقامت کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اے رب تیری مخلوق میں سے کسی کا کلام تیرے کلام سے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں سوائے سخت تر کڑاکے کے۔

یہ روایت بھی موقوف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ اگلی کتابوں سے روایت کیا کرتے تھے جن میں بنواسرائیل کی حکایتیں ہر طرح صحیح اور غیر صحیح ہوتی ہیں۔ یہ رسول ہی ہیں جو اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور اس کی رضامندی کے متلاشیوں کو جنتوں کی خوشخبریاں دیتے ہیں اور اس کے فرمان کے خلاف کرنے والوں' اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کو عذاب اور سزا سے ڈراتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتابیں نازل فرمائی ہیں اور اپنے رسول بھیجے ہیں اور ان کے ذریعہ اپنے اوامر و نواہی کی تعلیم دلوائی یہ اس لیے کہ کسی کو کوئی حجت یا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ [3] الخ' یعنی اگر ہم انہیں اس سے پہلے ہی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجے جو ہم ان کی باتیں مانتے اور اس ذلت و رسوائی سے بچ جاتے۔

اسی جیسی یہ آیت بھی ہے ﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ﴾ [4] الخ' بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام برائیوں کو حرام کیا ہے خواہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور ایسا بھی کوئی نہیں جسے بہ نسبت اللہ کے مدح زیادہ پسند ہو یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی مدح آپ کی ہے' اور کوئی ایسا نہیں جسے اللہ سے زیادہ عذر پسند ہو' اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوشخبریاں سنانے والے اور ڈرانے

---

[1] [ضعیف: المعجم الاوسط (۳۹۴۹)] اس کی سند میں جویبر راوی ضعیف ہے۔]

[2] [ضعیف: بزار (۲۳۵۳) مجمع الزوائد (۲۰۴/۸)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ [۱۱۲/۱] اس کی سند میں فضل بن عیسیٰ رقاشی راوی ضعیف ہے۔[میزان (۶۸۴۶)]

[3] [سورہ طٰه: آیت ۱۳۴]

[4] [سورہ القصص: آیت ۴۷]

والے بنا کر بھیجا۔ [1] دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسی وجہ سے اس نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں۔ [2]

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۱۶۶ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۶۷ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝۱۶۸ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۱۶۹ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷۰

جو کچھ تیری طرف اتارا ہے اس کی بابت اللہ خود گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے' اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں' اور کافی ہے اللہ گواہ ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا ○ بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے' اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے ○ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے پس تم ایمان لاؤ تاکہ تمہارے لیے بہتری ہو' اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ دانا ہے اور حکمت والا ○

رسالت محمدی کا خود اللہ گواہ: چونکہ سابقہ آیتوں میں حضور ﷺ کی نبوت کا ثبوت تھا اور آپ کی نبوت کے منکروں کی تردید تھی' اس لیے یہاں فرماتا ہے کہ گو کچھ لوگ تجھے جھٹلائیں' تیری مخالفت کریں لیکن اللہ خود تیری رسالت کا شاہد ہے' وہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید وفرقان حمید تجھ پر نازل فرمایا ہے جس کے پاس باطل پھٹک ہی نہیں سکتا' اس کتاب میں ان چیزوں کا علم ہے جن پر اس نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا یعنی دلیلیں' ہدایت اور فرقان' اور اللہ کی رضا مندی اور ناراضگی کے احکام اور ماضی کی اور مستقبل کی خبریں ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ مقدس صفتیں ہیں جنہیں نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ بجز اس کے کہ وہ خود معلوم کرائے' جیسے ارشاد ہے ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ﴾ [3] اور فرمان ہے ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾ [4] حضرت عطا بن سائب رحمہ اللہ جب حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے قرآن شریف پڑھ

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ولا تقربوا الفواحش ماظهر منها (٤٦٣٧) صحیح مسلم: کتاب التوبة: باب غیرة الله تعالی و تحریم الفواحش (٢٧٦٠) ترمذی (٣٥٣٠) مسند احمد (٣٨١/١)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم (٢٧٦٠)]

[3] [سورہ البقرہ: آیت ٢٥٥]

[4] [سورہ طٰہٰ: آیت ١١٠]

چکتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں تو نے اللہ کا علم حاصل کیا ہے پس آج تجھ سے افضل کوئی نہیں' بجز اس کے جو عمل میں تجھ سے بڑھ جائے' پھر آپ نے آیت ﴿اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ﴾ سے آخر تک پڑھی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شہادت کے ساتھ ہی ساتھ فرشتوں کی شہادت بھی ہے کہ تیرے پاس جو علم آیا ہے' جو وحی تجھ پر اتری ہے وہ بالکل سچ اور سراسر حق ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس آتی ہے تو آپ فرماتے ہیں خدا کی قسم مجھے پختہ طور پر معلوم ہے کہ تم میری رسالت کا علم رکھتے ہو' ان لوگوں نے اس کا انکار کر دیا پس اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔ [1]

پھر فرماتا ہے جن لوگوں نے کفر کیا' حق کی اتباع نہ کی' بلکہ اور لوگوں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے' یہ صحیح راہ سے ہٹ گئے ہیں اور حقیقت سے الگ ہو گئے اور ہدایت سے ہٹ گئے ہیں۔ یہ لوگ جو ہماری آیتوں کے منکر ہیں' ہماری کتاب کو نہیں مانتے' اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں ہماری راہ سے روکتے اور رکتے ہیں' ہمارے منع کردہ کام کو کر رہے ہیں' ہمارے احکام سے منہ پھیرتے ہیں' انہیں ہم بخشیں گے نہ خیر و بھلائی کی طرف ان کی رہبری کریں گے۔ ہاں انہیں جہنم کا راستہ دکھا دیں گے جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر اللہ کے رسول آ گئے' تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی فرمانبرداری کرو' یہی تمہارے حق میں اچھا ہے اور اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے' تمہارا ایمان نہ اسے نفع پہنچائے' نہ تمہارا کفر اسے ضرر پہنچائے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں۔ یہی قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے تھا کہ تم اور روئے زمین کے تمام لوگ بھی اگر کفر پر اجماع کر لیں تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ تمام جہان سے بے پرواہ ہے' وہ علیم ہے' جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون ہے؟ وہ حکیم ہے اس کے اقوال' اس کے افعال' اس کی شرع اس کی تقدیر سب حکمت سے پُر ہیں۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۭ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڗ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾ۧ

اے اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گذر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے کچھ نہ کہو' مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے کلمہ ہیں' جسے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہے پس تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں' اس سے باز آ جاؤ تا کہ تمہارے لیے بہتری ہے' اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو' اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ بس ہے کام بنانے والا ○

[1] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٨٥٤) سیرۃ ابن ہشام (٥٩٧/٢) بیهقی فی دلائل النبوۃ (٥٣٥/٢) السیوطی فی الدر المنثور (٤٣٩/٢)] اس کی سند میں محمد بن ابی محمد راوی مجہول ہے۔]

حد سے تجاوز کی ممانعت: اہل کتاب کو زیادتی سے اور حد سے آگے بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ روک رہا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے نکل گئے تھے اور نبوت سے بڑھا کر الوہیت تک پہنچا رہے تھے' بجائے ان کی اطاعت کے عبادت کرنے لگے تھے' بلکہ اور بزرگان دین کی نسبت بھی ان کا عقیدہ خراب ہو چکا تھا' وہ انہیں بھی جو عیسائی دین کے عالم اور عامل تھے معصوم محض جاننے لگ گئے تھے اور یہ خیال کر لیا تھا کہ جو کچھ یہ ائمہ دین کہہ دیں اس کا ماننا ہمارے لیے ضروری ہے' سچ وجھوٹ' حق و باطل' ہدایت وضلالت کے پرکھنے کا کوئی حق ہمیں حاصل نہیں۔ جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ [1] مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے تم ایسا نہ بڑھانا جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا' میں تو صرف ایک بندہ ہوں پس تم مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہنا''۔ [2] یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے مسند کی ہی ایک حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اے ہمارے سردار اور سردار کے لڑکے' اے ہم سب سے بہتر اور بہتر کے لڑکے! تو آپ نے فرمایا ''لوگو اپنی بات کا خود خیال کر لیا کرو تمہیں شیطان بہکا نہ دے' میں محمد بن عبداللہ ہوں' میں اللہ کا غلام ہوں اور اس کا رسول ہوں' قسم اللہ کی میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے مرتبے سے بڑھا دو''۔ [3]

پھر فرماتا ہے اللہ پر افتراء نہ باندھو' اس سے بیوی اور اولاد کو منسوب نہ کرو' اللہ اس سے پاک ہے' اس سے دور ہے' اس سے بلند و بالا ہے' اس کی بڑائی اور عزت میں کوئی اس کا شریک نہیں' اس کے سوا نہ تو کوئی معبود اور نہ رب ہے۔ مسیح عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ ہیں' وہ اللہ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہیں اور اس کی مخلوق ہیں' وہ صرف کلمہ کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں' [4] جس کلمہ کو لے کر حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے پاس گئے اور اللہ کی اجازت سے اسے ان میں پھونک دیا پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ چونکہ محض اسی کلمہ سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے' اس لیے خصوصیت سے کلمۃ اللہ کہا گیا۔ قرآن کی ایک اور آیت میں ہے ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ [5] الخ' یعنی مسیح بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول اللہ ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں' ان کی والدہ سچی ہیں' یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور آیت میں ہے ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ [6] الخ' عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے جسے مٹی سے بنا کر فرمایا ہو جا

---

[1] [سورہ التوبہ : آیت ۳۱]

[2] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم (۳۴۴۵) مسند احمد (۱/ ۲۳، ۲۴) مسند حمیدی (۲۷)]

[3] [**صحیح** : مسند احمد (۳/ ۱۵۳، ۲۴۱) عبد بن حمید (۱۳۳۷) صحیح ابن حبان (۶۲۴۰) نسائی فی السنن الکبری (۱۰۰۷۸) وفی عمل الیوم واللیلۃ (۲۴۹)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلۃ الصحیحۃ (۱۰۹۷)]

[4] [تفسیر عبدالرزاق (۱/ ۱۷۷) تفسیر ابن ابی حاتم (۴/ ۱۱۲۳) الدر المنثور للسیوطی (۲/ ۴۳۹)]

[5] [سورہ المائدہ: آیت ۷۵] [6] [سورہ آل عمران: آیت ۵۹]

پس وہ ہو گیا۔ قرآن کریم اور جگہ فرماتا ہے ﴿الَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ [1] الخ، جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور ہم نے اپنی روح پھونکی اور خود اسے اور اس کے بچے کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی علامت بنایا۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ﴾ [2] سے آخر سورت تک۔ حضرت عیسیٰ کی بابت ایک اور آیت میں ہے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ﴾ [3] الخ، وہ ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا۔ پس یہ مطلب نہیں کہ خود کلمۃ الٰہی عیسیٰ بن گیا بلکہ کلمہ الٰہی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ [4] الخ، کی تفسیر میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ مراد ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت پھونکا گیا، اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے ”جس نے بھی اللہ کے ایک اور لاشریک ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عبد و رسول ہونے کی، اور عیسیٰ علیہ السلام کے عبد و رسول ہونے اور یہ کہ آپ اللہ کے کلمہ سے تھے جو مریم رضی اللہ عنہا کی طرف پھونکا گیا تھا اور اللہ کی پھونکی ہوئی روح تھے اور جس نے جنت دوزخ کو برحق مانا وہ خواہ کیسے ہی اعمال پر ہو، اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے۔ [5] ایک روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے“ [6] جیسے کہ جناب عیسیٰ کو آیت و حدیث میں ((رُوْحٌ مِنْهُ)) کہا ہے ایسے ہی قرآن کی ایک آیت میں ہے ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ﴾ [7] اس نے مسخر کیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، تمام کا تمام اپنی طرف سے۔ یعنی اپنی مخلوق اور اپنے پاس سے۔ یہی مطلب رُوْحٌ مِنْهُ کا ہے۔ پس لفظ من تبعیض (اس کا حصہ) کے لیے نہیں جیسے ملعون نصرانیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کا ایک جزو تھے بلکہ مِن ابتداء کے لیے ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت میں ہے، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ((رُوْحٌ مِّنْهُ)) سے مراد ((رَسُوْلٌ مِنْهُ)) ہے اور لوگ کہتے ہیں ((مَحَبَّةٌ مِّنْهُ)) لیکن زیادہ قوی پہلا قول ہے یعنی آپ پیدا کیے گئے ہیں، روح سے جو خود اللہ کی مخلوق ہے۔ پس آپ کو روح اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے ((نَاقَةُ اللّٰهِ)) اور ((بَیْتُ اللّٰهِ)) کہا گیا ہے یعنی صرف اس کی عظمت کے اظہار کے لیے اپنی طرف نسبت کی۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ ”میں اپنے رب کے پاس اس کے گھر میں جاؤں گا“۔

پھر فرماتا ہے تم اس کا یقین کر لو کہ اللہ واحد ہے بیوی بچوں سے پاک ہے اور یقین مان لو کہ جناب عیسیٰ اللہ کا کلام اللہ کی مخلوق اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں۔ تم تین نہ کہو یعنی عیسیٰ اور مریم کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اللہ کی الوہیت شرکت سے مبرا ہے۔ سورۂ مائدہ میں فرمایا ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ [8] الخ، یعنی

---

[1] [سورہ تحریم: آیت ۱۲] [2] [سورہ التحریم: آیت ۱۲]

[3] [سورہ الزخرف: آیت ۵۹] [4] [سورہ ال عمران: آیت ۴۵]

[5] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول الله تعالیٰ یاهل الکتاب لا تغلوافی دینکم (۳۴۳۵) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الدلیل علی من مات علی التوحید (۲۸)]

[6] [صحیح: صحیح بخاری (۳۴۳۵) صحیح مسلم (۲۸) صحیح ابن حبان (۲۰۷)]

[7] [سورہ الجاثیہ: آیت ۱۳] [8] [المائدہ: ۷۳]

جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے وہ کافر ہو گئے‘ اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے‘ اس کے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں۔ سورۂ مائدہ کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ سے سوال ہوگا کہ اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم لوگوں کو تم نے دیا تھا‘ آپ صاف طور پر انکار کر دیں گے۔ نصرانیوں کا اس بارے میں کوئی اصول ہی نہیں ہے‘ وہ بری طرح بھٹک رہے ہیں اور اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود اللہ مانتے ہیں‘ بعض شریک الٰہیہ مانتے اور بعض اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دس نصرانی جمع ہوں تو ان کے خیالات گیارہ ہوں گے۔ سعید بن بطریق اسکندری جو سن ۴۰۰ھ کے قریب گذرا ہے اس نے اور بعض ان کے اور بڑے علماء نے ذکر کیا ہے کہ قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے زمانے میں اس وقت کے نصرانیوں کا اس بادشاہ کے حکم سے اجتماع ہوا‘ جس میں دو ہزار سے زیادہ ان کے مذہبی پیشوا شامل ہوتے تھے‘ پھر باہم اس قدر اختلاف کیا کہ کسی بات پر ستر اسی آدمیوں کا اتفاق مفقود تھا‘ دس کا ایک عقیدہ ہے‘ بیس کا ایک خیال ہے‘ چالیس اور ہی کچھ کہتے ہیں‘ ساٹھ اور طرف جا رہے ہیں‘ غرض ہزار ہا کی تعداد میں سے بہ مشکل تمام تین سو اٹھارہ آدمی ایک قول پر جمع ہوئے‘ بادشاہ نے اسی عقیدہ کو لے لیا‘ باقی کو چھوڑ دیا اور اسی کی تائید ونصرت کی اور ان کے لیے کلیسا اور گرجے بنا دیئے اور کتابیں لکھوا دیں‘ قوانین ضبط کر دیئے‘ یہیں انہوں نے امانت کبریٰ کا مسئلہ گھڑا‘ جو دراصل بدترین خیانت ہے‘ ان لوگوں کو ملکانیہ کہتے ہیں۔ پھر دوبارہ ان کا اجتماع ہوا‘ اس وقت جو فرقہ بنا اس کا نام یعقوبیہ ہے۔ پھر تیسری مرتبہ کے اجتماع میں جو فرقہ بنا اس کا نام نسطوریہ ہے‘ یہ تینوں فرقے اقالیم ثلثہ کو حضرت عیسیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں‘ ان میں بھی باہم دیگر اختلاف ہے اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو تینوں کافر ہیں۔ اللہ فرماتا ہے اس شرک سے باز آؤ‘ باز رہنا ہی تمہارے لیے اچھا ہے‘ اللہ تو ایک ہی ہے‘ وہ توحید والا ہے‘ اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو‘ تمام چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور اس کی ملکیت میں ہیں‘ سب اس کی غلامی میں ہیں اور سب اس کے قبضے میں ہیں‘ وہ ہر چیز پر وکیل ہے‘ پھر مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی اور کوئی اس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دوسری آیت میں ہے ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ﴾ (1) یعنی وہ تو آسمان و زمین کی ابتدائی آفرینش کرنے والا ہے‘ اس کا لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ سورۂ مریم میں ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ﴾ سے ﴿فَرْدًا﴾ (2) تک بھی اس کا مفصلاً انکار فرمایا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

---

(1) [الانعام: ۱۰۱] (2) [مریم: ۸۸-۹۵]

مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ و عار یا تکبر و انکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر و انکار کرے پس اللہ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا ○ پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کیے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادتی دے گا' اور جن لوگوں نے ننگ و عار اور سرکشی اور انکار کیا انہیں المناک عذاب کرے گا' اور وہ اپنے لیے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی دوست اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے ○

اللہ کی گرفت سے فرار نہیں: مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اور اعلیٰ ترین فرشتے بھی اللہ کی بندگی سے انکار اور فرار نہیں کر سکتے' نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے بلکہ جو جتنا مرتبے میں قریب ہوتا ہے' وہ اسی قدر اللہ کی عبادت میں زیادہ پابند ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔ لیکن دراصل اس کا کوئی ثبوت اس آیت میں نہیں' اس لیے یہاں ملائکہ کا عطف مسیح پر ہے اور استنکاف کا معنی رکنے کے ہیں' اور فرشتوں میں یہ قدرت بہ نسبت مسیح کے زیادہ ہے۔ اس لیے یہ فرمایا گیا ہے اور رک جانے پر زیادہ قادر ہونے سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو لوگ پوجتے تھے' اسی طرح فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ تو اس آیت میں مسیح علیہ السلام کو اللہ کی عبادت سے نہ رکنے والا بتا کر فرشتوں کی بھی یہی حالت بیان کر دی' جس سے ثابت ہو گیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو وہ خود اللہ کو پوجتے ہیں' پھر ان کی پوجا کیسی؟ جیسے اور آیت میں ہے ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ [1] اور اسی لیے یہاں بھی فرمایا کہ جو اس کی عبادت سے رکے' منہ موڑے اور بغاوت کرے' وہ ایک وقت اسی کے پاس لوٹنے والا ہے اور اپنے بارے میں اس کا فیصلہ سننے والا ہے۔ اور جو ایمان لائیں' نیک اعمال کریں' انہیں ان کا پورا ثواب بھی دیا جائے گا' پھر رحمت ایزدی اپنی طرف سے بھی انعام عطا فرمائے گی۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ اجر تو یہ ہے کہ جنت میں پہنچا دیا اور زیادتی فضل یہ ہے کہ جو لوگ قابل دوزخ ہوں' انہیں بھی ان کی شفاعت نصیب ہو گی' جن سے انہوں نے بھلائی اور اچھائی کی تھی' [2] لیکن اس کی سند ثابت شدہ نہیں' ہاں اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول پر ہی اسے روایت کیا جائے تو ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا جو لوگ اللہ کی عبادت و اطاعت سے رک جائیں اور اس سے تکبر کریں' انہیں پروردگار دردناک عذاب کرے گا اور یہ اللہ کے سوا کسی کو ولی و مددگار نہ پائیں گے۔ جیسے اور آیت میں ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ [3] جو لوگ میری عبادت سے تکبر کریں' وہ ذلیل و حقیر ہو کر جہنم میں جائیں گے' یعنی ان کے انکار اور ان کے تکبر کا یہ بدلہ انہیں ملے گا کہ ذلیل و حقیر خوار و بے بس ہو کر جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔

---

[1] [سورہ الانبیاء: آیت ۲۶]

[2] [ضعیف: ابن ابی عاصم فی السنة (۸۴۶) طبرانی کبیر (۱۰۴۶۲) طبرانی اوسط (۵۷۷۰) مجمع الزوائد (۱۰۹۶۰)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند اسماعیل بن عبداللہ کندی راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[3] [سورہ غافر: آیت ۶۰]

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿١٧٤﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿١٧٥﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آ پہنچی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا انہیں تو وہ عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انہیں اپنی طرف کی راہ راست دکھا دے۔

قرآن کریم حجت الٰہی: اللہ تبارک وتعالیٰ تمام انسانوں کو فرماتا ہے کہ میری طرف سے کامل دلیل اور عذر معذرت کو توڑ دینے والی چیز' شک وشبہ کو الگ کرنے والی برہان (دلیل) تمہاری طرف نازل ہو چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف کھلا نور صاف روشنی پورا اجالا اتار دیا ہے' جس سے حق کی راہ صحیح طور پر واضح ہو جاتی ہے۔

ابن جریج وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ اب جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور توکل اور بھروسہ اسی پر کریں' اس سے مضبوط رابطہ کر لیں' اس کی سرکار میں ملازمت کر لیں' مقام عبودیت اور مقام توکل میں قائم ہو جائیں' تمام امور اسی کو سونپ دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کی کتاب کو تھام لیں ان پر اللہ اپنا رحم کرے گا' اپنا فضل ان پر نازل فرمائے گا' نعمتوں اور سرور والی جنت میں انہیں لے جائے گا' ان کے ثواب بڑھا دے گا' ان کے درجے بلند کر دے گا اور انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی اور صاف راہ دکھائے گا' جو کہیں سے ٹیڑھی نہیں' کہیں سے تنگ نہیں۔ پس وہ مومن دنیا میں صراط مستقیم پر ہوتا ہے' راہ اسلام پر ہوتا ہے اور آخرت میں راہ جنت پر اور راہ سلامتی پر ہوتا ہے۔

شروع تفسیر میں ایک پوری حدیث گذر چکی ہے جس میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ اللہ کی سیدھی راہ اور اللہ کی مضبوط رسی قرآن کریم ہے۔[1]

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٦﴾

تجھ سے فتویٰ پوچھتے ہیں' تو کہہ کہ اللہ خود تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے' اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ

---

[1] **[ضعیف** : ترمذی : کتاب فضائل القرآن : باب ماجاء فی فضل القرآن (۲۹۰۶)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ترمذی، المشکاۃ (۲۱۳۸)] اس کی سند میں حارث اعور راوی ضعیف ہے۔]

ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دو تہائی ملے گا' اور اگر کئی شخص اس ناتے کے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لیے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے اللہ تمہارے لیے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو تم بہک جاؤ' اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

مزید کچھ مسائل وراثت: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سورتوں میں سب سے آخری سورت سورۂ برات اتری ہے اور آیتوں میں سب سے آخری آیت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ اتری ہے"[1] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں"میں بیماری کے سبب بیہوش پڑا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے' آپ نے وضو کیا اور وہی پانی مجھ پر ڈالا' جس سے مجھے افاقہ ہوا اور میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں' میری میراث کیسے بٹے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی۔[2] (بخاری ومسلم) اور روایت میں بھی اسی آیت کا اترنا آیا ہے۔[3] پس اللہ فرماتا ہے کہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں یعنی کلالہ کے بارے میں۔ پہلے یہ بیان گذر چکا ہے کہ لفظ کلالہ اکیل سے ماخوذ ہے جو کہ سر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس میت کے لڑکے پوتے نہ ہوں' اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جس کے لڑکے نہ ہوں' جیسے کہ آیت میں ہے ﴿وَلَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے جو مشکل مسائل آئے تھے' ان میں ایک یہ مسئلہ بھی تھا۔ چنانچہ بخاری ومسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا تین چیزوں کی نسبت میری تمنا رہ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں ہماری طرف کوئی ایسا عہد کرتے کہ ہم اسی کی طرف رجوع کرتے دادا کی میراث' کلالہ اور سود کے ابواب[4] اور روایت میں ہے' آپ فرماتے ہیں کہ کلالہ کے بارے میں میں نے جس قدر سوالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے' اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کیے یہاں تک کہ آپ نے اپنی انگلی سے میرے سینے میں کچوکا لگا کر فرمایا کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے' جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے[5] اور حدیث میں ہے اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ویستفتونك قل الله یفتیکم فی الكلالة (٤٦٠٥)، (٤٦٥٤) صحیح مسلم : كتاب الفرائض : باب آخر آية انزلت آية الكلالة (١٦١٨) ابو داؤد : كتاب الفرائض : باب من كان ليس له ولد وله اخوات (٢٨٨٨)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : كتاب الفرائض : باب قول الله تعالىٰ يوصيكم الله فى اولادكم (٦٧٢٣) صحيح مسلم : كتاب الفرائض : باب ميراث الكلالة (١٦١٦) ترمذی : كتاب الفرائض : باب ميراث الاخوات (٢٠٩٧) ابن ماجه : كتاب الفرائض : باب الكلالة (٢٧٢٨) ابوداؤد : كتاب الفرائض : باب فى الكلالة (٢٨٨٦) مسند احمد (٣٠٧/٣)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم (١٦١٦)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : كتاب الاشربة : باب ماجاء ان الخمر ما خامر العقل (٥٥٨٨) صحيح مسلم : كتاب التفسير : باب فى نزول تحريم الخمر (٣٠٣٢)]

[5] [صحیح : صحیح مسلم : كتاب الفرائض : باب ميراث الكلالة (١٦١٧) مسند احمد (١/١٥-٢٧)]

مزید اطمینان کرلیا ہوتا تو وہ میرے لیے سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ بہتر تھا۔ [1]

حضور ﷺ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت موسم گرما میں نازل ہوئی ہوگی واللہ اعلم۔ اور چونکہ حضور ﷺ نے اس کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کی تھی اور اسی کو مسئلہ کا کافی حل بتایا تھا' لہٰذا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کے معنی پوچھنے بھول گئے' جس پر اظہار افسوس کررہے ہیں' ابن جریر رحمہ اللہ میں ہے کہ جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا پس فرمایا "کیا اللہ نے اسے بیان نہیں فرمایا" پس یہ آیت اتری۔ [2]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں جو آیت سورۂ نساء کے شروع میں فرائض کے بارے میں ہے' وہ ولد و والد کے لیے ہے اور دوسری آیت میاں بیوی کے لیے ہے اور ماں زاد بہنوں کے لیے اور جس آیت سے سورۂ نساء کو ختم کیا ہے وہ سگے بہن بھائیوں کے بارے میں ہے جو رحمی رشتہ عصبہ میں شمار ہوتا ہے (ابن جریر) اس آیت کے معنی ((هَلَكَ)) کے معنی ہیں مرگیا' جیسے فرمان ہے ﴿كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ﴾ [3] الخ، یعنی ہر چیز فنا ہونے والی ہے' سوائے ذات الٰہی کے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

جیسے اور آیت میں فرمایا ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ [4] یعنی ہر ایک جو اس پر ہے فانی ہے اور تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہے گا جو جلال واکرام والا ہے۔ پھر فرمایا اس کا ولد نہ ہو' اس سے بعض لوگوں نے دلیل لی ہے کہ کلالہ کی شرط میں باپ کا نہ ہونا نہیں بلکہ جس کی اولاد نہ ہو وہ کلالہ ہے' بروایت ابن جریر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے لیکن صحیح قول جمہور کا ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ ولد ہو، نہ والد اور اس کی دلیل آیت میں اس کے بعد کے الفاظ سے بھی ثابت ہوتی ہے جو فرمایا ﴿وَلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ یعنی اس کی بہن ہو تو اس کے لیے کل چھوڑے ہوئے مال کا آدھوں آدھ ہے اور اگر بہن باپ کے ساتھ ہو تو باپ اسے ورثہ پانے سے روک دیتا ہے اور اسے کچھ بھی اجماعاً نہیں ملتا' پس ثابت ہوا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد نہ ہو اور یہ تو نص سے ثابت ہے اور باپ بھی نہ ہو یہ بھی نص سے ثابت ہوتا ہے لیکن قدرے غور کے بعد' اس لیے کہ بہن کا نصف حصہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ ورثے سے محروم ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ ایک عورت مرگئی اس کا خاوند ہے اور ایک سگی بہن ہے تو آپ نے فرمایا آدھا بہن کو دے دو اور آدھا خاوند کو جب آپ سے اس کی دلیل پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے ایسی صورت میں یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ [5] (احمد)

---

[1] [منقطع وضعیف: مسند احمد (۱/ ۳۸)] شیخ مصطفی السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ ابراہیم نخعی اور عمر بن خطاب کے درمیان انقطاع ہے۔]

[2] [منقطع وضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰۸۷۰)]

[3] [سورۃ القصص: آیت ۸۸] [4] [سورہ رحمن: آیت ۲۶، ۲۷]

[5] [ضعیف: مسند احمد (۵/ ۱۸۸) مجمع الزوائد (۴/ ۲۳۱)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ ابوبکر بن عبد اللہ کے ضعف کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۲۱۶۳۹)]

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے ابن جریر میں منقول ہے کہ ان دونوں کا فتویٰ اس میت کے بارے میں جو ایک لڑکی اور ایک بہن چھوڑ جائے' یہ تھا کہ اس صورت میں بہن محروم رہے گی' اسے کچھ بھی نہ ملے گا' اسی لیے کہ قرآن کی اس آیت میں بہن کو آدھا ملنے کی صورت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو اور یہاں اولاد ہے۔ لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی آدھا لڑکی کو ملے گا اور بہ سبب فرض اور بہ سبب عصبہ ہونے کے آدھا بہن کو بھی ملے گا۔ ابراہیم اسود کہتے ہیں ہم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فیصلہ کیا کہ آدھا لڑکی کا اور آدھا بہن کا۔ [1] صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لڑکی اور پوتی اور بہن کے بارے میں فتویٰ دیا کہ آدھا لڑکی کو اور آدھا بہن کو پھر فرمایا ذرا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ہو آؤ وہ بھی میری موافقت ہی کریں گے' لیکن جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی انہیں سنایا گیا تو آپ نے فرمایا: پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں اور راہ یافتہ لوگوں میں میرا شمار نہ رہے' سنو میں اس بارے میں وہ فیصلہ کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے آدھا تو بیٹی کو اور چھٹا حصہ پوتی کو تو دو ثلث پورے ہو گئے اور جو باقی بچا وہ بہن کو۔ ہم پھر واپس آئے اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دی تو آپ نے فرمایا جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں' مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔ [2]

پھر فرمان ہے کہ یہ اس کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو' یعنی بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہے جبکہ وہ کلالہ مرے یعنی اس کی اولاد اور باپ نہ ہو' اس لیے کہ باپ کی موجودگی میں تو بھائی کو ورثے میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ ہی اور کوئی مقررہ حصے والا اور وارث ہو جیسے خاوند یا ماں جایا بھائی تو اسے اس کا حصہ دے دیا جائے گا اور باقی کا وارث بھائی ہوگا۔ صحیح بخاری میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں فرائض کو ان کے اہل سے ملا دو' پھر جو باقی بچے وہ اس مرد کا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ [3] پھر فرماتا ہے اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں مال متروکہ کے دو ثلث ملیں گے۔ یہی حکم دو سے زیادہ بہنوں کا بھی ہے' یہیں سے ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم لیا ہے۔ جیسے کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حکم لڑکیوں کے حکم سے لیا ہے جس آیت کے الفاظ یہ ہیں ﴿فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ [4] پھر فرماتا ہے اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الفرائض: باب میراث الاخوات والافوۃ (۶۷۴۱)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الفرائض: باب میراث ابنة ابن مع ابنة (۶۷۳۶) ترمذی: کتاب الفرائض: باب ما جآء فی میراث نبت الابن مع نبت الصلب (۲۰۹۳) ابن ماجه: کتاب الفرائض: باب فرائض الصلب (۲۷۲۱) ابو داؤد: کتاب الفرائض: باب ماجآء فی میراث الصلب (۲۸۹۰) مسند احمد (۱/۳۸۹)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الفرائض: باب میراث الولد من ابیه وامه (۶۷۳۲) صحیح مسلم: کتاب الفرائض: باب الحقوا الفرائض باهلها (۱۶۱۵) ترمذی: کتاب الفرائض: باب فی میراث العصبة (۲۰۹۸) مسند احمد (۱/۲۹۲)]

[4] [سورہ النسآء: آیت ۱۱]

ہے' یہی حکم عصبات کا ہے خواہ لڑکے ہوں یا پوتے ہوں یا بھائی ہوں' جب کہ ان میں مرد وعورت دونوں موجود ہوں۔ تو جتنا دو عورتوں کو ملے گا اتنا ایک مرد کو۔ اللہ اپنے فرائض بیان فرما رہا ہے' اپنی حدیں مقرر رکر رہا ہے' اپنی شریعت واضح کر رہا ہے' تاکہ تم بہک نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کے انجام سے واقف اور ہر مصلحت سے دانا' بندوں کی بھلائی برائی کا جاننے والا' مستحق کے استحقاق کو پہچاننے والا ہے۔

ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کہیں سفر میں جا رہے تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کا سر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے صحابی کے کجاوے کے پاس تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سواری کا سر حذیفہ کی سواری کے دوسرے سوار کے پاس تھا جو یہ آیت اتری پس حضور ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سنائی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو۔ اس کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس کے بارے میں سوال کیا تو کہا واللہ تم بے سمجھ ہو' اس لیے کہ جیسے مجھے حضور ﷺ نے سنائی ویسے ہی میں نے آپ کو سنا دی' واللہ میں تو اس پر کوئی زیادتی نہیں کر سکتا' پس حضرت فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے الٰہی اگرچہ تو نے ظاہر کر دیا ہو مگر مجھ پر تو کھلا نہیں۔ [1] لیکن یہ روایت منقطع ہے اسی روایت کی اور سند میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ سوال اپنی خلافت کے زمانے میں کیا تھا [2] اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ کلالہ کا ورثہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری لیکن چونکہ حضرت کی پوری تشفی نہ ہوئی تھی۔ اس لیے اپنی صاحبزادی زوجہ رسول ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ خوشی میں ہوں تو تم پوچھ لینا۔ چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز ایسا ہی موقعہ پا کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا شاید تیرے باپ نے تجھے اس کے پوچھنے کی ہدایت کی ہے میرا خیال ہے کہ وہ اسے معلوم نہ کر سکیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے۔ جب حضور ﷺ نے یہ فرما دیا تو بس میں اب اسے جان ہی نہیں سکتا [3] اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تو آپ نے ایک شانے پر یہ آیت لکھوائی' پھر فرمایا کیا عمر رضی اللہ عنہ نے تم سے اس کے پوچھنے کو کہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ وہ اسے ٹھیک ٹھاک نہ کر سکیں گے۔ کیا انہیں گرمی کی وہ آیت جو سورۂ نساء میں ہے کافی نہیں؟ وہ آیت ﴿وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً﴾ الخ ہے پھر جب لوگوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تو وہ آیت اتری جو سورۂ نساء کے خاتمہ پر ہے اور شانہ پھینک دیا۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے شانے کے ایک ٹکڑے کو لے کر فرمایا میں کلالہ کے بارے میں آج ایسا فیصلہ کر دوں گا کہ پردہ نشین عورتوں تک کو معلوم رہے' اسی وقت گھر میں سے ایک سانپ نکل آیا

---

[1] [منقطع : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰۸۷۸)] اس کی سند میں ابن سیرین اور حذیفہ کے درمیان انقطاع ہے۔]

[2] [مسند بزار (۲۲۰٦)]

[3] [مرسل : اس میں سعید بن مسیب اور عمر بن خطاب کے درمیان ارسال ہے۔]

اور سب لوگ ادھر ادھر ہو گئے' پس آپ نے فرمایا اگر اللہ عزوجل کا ارادہ اس کام کو پورا کرنے کا ہوتا تو اسے پورا کر لینے دیتا۔ (1) اس کی اسناد صحیح ہے' مستدرک حاکم میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش میں تین مسئلے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتا تو مجھے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ محبوب ہوتا۔ ایک تو یہ کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ دوسرے یہ کہ جو لوگ زکوٰۃ کے تو قائل ہیں لیکن کہیں کہ ہم تجھے ادا نہیں کریں گے ان سے لڑنا حلال ہے یا نہیں؟ تیسرے کلالہ کے بارے میں۔ (2) ایک اور حدیث میں بجائے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے سودی مسائل کا بیان ہے۔ (3) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے قول وہی ہے جو میں نے کہا' تو میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا یہ کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ ایک اور روایت میں ہے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے اور حضرت صدیق کے درمیان کلالہ کے بارے میں اختلاف ہوا اور بات وہی تھی جو میں کہتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سگے بھائیوں اور ماں زاد بھائیوں کو جبکہ وہ جمع ہوں' ثلث میں شریک کیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے خلاف تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ خلیفۃ المومنین جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک رقعہ پر دادا کے ورثے اور کلالہ کے بارے میں کچھ لکھا پھر استخارہ کیا اور ٹھہرے رہے اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار اگر تیرے علم میں اس میں بہتری ہے تو تو اسے جاری کر دے پھر جب آپ کو زخم لگایا گیا تو آپ نے اس رقعہ کو منگوا کر مٹا دیا اور کسی کو علم نہ ہوا کہ اس میں کیا تحریر تھا پھر خود فرمایا کہ میں نے اس میں دادا کا اور کلالہ کا لکھا تھا اور میں نے استخارہ کیا تھا پھر میرا خیال یہی ہوا کہ تمہیں اسی پر چھوڑ دوں جس پر تم ہو۔ ابن جریر میں ہے میں اس بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلاف کرتے ہوئے شرماتا ہوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فرمان تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد و والد نہ ہو۔ (4) اور اسی پر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ دین ہیں اور یہی چاروں اماموں اور ساتوں فقہاء کا مذہب ہے اور اسی پر قرآن کریم کی دلالت ہے جیسے کہ باری تعالیٰ عزاسمہ نے اسے واضح کر کے فرمایا اللہ تمہارے لیے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے' واللہ اعلم۔

الحمد للہ سورۂ نساء کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

---

(1) [موقوف : تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٨٨٦)]

(2) [ضعیف و منقطع : مستدرك حاكم (٢/٣٠٣)] حافظ زبیر علی زئی اسے ضعیف و منقطع کہتے ہیں۔]

(3) [موقوف : مستدرك حاكم (٢/٣٠٤) بیهقی (٦/٢٢٥) مصنف عبد الرزاق (١٠/٣٠٢)] امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔]

(4) [تفسیر ابن جریر الطبری (٩/٤٣٩)]

تفسیر سورہ مائدۃ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئی تھی جب آپ پر سورۂ مائدہ پوری نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں۔ [1] (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ سفر میں تھے، وحی کے بوجھ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی۔ [2] (ابن مردویہ) اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سے اتر گئے۔ [3] (مسند احمد) ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سب سے آخری سورت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری وہ سورۂ ﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ الخ ہے۔ [4] مستدرک حاکم میں ہے حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں حج کے لیے گیا وہاں حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم سورۂ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں فرمایا سنو سب سے آخری یہی سورت نازل ہوئی ہے اس میں جس چیز کو حلال پاؤ، حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔ [5] مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ پھر میں نے اماں محترمہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کا عملی نمونہ تھے۔ یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے۔ [6]

---

[1] [حسن لغیرہ: مسند احمد (٦/٤٥٥) طبرانی کبیر (٢٤/١٧٨)] احمد شاکر نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ [عمدة التفسير (٤/٦١)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم اور شہر بن حوشب راوی ضعیف ہے مگر یہ حسن لغیرہ ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٢٧٥٧٥)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[2] [ضعیف: ابن ابی شیبۃ فی مسندہ (٦٦٠) ابن الأثیر فی اسد الغابۃ (٦/٣٧٣) الد رالمنثور (٢/٤٤٦) بیھقی فی دلائل النبوۃ (٧/٤٥)] اس کی سند میں اُم عمرو راویہ مجہول ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف: مسند احمد (٢/١٧٦)] یہ روایت ابن لہیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (٧/١٣)]

[4] [ضعیف: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة المائدة (٣٠٦٣) مستدرك حاكم (٢/٣١١)] امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں جبکہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف الاسناد کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی (٥٨٩)]

[5] [صحیح: نسائی فی الکبری (١١١٣٨) بیھقی (٧/١٧٢) مستدرك حاكم (٢/٣١١)] امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔]

[6] [صحیح: مسند احمد (٦/١٨٨) نسائی فی السنن الکبری (١١١٣٨)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (٢٥٥٤٧)]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ۬ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَہِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ﴿۱﴾ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَ لَا الشَّہۡرَ الۡحَرَامَ وَ لَا الۡہَدۡیَ وَ لَا الۡقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رِضۡوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ﴿۲﴾

المنزل الثانی (۲) — منزل ۲ — الربع

رحمت ورحم کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع

اے ایمان والو عہد و پیمان پورے کیا کرو' تمہارے لیے مویشی چوپائے حلال کئے جاتے ہیں بجز ان کے جن کے نام پڑھ سنا دیئے جائیں گے مگر حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا' یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے ○ ایمان والو اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو نہ ادب والے مہینوں کی نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان پٹے والے جانوروں کی جو کعبے کو جا رہے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے رب کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جا رہے ہوں ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو' جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا' ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گذر جاؤ' نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو' گناہ اور ظلم و زیادتی میں مدد نہ کرو اللہ سے ڈرتے رہا کرو' بے شبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ○

ایفائے عہد کی تلقین: ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ مجھے خاص نصیحت کیجیے۔ آپ نے فرمایا: ''جب تو قرآن میں لفظ ﴿ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ سن لے تو فوراً کان لگا کر دل سے متوجہ ہو جا' کیونکہ اس کے بعد کسی نہ کسی بھلائی کا حکم ہوگا یا کسی نہ کسی برائی سے ممانعت ہوگی''۔ [1] حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کوئی حکم دیا ہے اس حکم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں''۔ حضرت خیثمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توراۃ میں بجائے ﴿ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے ﴿ یَا اَیُّهَا الْمَسَاکِیْنُ ﴾ ہے۔ ایک روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نام سے بیان کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں لفظ ﴿ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ہے ان تمام مواقع پر ان سب ایمان والوں کے سردار و شریف اور امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں' اصحاب رضی اللہ عنہم رسول میں سے ہر ایک کو ڈانٹا گیا ہے بجز حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے کہ انہیں کسی امر میں نہیں ڈانٹا گیا' یاد رہے کہ یہ اثر بالکل بے دلیل ہے۔ اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی صحیح نہیں۔ حضرت امام

[1] [**ضعیف و منقطع**: تفسیر ابن ابی حاتم (۱/۱۹۶)، (۱۰۷۳)] عوف اور ابن مسعود کے درمیان انقطاع ہے۔]

بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا راوی عیسیٰ بن راشد مجہول ٗ اس کی روایت منکر ہے۔ میں کہتا ہوں اسی طرح اس کا دوسرا راوی علی بن بذیمہ گو ثقہ ہے مگر اعلیٰ درجہ کا شیعہ ہے۔ پھر بھلا اس کی ایسی روایت جو اس کے اپنے خاص خیالات کی تائید میں ہو ٗ کیسے قبول کی جا سکے گی؟ یقیناً وہ اس میں ناقابل قبول ٹھہرے گا ٗ اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو بجز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ڈانٹا گیا ٗ اس سے مراد ان کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا تھا ٗ پس ایک سے زیادہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس پر عمل صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی نے کیا اور پھر یہ فرمان اترا کہ ﴿ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا﴾ [1] الخ ٗ لیکن یہ غلط ہے کہ اس آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو ڈانٹا گیا ٗ بلکہ دراصل یہ حکم بطور واجب کے تھا ہی نہیں ٗ اختیاری امر تھا۔ پھر اس پر عمل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا۔ پس حقیقتاً کسی سے اس کے خلاف عمل سرزد ہی نہیں ہوا۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی بات میں ڈانٹا نہیں گیا۔ سورۂ انفال کی آیت ملاحظہ ہو جس میں ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو ڈانٹا گیا ہے جنہوں نے بدری قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا ٗ دراصل سوائے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا مشورہ یہی تھا پس یہ ڈانٹ بجز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے باقی سب کو ہے ٗ جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں ٗ پس یہ تمام باتیں اس امر کی کھلی دلیل ہیں کہ یہ اثر بالکل ضعیف اور بودا ہے ٗ واللہ اعلم۔ ابن جریر میں حضرت محمد بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھوا کر دی تھی جبکہ انہیں نجران بھیجا تھا ٗ اس کتاب کو میں نے ابوبکر بن حزم کے پاس دیکھا تھا اور اسے پڑھا تھا ٗ اس میں اللہ اور رسول کے بہت سے احکام تھے ٗ اس میں ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ﴾ تک بھی لکھا ہوا تھا۔ [2] ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت ابوبکر بن محمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کتاب ہے جسے آپ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھ کر دی تھی جبکہ انہیں یمن والوں کو دینی سمجھ اور حدیث سکھانے کے لیے اور ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے یمن بھیجا تھا ٗ اس وقت یہ کتاب لکھ کر دی تھی ٗ اس میں عہد و پیان اور حکم احکام کا بیان ہے۔ اس میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے بعد لکھا ہے یہ کتاب ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ٗ ایمان والو وعدوں کو اور عہد و پیان کو پورا کرو ٗ یہ عہد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لیے ہے جبکہ انہیں یمن بھیجا انہیں اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے رہیں اور جو احسان خلوص اور نیکی کریں۔ [3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں ''عقود سے مراد عہد ہے''۔ ابن جریر اس پر اجماع بتاتے ہیں۔ خواہ قسمیہ عہد و پیان ہو یا اور وعدے ہوں ٗ سب کو پورا کرنا فرض ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ ''عہد کو پورا کرنے میں اللہ کے حلال کو حلال جاننا ٗ اس کے حرام کو حرام جاننا ٗ اس کے فرائض کی پابندی کرنا ٗ اس کی حد بندی کی نگہداشت کرنا بھی ہے ٗ کسی بات کا

---

[1] [سورہ المجادلہ : آیت ١٣]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٩١٨)]
[3] [حسن : دلائل النبوۃ للبیہقی (٤١٣/٥)]

خلاف نہ کرو، کسی حد کو نہ توڑو، کسی حرام کام کو نہ کرو، اس پر سختی بہت ہے۔ پڑھو آیت ﴿ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ ﴾ کو ﴿ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴾ [1] تک''۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے حلال کو، اس کے حرام کو، اس کے وعدوں کو، جو ایمان کے بعد ہر مومن کے ذمہ آجاتے ہیں پورا کرنا اللہ کی طرف سے فرض ہے، فرائض کی پابندی، حلال وحرام کی عقیدت مندی وغیرہ وغیرہ'' حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''یہ چھ عہد ہیں، اللہ کا عہد، آپس کی یگانگت کا قسمیہ عہد، شرکت کا عہد، تجارت کا عہد، نکاح کا عہد، اور قسمیہ وغیرہ'' محمد بن کعب رحمہ اللہ کہتے ہیں ''پانچ ہیں، جن میں جاہلیت کے زمانہ کی قسمیں ہیں اور شرکت تجارت کے عہد و پیمان ہیں، جو لوگ کہتے ہیں کہ خرید وفروخت پوری ہو چکنے کے بعد گو اب تک خریدار اور بیچنے والے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں تاہم واپس لوٹانے کا اختیار نہیں وہ اپنی دلیل اس آیت کو بتلاتے ہیں''۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا یہی مذہب ہے، لیکن امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ اس کے خلاف ہیں اور جمہور علماء کرام بھی اس کے مخالف ہیں، اور دلیل میں وہ صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خرید وفروخت کرنے والوں کو سودے کے واپس لینے دینے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا جدا نہ ہو جائیں''۔ [2] صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ ''جب دو شخصوں نے خرید وفروخت کر لی تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونے تک اختیار باقی ہے۔ [3] یہ حدیث صاف اور صریح ہے کہ یہ اختیار خرید وفروخت پورے ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ ہاں اسے بیع کے لازم ہو جانے کے خلاف نہ سمجھا جائے بلکہ یہ شرعی طور پر اسی کا مقتضی ہے، پس اسے نبھانا بھی اسی آیت کے ماتحت ضروری ہے۔ پھر فرماتا ہے مویشی چوپائے تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں یعنی اونٹ، گائے، بکری۔ ابوالحسن، قتادہ رحمہما اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''عرب میں ان کے لغت کے مطابق بھی یہی ہے'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ بہت سے بزرگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس حلال مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے گو وہ مردہ ہو پھر بھی حلال ہے۔ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اونٹنی، گائے، بکری ذبح کی جاتی ہے، ان کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے تو ہم اسے کھا لیں یا پھینک دیں۔ آپ نے فرمایا ''اگر چاہو کھا لو، اس کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے''۔ [4] امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن کہتے ہیں،

---

[1] [سورہ الرعد: آیت ۲۵]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: كتاب البيوع: باب اذا لم يوقت الخيار هل يجوز البيع (۲۱۰۹) صحيح مسلم: كتاب البيوع: باب ثبوت خيار المجلس (۱۵۳۱) ابوداؤد: كتاب الاجارة: باب فى خيار المتبايعين (۳۴۵۴) نسائی (۴۴۶۹) مسند احمد (۷۳/۲)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: كتاب البيوع: باب البيعان بالخيار مالم يتفرقا (۲۱۱۱)]

[4] [صحیح: ابوداؤد: كتاب الضحايا: باب ماجاء فى ذكاة الجنين (۲۸۲۷) ترمذی: كتاب الصيد: باب ماجاء فى ذكاة الجنين (۱۴۷۶) ابن ماجه: كتاب الذبائح: باب ذكاة الجنين ذكاة امه (۳۱۹۹) مسند ابو يعلى (۹۹۲)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود، ارواء الغليل (۲۵۳۹)]

ابوداؤد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ”پیٹ کے اندر والے بچے کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے“۔ [1] پھر فرماتا ہے مگر وہ جن کا بیان تمہارے سامنے کیا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”اس سے مطلب مردار، خون اور خنزیر کا گوشت ہے“۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”مراد اس سے از خود مرا ہوا جانور اور وہ جانور ہے جس کے ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو“ پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے لیکن بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اللہ کا فرمان ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ الخ ہے یعنی تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر منسوب ومشہور کی جائے اور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے اور جو کسی ضرب سے مر جائے، اونچی جگہ سے گر کر مر جائے اور کسی ٹکر لگنے سے مر جائے جسے درندہ کھانے لگے پس یہ بھی گو مویشیوں چوپایوں میں سے ہیں لیکن ان وجوہ سے وہ حرام ہو جاتے ہیں اسی لیے اس کے بعد فرمایا لیکن جس کو ذبح کر ڈالو۔ جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے وہ بھی حرام ہے اور ایسا حرام کہ اس میں سے کوئی چیز حلال نہیں اسی لیے اس سے استدراک نہیں کیا گیا اور حلال کے ساتھ اس کا کوئی فرد ملایا نہیں گیا پس یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ چوپائے مویشی تم پر حلال ہیں لیکن وہ جن کا ذکر ابھی آئے گا۔ جو بعض احوال میں حرام ہیں اس کے بعد کا جملہ حالیت کی بنا پر منصوب ہے۔ مراد انعام سے عام ہے بعض تو وہ جو انسانوں میں رہتے پلتے ہیں جیسے اونٹ، گائے، بکری اور بعض وہ جو جنگلی ہیں جیسے ہرن، نیل گائے اور جنگلی گدھے۔ پس پالتو جانوروں میں سے تو ان کو مخصوص کر لیا جو بیان ہوئے اور وحشی جانوروں میں سے احرام کی حالت میں کسی کو بھی شکار کرنا ممنوع قرار دیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے ”ہم نے تمہارے لیے چوپائے جانور ہر حال میں حلال کئے ہیں پس تم احرام کی حالت میں شکار کھیلنے سے رک جاؤ اور اسے حرام جانو“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے جس طرح اس کے تمام احکام سراسر حکمت سے پر ہیں، اسی طرح اس کی ہر ممانعت میں بھی حکمت ہے، اللہ وہ حکم فرماتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ ایماندارو! رب کی نشانیوں کی توہین نہ کرو، یعنی مناسک حج، صفا، مروہ، قربانی کے جانور، اونٹ اور اللہ کی حرام کردہ ہر چیز حرمت والے مہینوں سمیت کسی کی توہین نہ کرو، ان کا ادب کرو، ان کا لحاظ رکھو، ان کی عظمت کو مانو اور ان میں خصوصیت کے ساتھ اللہ کی نافرمانیوں سے بچو۔ اور ان مبارک اور محترم مہینوں میں اپنے دشمنوں سے از خود لڑائی نہ چھیڑو۔ جیسے ارشاد ہے ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ [2] الخ، اے نبی! لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں تم ان سے کہو کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے۔ اور آیت میں ہے مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ ہے الخ۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا ”زمانہ گھوم گھام کر ٹھیک اسی طرز پر آ گیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا، جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے جن میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں۔ تین تو یکے بعد دیگرے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، اور محرم اور چوتھا

---

[1] [صحیح: ابوداؤد (۲۸۲۸) دارمی (۱۹۸۵) دارقطنی (۲۷۳/٤)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

[2] [سورۃ البقرہ : آیت ۲۱۷]

رجب، جسے قبیلے مضر رجب کہتا ہے جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے''[1] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مہینوں کی حرمت تا قیامت ہے جیسے کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ ان ''مہینوں میں لڑائی کرنا حلال نہ کر لیا کرو''۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور حرمت والے مہینوں میں بھی دشمنان اسلام سے جہاد کی ابتدا کرنا بھی جائز ہے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ﴾[2] یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ۔ اور مراد یہاں ان چار مہینوں کا گذر جانا ہے' جب چار مہینے گذر چکے جو اس وقت تھے، تو اب ان کے بعد برابر جہاد جاری ہے اور قرآن نے پھر کوئی مہینہ خاص نہیں کیا' بلکہ امام ابوجعفر تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جہاد کرنا' ہر وقت اور ہر مہینے میں جاری ہی رکھا ہے'' آپ فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اجماع ہے کہ ''اگر کوئی کافر حرم کے تمام درختوں کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لے تب بھی اس کے لیے امن وامان نہ سمجھی جائے گی۔ اگر مسلمان نے از خود اس سے پہلے اسے امن نہ دیا ہو''۔ اس مسئلہ کی پوری بحث یہاں نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا کہ ((هَدْی)) اور ((قَلَآئِد)) کی بے حرمتی بھی مت کرو۔ یعنی بیت اللہ شریف کی طرف قربانیاں بھیجنا بند نہ کرو' کیونکہ اس میں اللہ کے نشانوں کی تعظیم ہے اور قربانی کے لیے جو اونٹ بیت الحرام کی طرف بھیجو' ان کے گلے میں بطور نشان پٹا ڈالنے سے بھی نہ رکو۔ تاکہ اس نشان سے ہر کوئی پہچان لے کہ یہ جانور اللہ کے لیے اللہ کی راہ کے لیے وقف ہو چکا ہے اب اسے کوئی برائی سے ہاتھ نہ لگائے بلکہ اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق پیدا ہوگا کہ ہم بھی اس طرح اللہ کے نام جانور بھیجیں' اور اس صورت میں تمہیں اس کی نیکی پر بھی اجر ملے گا کیونکہ جو شخص دوسروں کو ہدایت کی طرف بلائے اسے بھی وہ اجر ملے گا' جو اس کی بات مان کر اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو کم کر کے اسے نہیں دے گا بلکہ اسے اپنے پاس سے عطا فرمائے گا۔ آنحضرت ﷺ جب حج کے لیے نکلے تو آپ نے وادی عقیق یعنی ذوالحلیفہ میں رات گذاری' صبح اپنی نو بیویوں کے پاس گئے' پھر غسل کر کے خوشبو ملی اور دو رکعت نماز ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کے کوہان پر نشان کیا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج اور عمرے کا احرام باندھا۔ قربانی کے لیے آپ نے بہت خوش رنگ مضبوط اور نوجوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اوپر اپنے ساتھ لیے تھے' جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے جو شخص اللہ کے احکام کی تعظیم کرے اس کا دل تقوے والا ہے۔ بعض سلف کا فرمان ہے کہ ''تعظیم یہ بھی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انہیں خوب کھلایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے''۔ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان دیکھ بھال

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق: باب ماجآء فی سبع ارضین (۳۱۹۷) صحیح مسلم: کتاب القسامۃ: باب تغلیظ تحریم الدماء والاعراض والاموال (۱۶۷۹)]

[2] [سورہ التوبہ: آیت ۵]

کر خریدیں''۔ (1) (رواہ اہل السنن) مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''جاہلیت کے زمانے میں جب یہ لوگ اپنے وطن سے نکلتے تھے اور حرمت والے مہینے نہیں ہوتے تھے تو یہ اپنے اوپر بالوں اور اون کو لپیٹ لیتے تھے اور حرم میں رہنے والے مشرک لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں اپنے جسم پر باندھ لیتے تھے' اس سے عام لوگ انہیں امن دیتے تھے اور ان کو مارتے پیٹتے نہ تھے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بروایت حضرت مجاہد رحمہ اللہ مروی ہے کہ اس سورت کی دو آیتیں منسوخ ہیں'' آیت قلائد اور یہ آیت ﴿فَاِنْ جَآؤُكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ (2) لیکن حضرت حسن رحمہ اللہ سے جب سوال ہوتا ہے کہ ''کیا اس سورت میں سے کوئی آیت منسوخ ہوئی ہے؟'' تو آپ فرماتے ہیں ''نہیں''۔ حضرت عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''وہ لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں لٹکا لیا کرتے تھے اور اس سے انہیں امن ملتا تھا' پس اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنا منع فرما دیا''۔ پھر فرماتا ہے ''جو لوگ بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہوں' ان سے لڑائی مت لڑو۔ یہاں جو آئے وہ امن میں پہنچ گیا' پس جو اس کے قصد سے چلا ہے اس کی نیت اللہ کے فضل کی تلاش اور اس کی رضا مندی کی جستجو ہے تو اب اسے ڈر' خوف کے دباؤ میں نہ رکھو' اس کی عزت اور ادب کرو اور اسے بیت اللہ سے نہ روکو''۔ بعض کا قول ہے کہ ''اللہ کا فضل تلاش کرنے سے مراد تجارت ہے'' جیسے اس آیت میں ہے ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (3) یعنی زمانہ حج میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ رضوان سے مراد حج کرنے میں اللہ کی مرضی کو تلاش کرنا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں ''یہ آیت حطم بن ہند بکری کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر دھاوا ڈالا تھا۔ پھر اگلے سال یہ عمرے کے ارادے سے آ رہا تھا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارادہ ہوا کہ اسے راستے میں روکیں' اس پر یہ فرمان نازل ہوا''۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ ''جو مشرک مسلمانوں کی امان لیے ہوئے نہ ہو تو چاہے کہ وہ بیت اللہ شریف کے ارادے سے جا رہا ہو یا بیت المقدس کے ارادے سے' اسے قتل کرنا جائز ہے۔ یہ حکم ان کے حق میں منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔ ہاں جو شخص وہاں الحاد پھیلانے کے لیے جا رہا ہو اور شرک و کفر کے ارادے کا قصد کرتا ہو تو اسے روکا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے مومن و مشرک سب حج کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت تھی کہ کسی مومن کا فر کو نہ روکو لیکن اس کے بعد یہ آیت اتری کہ ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ (4) یعنی مشرکین سراسر نجس ہیں اور وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں۔ اور فرمان ہے

---

(1) [صحیح : ابوداؤد : کتاب الضحایا : باب ما یکرہ من الضحایا (٢٨٠٤) ترمذی : کتاب الاضاحی : باب مایکرہ من الاضاحی (١٤٩٨) ابن ماجہ : کتاب الاضاحی : باب مایکرہ ان یضحی بہ (٣١٤٢) نسائی : کتاب الضحایا : باب المقابلۃ وھی ما قعی طرف اذنھا (٤٣٧٧) مسند احمد (١٢٥/١)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے روایت کے مذکورہ الفاظ کو صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود ، ارواء الغلیل (٣٦٢/٤)]

(2) [سورہ المائدہ: آیت ٤٢] (3) [سورہ البقرہ : آیت ١٩٨]

(4) [سورہ التوبہ : آیت ٢٨]

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللهِ﴾ [1] یعنی مشرکین اللہ کی مسجدوں کو آباد رکھنے کے ہرگز اہل نہیں۔ فرمان ہے ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [2] یعنی اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہی آباد رکھ سکتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں۔ پس مشرکین مسجدوں سے روک دیئے گئے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ منسوخ ہے' جاہلیت کے زمانہ میں جب کوئی شخص اپنے گھر سے حج کے ارادے سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ باندھ لیتا تو راستے میں اسے کوئی نہ ستاتا' پھر لوٹتے وقت بالوں کا ہار ڈال لیتا اور محفوظ رہتا اس وقت تک مشرکین بیت اللہ سے روکے نہ جاتے تھے' اب مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حرمت والے مہینوں میں نہ لڑیں اور نہ بیت اللہ کے پاس لڑیں' پھر اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ مشرکین سے لڑو جہاں کہیں انہیں پاؤ''۔ ابن جریر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ قلائد سے مراد یہ ہے جو ہار وہ حرم سے گلے میں ڈال لیتے تھے اور اس کی وجہ سے امن میں رہتے تھے' عرب میں اس کی تعظیم برابر چلی آ رہی تھی اور جو اس کے خلاف کرتا تھا اسے بہت برا کہا جاتا تھا اور شاعر اس کو ہجو کرتے تھے' پھر فرماتا ہے ''جب تم احرام کھول ڈالو تو شکار کر سکتے ہو''۔ احرام میں شکار کی ممانعت تھی' اب احرام کے بعد پھر اس کی اباحت ہو گئی جو حکم ممانعت کے بعد ہو اس حکم سے وہی ثابت ہوتا ہے جو ممانعت سے پہلے اصل میں تھا۔ یعنی اگر وجوب اصلی تھا تو ممانعت کے بعد کا امر بھی وجوب کے لیے ہوگا۔ اور اسی طرح مستحب ومباح کے بارے میں۔ گو بعض نے کہا ہے کہ ایسا امر وجوب کے لیے ہی ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے' صرف مباح ہونے کے لیے ہی ہوتا ہے لیکن دونوں جماعتوں کے خلاف قرآن کی آیتیں موجود ہیں۔ پس صحیح مذہب جس سے تمام دلیلیں مل جائیں وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور بعض علماء اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے جس قوم نے تمہیں حدیبیہ والے سال مسجد حرام سے روکا تھا تو تم ان سے دشمنی باندھ کر قصاص پر آمادہ ہو کر اللہ کے حکم سے آگے بڑھ کر ظلم وزیادتی پر نہ اتر آنا' بلکہ تمہیں کسی وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔ اسی طرح کی وہ آیت بھی ہے جس میں فرمایا ہے ''تمہیں کسی قسم کی عداوت خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے۔ عدل کیا کرو عدل ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے''۔ بعض سلف کا قول ہے کہ ''گو کوئی تجھ سے تیرے بارے میں اللہ کی نافرمانی کرے لیکن تجھے چاہیے کہ تو اس کے بارے میں اللہ کی فرمانبرداری ہی کرے۔ عدل ہی کی وجہ سے آسمان وزمین قائم ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو جبکہ مشرکین نے بیت اللہ کی زیارت سے روکا اور حدیبیہ سے آگے بڑھنے ہی نہ دیا' اسی رنج وغم میں صحابہ رضی اللہ عنہم واپس آ رہے تھے جو مشرق مشرک مکہ جاتے ہوئے انہیں ملے تو ان کا ارادہ ہوا کہ جیسے ان کے گروہوں نے ہمیں روکا ہم بھی انہیں ان تک نہ جانے دیں۔ [3] اس پر یہ آیت اتری۔ شَنَاٰنُ کے معنی بغض کے ہیں بعض عرب اسے شَنَاْنُ بھی کہتے ہیں لیکن کسی قاری

---

[1] [سورہ التوبہ: آیت ۱۷] [2] [سورہ التوبہ: آیت ۱۸]

[3] [ضعیف و مرسل: تفسیر ابن جریر الطبری (۹/۴۷۸)]

کی یہ قرات مروی نہیں، ہاں عربی شعروں میں شنان بھی آیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو نیکی کے کاموں پر ایک دوسرے کی تائید کرنے کو فرماتا ہے، بر کہتے ہیں نیکیاں کرنے کو اور تقویٰ کہتے ہیں برائیوں کو چھوڑ نے کو۔ اور انہیں منع فرماتا ہے گناہوں اور حرام کاموں پر کسی کی مدد کرنے کو، ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کام کے کرنے کا اللہ کا حکم ہو اور انسان اسے نہ کرے یہ اثم ہے اور دین میں جو حدیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں جو فرائض اپنی جان یا دوسروں کے بارے میں جناب باری نے مقرر فرمائے ہیں، ان سے آگے نکل جانا عُدْوَان ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے ''اپنے بھائی کی مدد کر، خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم ہو'' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کرنا ٹھیک ہے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کریں؟'' فرمایا ''اسے ظلم نہ کرنے دو، ظلم سے روک لو، یہی اس وقت کی اس کی مدد ہے'' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے۔[1] مسند احمد میں ہے ''جو مسلمان لوگوں سے ملے جلے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے وہ اس مسلمان سے بڑے اجر والا ہے، جو نہ لوگوں سے ملے جلے، نہ ان کی ایذاؤں پر صبر کرے''[2] مسند بزار میں ہے: ((اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ)) یعنی جو شخص کسی بھلی بات کی دوسرے کو ہدایت کرے وہ اس بھلائی کے کرنے والے جیسا ہی ہے''۔[3] امام ابوبکر بزار رحمہ اللہ اسے بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث صرف اسی ایک سند سے مروی ہے''۔ لیکن میں کہتا ہوں اس کی شاہد یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو بلائے اسے ان تمام کے برابر ثواب ملے گا جو قیامت تک آئیں گے اور اس کی تابعداری کریں گے۔ لیکن ان کے ثواب میں سے گھٹا کر نہیں، اور جو شخص کسی کو برائی کی طرف چلائے تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی کو کریں گے۔ ان سب کا جتنا گناہ ہوگا وہ سارا اس اکیلے کو ہوگا۔ لیکن ان کے گناہ گھٹا کر نہیں۔[4] طبرانی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تاکہ اس کی اعانت و امداد کرے اور وہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے وہ یقیناً دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے''۔[5]

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۹۹/۳) صحیح بخاری: کتاب الاکراہ: باب یمین الرجل لصاحبه (۶۹۵۲)]

[2] [صحیح: مسند احمد (۳۶۵/۵) الادب المفرد (۳۸۸) ترمذی: کتاب صفة القیامة (۲۵۰۷) ابن ماجه: کتاب الفتن (۴۰۳۲)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (۹۳۶)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ شعیب ارناؤوط، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [حسن صحیح: مسند بزار (۱۵۴) ترمذی: کتاب العلم: باب ماجاء أن الدال علی الخیر کفاعله (۲۶۷۰)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی، السلسلة الصحیحة (۱۶۶۰)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب العلم: باب من سن سنة حسنة أو سیئة (۲۶۷۴) ابو داؤد: کتاب السنة: باب من دعا الی السنة (۴۶۰۹) ابن ماجه: مقدمة: باب من سن سنة حسنة او سیئة (۲۰۶)]

[5] [ضعیف جدا: طبرانی کبیر (۶۱۹) جامع المسانید (۴۲۷/۱) الترغیب والترهیب (۱۴۳/۳)] امام منذری رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اس میں عاش بن موسیٰ راوی مجہول ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الترغیب (۱۳۶۲) ضعیف الجامع الصغیر (۵۸۵۹) السلسلة الضعیفة (۵۳۶۷)]

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ۭ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۭ اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۭ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ۭ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

تم پر مردار حرام کیا گیا اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچے سے گر کر مرا ہو اور جو کسی ٹکر سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اگر اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں' اور جو پرستش گاہوں پر چڑھایا گیا ہو تم پر حرام کیا جاتا ہے قرعہ کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرنا' یہ سب بدترین گناہ ہیں' آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے خبردار تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہا کرنا' آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تمہیں اپنا انعام بھرپور دے دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں رضامند ہو گیا' پس جو شخص شدت کی بھوک میں بیقرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے ○

حلال وحرام کا بیان: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کا بیان فرما رہا ہے جن کا کھانا اس نے حرام کیا ہے' یہ خبر ان چیزوں کے نہ کھانے کے حکم میں شامل ہے۔ میتہ وہ ہے جو از خود اپنے آپ مر جائے' نہ تو اسے ذبح کیا جائے' نہ شکار کیا جائے۔ اس کا کھانا اس لیے حرام کیا گیا کہ اس کا وہ خون جو مضر ہے اسی میں رہ جاتا ہے' ذبح کرنے سے تو بہہ جاتا ہے اور یہ خون دین اور بدن کو مضر ہے' ہاں یہ یاد رہے کہ ہر مردار حرام ہے مگر مچھلی نہیں۔ کیونکہ موطا مالک' مسند شافعی' مسند احمد' ابوداود' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ [1] اور اسی طرح ٹڈی بھی گو خود ہی مر گئی ہو' حلال ہے۔ اس کی دلیل کی حدیث آ رہی ہے۔ دم سے مراد دم مسفوح یعنی وہ خون ہے جو بوقت ذبح بہتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ آیا تلی کھا سکتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں ہاں' لوگوں نے کہا وہ تو خون ہے' آپ نے فرمایا ہاں صرف وہ خون حرام ہے جو بوقت

---

[1] [صحیح : ابوداؤد: کتاب الطهارة : باب الوضوء بماء البحر (۸۳) نسائی : کتاب المیاه : باب الوضوء بمآءالبحر (۳۳۳) ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب الوضوء بمآء البحر (۳۸٦) ترمذی : کتاب الطهارة : بـاب مـاجـآء فـی مـآء البحرانه طهور (٦۹) مؤطا (۱/ ۵۰) مسند احمد (۲۳۷/۲) بخاری فی التاریخ الکبیر (٤۷۸/۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (٤۸۰)]

ذبح بہا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہا ہوا خون حرام ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لیے دو قسم کے مردے اور دو خون حلال کیے گئے ہیں، مچھلی، ٹڈی، کلیجی اور تلی۔ [1] یہ حدیث مسند احمد، ابن ماجہ، دارقطنی اور بیہقی میں بھی بروایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ مروی ہے اور یہ ضعیف ہیں، حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "عبدالرحمٰن کے ساتھ ہی اسے اسماعیل بن ادریس اور عبداللہ بھی روایت کرتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں یہ دونوں بھی ضعیف ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ضعف میں کمی بیشی ہے"۔ سلیمان بن بلال رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہ ہیں بھی ثقہ لیکن اس روایت کو بعض نے ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف رکھا ہے۔ حافظ ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت صدی بن عجلان سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی طرف بھیجا کہ میں انہیں اللہ کی طرف بلاؤں اور احکام اسلام ان کے سامنے پیش کروں۔ میں وہاں پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا، اتفاقاً ایک روز وہ ایک پیالہ خون کا بھر کر میرے سامنے آ بیٹھے اور حلقہ باندھ کر کھانے کے ارادے سے بیٹھے اور مجھ سے کہنے لگے آؤ صدی تم بھی کھا لو میں نے کہا۔ تم غضب کر رہے ہو میں تو ان کے پاس سے آ رہا ہوں جو اس کا کھانا حرام کرتے ہیں، تب تو وہ سب کے سب میری طرف متوجہ ہو گئے اور کہا پوری بات کہو تو میں نے یہی آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ الخ، پڑھ کر سنا دی، [2] یہ روایت ابن مردویہ میں بھی ہے اس میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میں وہاں بہت دنوں تک رہا اور انہیں پیغام اسلام پہنچاتا رہا لیکن وہ ایمان نہ لائے، ایک دن جبکہ میں سخت پیاسا ہوا اور پانی بالکل نہ ملا تو میں نے ان سے پانی مانگا اور کہا کہ پیاس کے مارے میرا برا حال ہے، تھوڑا سا پانی پلا دو لیکن کسی نے مجھے پانی نہ دیا، بلکہ کہا ہم تو تجھے یونہی پیاسا ہی تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے، میں غمناک ہو کر دھوپ میں تپتے ہوئے انگاروں جیسے سنگریزوں پر اپنا کھردرا کمبل منہ پر ڈال کر اسی سخت گرمی میں میدان میں پڑا رہا، اتفاقاً میری آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بہترین جام لیے ہوئے اور اس میں بہترین خوش ذائقہ مزیدار پینے کی چیز لیے ہوئے میرے پاس آیا اور جام میرے ہاتھ میں دے دیا، میں نے خوب پیٹ بھر کر اس میں سے پیا، وہیں آنکھ کھل گئی تو اللہ کی قسم مجھے مطلق پیاس نہ تھی بلکہ اس کے بعد سے لے کر آج تک مجھے کبھی پیاس کی تکلیف ہی نہیں ہوئی، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پیاس ہی نہیں لگی۔ یہ لوگ میرے جاگنے کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ آخر تو یہ تمہاری قوم کا سردار ہے، تمہارا مہمان بن کر آیا ہے، اتنی بے رخی بھی ٹھیک نہیں کہ ایک گھونٹ پانی بھی ہم اسے نہ دیں، چنانچہ اب یہ لوگ میرے پاس کچھ لے کر آئے، میں نے کہا اب تو مجھے کوئی حاجت نہیں، مجھے میرے رب نے کھلا پلا

---

[1] [صحیح : مسند احمد (۹۷/۳) مسند شافعي (۶۰۸) بغوی (۲۸۰۳) ابن ماجه : كتاب الاطعمة : باب الكبد والطحال (۳۳۱۴)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (۱۱۱۸)]

[2] [ضعیف : طبرانی کبیر (۸۰۷۴)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں بشیر بن سریج راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (۳۸۹/۹)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

دیا'[1] یہ کہہ کر میں نے انہیں اپنا بھرا ہوا پیٹ دکھا دیا' اس کرامت کو دیکھ کر وہ سب کے سب مسلمان ہوگئے۔

اعشی نے اپنے قصیدے میں کیا ہی خوب کہا ہے کہ مردار کے قریب بھی نہ ہو اور کسی جانور کی رگ کاٹ کر خون نکال کر نہ پی اور پرستش گاہوں پر چڑھا ہوا نہ کھا اور اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کر' صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کر ﴿لَحۡمُ الۡخِنۡزِیۡرِ﴾ حرام ہے خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو ہو' لفظ لَحۡم شامل ہے اس کے تمام اجزاء کو' جس میں چربی بھی داخل ہے پس ظاہریہ کی طرح تکلفات کرنے کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ دوسری آیت میں سے ﴿فَاِنَّہٗ رِجۡسٌ﴾ لے کر ضمیر کا مرجع خنزیر کو بتلاتے ہیں تاکہ اس کے تمام اجزاء حرمت میں آجائیں۔ درحقیقت یہ لغت سے بعید ہے مضاف الیہ کی طرف ایسے موقعوں پر ضمیر پھرتی ہی نہیں' صرف مضاف ہی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے۔ صاف ظاہر بات یہی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو۔ لغت عرب کا مفہوم اور عام عرف یہی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق ''شطرنج کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت وخون میں رنگنے والا ہے۔''[2] خیال کیجیے کہ صرف چھونا بھی شرعاً کس قدر نفرت کے قابل ہے' تو پھر کھانے کے لیے بے حد برا ہونے میں کیا شک رہا؟'' اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو خواہ چربی ہو خواہ اور۔ بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت کردی' پوچھا گیا کہ ''یارسول اللہ ﷺ مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟'' وہ کشتیوں پر چڑھائی جاتی ہے' کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور چراغ جلانے کے کام بھی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا ''نہیں! نہیں! وہ حرام ہے''[3] صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابوسفیان نے ہرقل سے کہا ''وہ (نبی) ہمیں مردار سے اور خون سے روکتا ہے''۔[4] وہ جانور بھی حرام ہے جس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام لیا جائے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اسے فرض کردیا وہ اسی کا نام لے کر جانور کو ذبح کرے' پس اگر کوئی اس سے ہٹ جائے اور اس کے نام پاک کے بدلے کسی بت وغیرہ کا نام لے' خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو تو یقیناً وہ جانور بالاجماع حرام ہوجائے گا' ہاں جس جانور کے ذبیحہ کے وقت بسم اللہ کہنا رہ جائے' خواہ جان بوجھ کر خواہ بھولے چوکے سے وہ حرام ہے یا حلال؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان سورۂ انعام میں آئے گا۔ حضرت ابوالطفیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں'' حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر آج تک یہ

---

[1] [ضعیف : أیضا]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الشعر : باب تحریم اللعب بالنرد شیر (۲۲۶۰) ابوداؤد : کتاب الادب : باب فی النھی عن اللعب بالنرد (۴۹۳۹) ابن ماجه : کتاب الادب : باب اللعب بالنرد (۳۷۶۳) مسند احمد (۵/۳۵۲) الادب المفرد (۱۲۷۱)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب بیع المیتة والاصنام (۲۲۳۶) و کتاب التفسیر (۴۶۳۳) صحیح مسلم : کتاب المساقاة : باب تحریم بیع الخمر والمیتة (۱۵۸۱) ترمذی : کتاب البیوع : باب ماجآء فی بیع جلود المیتة (۱۲۹۷) ابن ماجه : کتاب التجارات : باب مالا یحل بیعه (۲۱۶۷) ابوداؤد : کتاب البیوع : باب فی ثمن الخمر والمیتة (۳۴۸۶) مسند احمد (۳/۳۲۴)]

[4] [یہ الفاظ بخاری میں نہیں بلکہ مسند ابی عوانہ میں ہیں۔ [۶۷۳۴] مطبوعه دار المعرفة ، ۵ مجلدات]

چاروں چیزیں حرام رہیں، کس وقت ان میں سے کوئی بھی حلال نہیں ہوئی ① مردار ② خون ③ سور کا گوشت ④ اور اللہ کے سوا دوسرے کے نام کی چیز۔ البتہ بنو اسرائیل کے گناہگاروں کے گناہوں کی وجہ سے بعض غیر حرام چیزیں بھی ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ وہ دوبارہ حلال کر دی گئیں، لیکن بنو اسرائیل نے آپ کو سچا نہ جانا اور آپ کی مخالفت کی" (ابن ابی حاتم) یہ اثر غریب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفے کے حاکم تھے اس وقت ابن وائل نامی قبیلہ بنو رباح کا ایک شخص جو شاعر تھا، فرزدق کے دادا غالب کے مقابل ہوا اور یہ شرط ٹھہری کہ دونوں آمنے سامنے ایک ایک سو اونٹوں کی کوچیں کاٹیں گے، چنانچہ کوفے کی پشت پر پانی کی جگہ پر جب ان کے اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے اور اونٹوں کی کوچیں کاٹنی شروع کیں اور دکھاوے سناوے اور فخر یہ ریاکاری کے لیے دونوں اس میں مشغول ہو گئے کوفیوں کو جو یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے لیے آنا شروع ہوئے، اتنے میں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ لوگو یہ گوشت نہ کھانا یہ جانور ﴿مَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ میں شامل ہیں۔ (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی غریب ہے ہاں اس کی صحت کی شاہد وہ حدیث ہے جو ابوداود میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراب کی طرح مقابلہ میں کوچیں کاٹنے سے ممانعت فرما دی، [1] پھر ابوداود رحمہ اللہ نے فرمایا کہ محمد بن جعفر نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما پر وقف کیا ہے۔ ابوداود کی اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شخصوں کا کھانا کھانا منع فرما دیا جو آپس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور ریاکاری کرنا چاہتے ہوں۔ [2] ﴿مُنْخَنِقَةُ﴾ جس کا گلا گھٹ جائے خواہ کسی نے عمداً گلا گھٹ کر گلا مروڑ کر اسے مار ڈالا ہو، خواہ ازخود اس کا گلا گھٹ گیا ہو۔ مثلاً اپنے کھونٹے میں بندھا ہوا ہے اور بھاگنے لگا، پھندا گلے میں پڑ گیا اور کھینچ کھینچاؤ کرتا ہوا مر گیا پس یہ حرام ہے۔ ﴿مَوْقُوذَةُ﴾ وہ ہے جس جانور کو کسی نے ضرب لگائی، لکڑی وغیرہ ایسی چیز سے جو دھاری دار نہیں لیکن اسی سے وہ مر گیا، تو وہ بھی حرام ہے، جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جانور کو لٹھ سے مار ڈالتے اور پھر کھاتے۔ لیکن قرآن نے ایسے جانور کو حرام بتایا۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں معراض سے شکار کھیلتا ہوں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تو اسے پھینکے اور وہ جانور کو زخم لگائے تو کھا سکتا ہے اور اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگے تو وہ جانور لٹھ مارے ہوئے کے حکم میں ہے اسے نہ کھا۔ [3] پس آپ نے اس میں جسے دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اور اس میں جسے

---

[1] [حسن صحیح : ابو داؤد : كتاب الضحايا : باب ماجاء في اكل معاقرة الأعراب (۲۸۲۰) بیهقی فی السنن الکبری (۹/۳۱۳-۳۱٤)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود (۲٤٤٦)]

[2] [صحیح : ابو داؤد : كتاب الاطعمة : باب في طعام المتبارين (۳۷٥٤)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [السلسلة الصحيحة (٦٢٧)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الذبائح والصید : باب صید المعراض (٥٤٧٦)، (٥٤٨٦) صحیح مسلم : كتاب الصيد : باب الصيد بالكلاب المعلمة (۱۹۲۹) نسائی : كتاب الصيد : باب اذا صيد المعراض (٤٣١٠) ابوداؤد : کتاب الصيد : باب في الصيد (۲۸٥٤) مسند احمد (٤/۲٥٦)]

چوڑائی کی جانب سے لگا ہو فرق کیا۔ اول کو حلال اور دوسرے کو حرام۔ فقہاء کے نزدیک بھی یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ جب کسی زخم کرنے والی چیز نے شکار کو صدمہ تو پہنچایا لیکن وہ مرا ہے اس کے بوجھ اور چوڑائی کی طرف سے تو آیا یہ جانور حلال ہے یا حرام۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس میں دونوں قول ہیں' ایک تو حرام ہونا اوپر والی حدیث کو سامنے رکھ کر۔ دوسرے حلال کرنا کتے کے شکار کی حلت کو مدنظر رکھ کر۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو۔

فصل: علماء کرام رحمہم اللہ کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اور کتے نے اسے اپنی مار سے اور بوجھ سے مار ڈالا زخمی نہیں کیا تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ حلال ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں ﴿فَكُلُوا مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ [1] یعنی وہ جن جانوروں کو روک لیں تم انہیں کھا سکتے ہو۔ اسی طرح حضرت عدی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی صحیح حدیثیں بھی عام ہی ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھیوں نے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے اور متاخرین نے اس کی صحت کی ہے' جیسے نووی اور رافعی رحمہما اللہ مگر میں کہتا ہوں کہ گو یوں کہا جاتا ہے کہ لیکن امام صاحب کے کلام سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو کتاب الام اور مختصر ان دونوں میں جو کلام ہے وہ دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ پس دونوں فریقوں نے اس کی توجیہ کر کے دونوں جانب علی الاطلاق ایک قول کہہ دیا۔ ہم تو بصد مشکل صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس بحث میں حلال ہونے کے قول کی حکایت کچھ قدرے قلیل زخم کا ہونا بھی ہے۔ گو ان دونوں میں سے کسی کی تصریح نہیں' اور نہ کسی کی مضبوط رائے' ابن الصباغ نے امام ابوحنیفہ سے حلال ہونے کا قول نقل کیا ہے اور دوسرا کوئی قول ان سے نقل نہیں کیا۔ اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرت سلمان فارسی' حضرت ابوہریرہ' حضرت سعد بن وقاص اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے اور دراصل ان بزرگوں سے صراحت کے ساتھ یہ اقوال نہیں پائے جاتے۔ یہ صرف اپنا تصرف ہے واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں' حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے' مزنی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور ابن صباغ کے قول سے بھی اس کی ترجیح ملتی ہے' واللہ اعلم۔ اسی کو ابو یوسف اور محمد نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اور یہی مشہور ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اور یہی قول ٹھیک ہونے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے واللہ اعلم۔ اس لیے کہ اصولی قواعد اور احکام شرعی کے مطابق یہی جاری ہے۔ ابن الصباغ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ انہوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کل دشمنوں سے بھڑنے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں تو کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیا کریں؟ آپ نے فرمایا جو چیز خون بہائے اور اس کے اوپر اللہ کا نام ذکر کیا جائے اسے کھا لیا کرو الخ۔ (بخاری و مسلم) [2] یہ حدیث گو ایک خاص موقعہ کے لیے ہے لیکن عام الفاظ کا حکم ہوگا' جیسے کہ جمہور علماء اصول

---

[1] [سورۂ المائدہ: آیت ٤]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الذبائح والصید: باب ما انہر الدم من القصب (٥٥٠٣) صحیح مسلم: کتاب الاضاحی: باب جواز الذبح بکل ما انہر الدم (١٩٦٨) ترمذی: کتاب الصید: باب ماجآء فی الزکاۃ بالقصب وغیرہ (١٤٩١) مسند احمد (٤٦٣/٣)]

وفروع کا فرمان ہے۔اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ تبع جو شہد کی نبیذ سے ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ لائے حرام ہے [1] پس یہاں سوال ہے شہد کی نبیذ سے لیکن جواب کے الفاظ عام ہیں اور مسئلہ بھی ان سے عام سمجھا گیا' اسی طرح اوپر والی حدیث ہے کہ گو سوال ایک خاص نوعیت میں ذبح کرنے کا ہے لیکن جواب کے الفاظ اسے اور اس کے سوا کی عام نوعیتوں پر مشتمل ہیں' اللہ کے رسول ﷺ کا یہ بھی ایک خاص معجزہ ہے کہ الفاظ تھوڑے اور معانی بہت' اسے ذہن میں رکھنے کے بعد اب غور کیجیے کہ کتے کے صدمے سے جو شکار مر جائے یا اس کے بوجھ یا تھپڑ کی وجہ سے جس شکار کا دم نکل جائے۔ظاہر ہے کہ اس کا خون کسی چیز سے نہیں بہا' پس اس حدیث کے مفہوم کی بنا پر وہ حلال نہیں ہو سکتا' ہاں اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کو کتے کے شکار کے مسئلہ سے دور کا تعلق بھی نہیں' اس لیے کہ سائل نے ذبح کرنے کے ایک آلے کی نسبت سوال کیا تھا۔ان کا سوال اس چیز کی نسبت نہ تھا' جس سے ذبح کیا جائے' اسی لیے حضور ﷺ نے اس سے دانت اور ناخن کو مستثنیٰ کر لیا اور فرمایا سوائے دانت اور ناخن کے اور میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے سوا کیوں؟ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے [2] اور یہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ کی دلالت جنس مستثنیٰ منہ پر ہوا کرتی ہے' ورنہ متصل نہیں مانا جا سکتا۔پس ثابت ہوا کہ سوال آلہ ذبح کا ہی تھا تو اب کوئی دلالت تمہارے قول پر باقی نہیں رہی۔اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے جواب کے جملے کو دیکھو آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر نام اللہ بھی لیا گیا ہو' اسے کھا لو۔یہ نہیں فرمایا کہ اس کے ساتھ ذبح کر لو۔پس اس جملہ سے دو حکم ایک ساتھ معلوم ہوتے ہیں' ذبح کرنے کے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی اور یہ کہ اس جانور کا خون کسی آلہ سے بہانا ضروری ہے' جو دانت اور ناخن کے سوا ہو۔ایک مسلک تو یہ ہے دوسرا مسلک جو مزنی رحمہ اللہ کا ہے وہ یہ کہ تیر کے بارے میں صاف لفظ آ چکے کہ اگر وہ اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہے اور جانور مر گیا ہے تو نہ کھاؤ اور اگر اس نے اپنی دھار اور انی سے زخم کیا ہے پھر مرا ہے تو کھا لو۔اور کتے کے بارے میں علی الاطلاق احکام ہیں پس چونکہ موجب یعنی شکار دونوں جگہ ایک ہی ہے تو مطلق کا حکم بھی مقید پر محمول ہوگا گو سبب الگ الگ ہوں۔جیسے کہ ظہار کے وقت آزادگی گردن جو مطلق ہے محمول کی جاتی ہے قتل کی آزادگی گردن پر جو مقید ہے ایمان کے ساتھ۔بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت شکار کے اس مسئلہ میں ہے یہ دلیل ان لوگوں پر یقیناً بہت بڑی حجت ہے جو اس قاعدہ کی اصل کو مانتے ہیں اور چونکہ ان لوگوں میں اس قاعدے کے مسلم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تو ضروری ہے کہ یا تو وہ اسے تسلیم کریں ورنہ کوئی پختہ جواب دیں۔علاوہ ازیں یہ فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس شکار کو کتے نے بوجہ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاشربة : باب الخمر من العسل (٥٥٨٥) صحیح مسلم : کتاب الاشربة : باب بیان ان کل مسکر خمرا (٢٠٠١) ابوداؤد : کتاب الاشربة : باب ما جآء فی السکر (٣٦٨٢) ترمذی (١٨٦٣) نسائی (٥٥٩٦) مسند احمد (١٩٠/٦)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الذبائح : باب التسمیة علی الذبیحة (٥٤٩٨) صحیح مسلم : کتاب الاضاحی : باب جواز الذبح بکل ما انھر الدم (١٩٦٨)]

اپنے ثقل کے مار ڈالا ہے اور یہ ثابت ہے کہ تیر جب اپنی چوڑائی سے لگ کر شکار کو مار ڈالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے پس اس پر قیاس کر کے کتے کا یہ شکار بھی حرام ہو گیا کیونکہ دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ اور زور سے شکار کی جان لی ہے۔ اور آیت کا عموم اس کے معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ عموم پر قیاس مقدم ہے۔ جیسا کہ چاروں اماموں اور جمہور کا مذہب ہے۔ یہ مسلک بھی بہت اچھا ہے' دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿فَكُلُوا مِمَّآ أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ یعنی شکاری کتے جس جانور کو روک رکھیں اس کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے' یہ عام نوعیت پر ہے یعنی اسے بھی جسے زخمی کیا ہو اور اس کے سوا کو بھی' لیکن جس صورت پر اس وقت بحث ہے وہ یا تو ٹکر لگا ہوا ہے یا اس کے حکم میں یا گلا گھونٹا ہوا ہے یا اس کے حکم میں' بہرصورت اس آیت کی تقدیم ان وجوہ پر ضرور ہو گی۔ اولاً تو یہ کہ شارع نے اس آیت کا حکم شکار کی حالت میں معتبر مانا ہے۔ کیونکہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگا ہے تو وہ لٹھ مارا ہوا ہے اسے نہ کھاؤ۔ جہاں تک ہمارا علم ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ لٹھ سے اور مار سے مرا ہوا تو شکار کی حالت میں معتبر ہو اور سینگ اور ٹکر لگا ہوا معتبر نہ ہو۔ پس جس صورت میں اس وقت بحث ہو رہی ہے اس جانور کو حلال کہنا اجماع کو توڑنا ہو گا' جسے کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا بلکہ اکثر علماء اسے ممنوع بتاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت ﴿فَكُلُوا مِمَّآ أَمْسَكْنَ﴾ اپنے عموم پر باقی نہیں اور اس پر اجماع ہے' بلکہ آیت سے مراد صرف حلال حیوان ہیں۔ تو اس کے عام الفاظ سے وہ حیوان جن کا کھانا حرام ہے بالاتفاق نکل گئے اور یہ قاعدہ ہے کہ عموم محفوظ عموم غیر محفوظ پر مقدم ہوتا ہے۔ ایک تقریر اسی مسئلہ میں اور بھی گوش گذار کر لیجیے کہ اس طرح کا شکار میتۃ کے حکم میں ہے' پس جس وجہ سے مردار حرام ہے وہی وجہ یہاں بھی ہے کہ یہ بھی اسی قیاس سے حلال نہیں۔ ایک اور وجہ سنیے کہ حرمت کی آیت ﴿حُرِّمَتْ﴾ الخ' بالکل محکم ہے' اس میں کسی طرح نسخ کا دخل نہیں' نہ کوئی تخصیص ہوئی ہے' ٹھیک اسی طرح آیت تحلیل بھی محکم ہی ہونی چاہیے۔ یعنی فرمان باری تعالیٰ ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَآ أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ﴾ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لیے حلال کیا گیا ہے تو کہہ دے کہ تمام طیب چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ جب دونوں آیتیں محکم اور غیر منسوخ ہیں تو یقیناً ان میں تعارض نہ ہونا چاہیے۔ لہٰذا حدیث کو اس کی وضاحت کے لیے سمجھنا چاہیے اور تیر کا واقعہ اسی کی شہادت دیتا ہے' جس میں یہ بیان کیا ہے کہ اس آیت میں یہ صورت واضح طور پر شامل ہے کہ انی اور دھار تیزی کی طرف سے زخم کرے تو جانور حلال ہو گا' کیونکہ وہ طیبات میں آ گیا۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ آیت تحریم میں کون سی صورت شامل ہے۔ یعنی وہ صورت جس میں جانور کی موت تیر کی چوڑائی کی چوٹ سے ہوئی ہے' وہ حرام ہو گیا جسے کھایا نہیں جائے گا۔ اس لیے کہ وہ ((وقیذ)) ہے اور ((وقیذ)) آیت تحریم کا ایک فرد ہے' ٹھیک اسی طرح اگر شکاری کتے نے جانور کو اپنے دباؤ زور بوجھ اور سخت پکڑ کی وجہ سے مار ڈالا ہے تو وہ نطیح ہے یا فطیح یعنی ٹکر اور سینگ لگے ہوئے کے حکم میں ہے اور حلال نہیں' ہاں اگر اسے مجروح کیا ہے تو وہ آیت تحلیل کے حکم میں ہے اور یقیناً حلال ہے۔ اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو کتے کے شکار میں بھی

تفصیل بیان کر دی جاتی اور فرما دیا جاتا کہ اگر وہ جانور کو چیرے پھاڑے' زخمی کرے تو حلال اور اگر زخم نہ لگائے تو حرام۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخمی کیے قتل کرنا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اس کی عادت یہ نہیں بلکہ عادت تو یہ ہے کہ اپنے پنجوں یا کچلیوں سے ہی شکار کو مارے یا دونوں سے' بہت کم کبھی کبھی شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دباؤ اور بوجھ سے شکار کو مار ڈالے' اس لیے اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس کا حکم بیان کیا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب آیت تحریم میں ((مَيْتَةٌ ، مُنْخَنِقَةٌ، مَوْقُوْذَةٌ، مُتَرَدِّيَةٌ ، نَطِيْحَةٌ)) کی حرمت موجود ہے تو اس کے جاننے والے کے سامنے اس قسم کے شکار کا حکم بالکل ظاہر ہے' تیر اور معراض میں اس حکم کو اس لیے الگ بیان کر دیا کہ وہ عموماً خطا کر جاتا ہے بالخصوص اس شخص کے ہاتھ سے جو قادر تیر انداز نہ ہو یا نشانے میں خطا کرتا ہو' اس لیے اس کے دونوں حکم تفصیل وار بیان فرما دیئے۔ واللہ اعلم۔ دیکھئے چونکہ کتے کے شکار میں یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے وہ اپنے کیے ہوئے شکار میں سے کچھ کھا لے' اس لیے یہ حکم صراحت کے ساتھ الگ بیان فرما دیا اور ارشاد ہوا کہ اگر وہ خود کھا لے تو تم اسے نہ کھاؤ' ممکن ہے کہ اس نے خود اپنے لیے ہی شکار کو روکا ہو۔ [1] یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے اور یہ صورت اکثر حضرات کے نزدیک آیت تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا قول ہے کہ جس شکار کو کتا کھا لے اس کا کھانا حلال نہیں۔

حضرت ابوہریرہ' ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی روایت کیا ہے۔ حضرت حسن' شعبی اور نخعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے اور اسی کی طرف ابوحنیفہ' ان کے دونوں اصحاب' احمد بن حنبل اور مشہور روایت میں شافعی بھی گئے ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں علی' سعید' سلمان' ابوہریرہ' ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گو کتے نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہو تاہم اسے کھا لینا جائز ہے' بلکہ حضرت سعید' حضرت سلمان' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ تو فرماتے ہیں گو کتا آدھا حصہ کھا گیا ہو تاہم اس شکار کا کھا لینا جائز ہے۔ امام مالک اور شافعی رحمہ اللہ بھی اپنے قدیم قول میں اسی طرف گئے ہیں اور قول جدید میں دونوں قولوں کی طرف اشارہ کیا ہے' جیسے کہ امام ابومنصور بن صباغ وغیرہ نے کہا ہے۔ ابوداؤد میں قوی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اللہ کا نام تو نے لے لیا ہو تو کھا لے' گو اس نے بھی اس میں سے کھا لیا ہو اور کھا لے اس چیز کو جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹا لائے''۔ [2] نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا' اس نے شکار کو پکڑا اور اس کا کچھ گوشت کھا لیا تو اسے اختیار ہے کہ باقی جانور یہ اپنے کھانے کے کام میں لے۔ [3] اس میں اتنی علت ہے کہ یہ موقوفاً حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے قول سے مروی ہے' جمہور نے عدی والی حدیث کو اس پر مقدم کیا ہے اور ابوثعلبہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف بتایا ہے۔ بعض علماء کرام نے اس

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصید : باب الصید بالكلاب المعلمة والرمي (١٩٢٩)]

[2] [منکر : ابوداؤد : کتاب الضحایا : باب في الصيد (٢٨٥٢)] شیخ البانیؒ نے اسے منکر کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود] تاہم ابن عبدالہادی [نصب الراية (٣١٢/٤)] اور حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (١١٢١٤)]

حدیث کو اس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے' جب کتے نے شکار پکڑا اور دیر تک اپنے مالک کا انتظار کیا' جب وہ نہ آیا تو بھوک وغیرہ کے باعث اس نے کچھ کھا لیا اس صورت میں یہ حکم ہے کہ باقی کا گوشت مالک کھا لے کیونکہ ایسی حالت میں یہ ڈر باقی نہیں رہتا کہ شاید کتا ابھی شکار کا سدھا ہوا نہیں' ممکن ہے اس نے اپنے لیے ہی شکار کیا ہو' بخلاف اس کے کہ کتے نے پکڑتے ہی کھانا شروع کر دیا تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے' کہ اس نے اپنے لیے ہی شکار دبوچا ہے واللہ اعلم۔

اب رہے شکاری پرند تو امام شافعی رحمہ اللہ نے صاف کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں۔ تو اگر یہ شکار میں سے کچھ کھا لیں تو شکار کا کھانا جمہور کے نزدیک تو حرام ہے اور دیگر کے نزدیک حلال ہے' ہاں مزنی رحمہ اللہ کا مختار یہ ہے کہ گو شکاری پرندوں نے شکار کا گوشت کھا لیا ہو تاہم وہ حرام نہیں۔ یہی مذہب ابو حنیفہ اور احمد رحمہ اللہ کا ہے۔ اس لیے کہ پرندوں کو کتوں کی طرح مار پیٹ کر سدھا بھی نہیں سکتے اور وہ تعلیم حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک اسے کھائے نہیں' تو یہاں یہ بات معاف ہے اور اس لیے بھی کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے' پرندوں کے بارے میں نہیں' شیخ ابو علی افصاح میں فرماتے ہیں جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ اس شکار کا کھانا حرام ہے جس میں سے شکاری کتے نے کھا لیا ہو تو جس شکار میں سے شکاری پرند کھا لے اس میں دو وجوہات ہیں۔ لیکن قاضی ابو الطیب نے اس فرع کا اور اس ترتیب کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ان دونوں کو صاف لفظوں میں برابر رکھا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

﴿مُتَرَدِّيَةُ﴾ وہ ہے جو پہاڑی یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو وہ جانور بھی حرام ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ ہیں جو کنویں میں گر پڑے۔ [1]

﴿نَطِيحَةُ﴾ وہ ہے جسے دوسرا جانور سینگ وغیرہ سے ٹکر لگائے اور وہ اس صدمہ سے مر جائے' گو اس سے زخم بھی ہوا ہو اور گو اس سے خون بھی نکلا ہو، بلکہ گو ٹھیک ذبح کرنے کی جگہ ہی لگا ہو اور خون بھی نکلا' یہ لفظ معنی میں مفعول یعنی منطوحہ کے ہے' یہ وزن عموماً کلام عرب میں بغیرت کے آتا ہے جیسے ((عَيْنٌ كَحِيْلٌ" اور "كَفٌّ خَضِيْبٌ)) ان مواقع میں ((كَحِيْلَةٌ)) اور ((خَضِيْبَةٌ)) نہیں کہتے' اس جگہ ت اس لیے لایا گیا ہے کہ یہاں اس لفظ کا استعمال قائم مقام اسم کے ہے' جیسے عرب کا یہ کلام ((طَرِيْقَةٌ طَوِيْلَةٌ)) بعض نحوی کہتے ہیں تاء تانیث یہاں اس لیے لایا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ ہی تانیث پر دلالت ہو جائے بخلاف کحیل اور خضیب کے کہ وہاں تانیث کلام کے ابتدائی لفظ سے معلوم ہوتی ہے۔

﴿مَآ اَكَلَ السَّبُعُ﴾ سے مراد وہ جانور ہے جس پر شیر' بھیڑیا' چیتا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کرے اور اس کا کوئی حصہ کھا جائے اور اس سبب سے وہ مر جائے تو اس جانور کو کھانا بھی حرام ہے' اگرچہ اس سے خون بہا ہو بلکہ اگرچہ ذبح کرنے کی جگہ سے ہی خون نکلا ہو تاہم وہ جانور بالاجماع حرام ہے۔ اہل جاہلیت میں ایسے جانور کا بقیہ کھا لیا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرمایا۔ پھر فرماتا ہے مگر وہ جسے تم ذبح کر لو' یعنی گلا گھونٹا' لٹھ مارا

---

[1] [تفسير ابن جرير الطبرى (٩/٤٩٨)]

ہوا' اوپر سے گر پڑا ہوا' سینگ اور ٹکر لگا ہوا' درندوں کا کھایا ہوا' اگر اس حالت میں تمہیں مل جائے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس پر باقاعدہ اللہ کا نام لے کر چھری پھیر لو تو پھر یہ جانور تمہارے لیے حلال ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن جبیر' حسن اور سدی رحمہم اللہ یہی فرماتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر تم ان کو اس حالت میں پالو کہ چھری پھرتے ہوئے وہ دم رگڑیں یا پیر ہلائیں یا آنکھوں کے ڈھیلے پھرائیں تو بیشک ذبح کر کے کھالو' ابن جریر میں آپ سے مروی ہے کہ جس جانور کو ضرب لگی ہو یا اوپر سے گر پڑا ہو یا ٹکر لگی ہو اور اس میں روح باقی ہو اور تمہیں وہ ہاتھ پیر رگڑتا مل جائے تو تم اسے ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ حضرت طاؤس' حسن' قتادہ' عبید بن عمیر' ضحاک اور بہت سے حضرات سے مروی ہے کہ بوقت ذبح اگر کوئی حرکت بھی اس جانور کی ایسی ظاہر ہو جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس میں حیات ہے تو وہ حلال ہے۔ [1] جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے' امام مالک اس بکری کے بارے میں جسے بھیڑیا پھاڑ ڈالے اور اس کی آنتیں نکل آئیں فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے اس میں سے کس چیز کا ذبیحہ ہوگا؟ ایک مرتبہ آپ سے سوال ہوا کہ درندہ اگر حملہ کر کے بکری کی پیٹھ توڑ دے تو کیا اس بکری کو جان نکلنے سے پہلے ذبح کر سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اگر بالکل آخر تک پہنچ گیا ہے تو میری رائے میں نہ کھانی چاہیے اور اگر اطراف میں ہی ہے تو کوئی حرج نہیں' سائل نے کہا درندے نے اس پر حملہ کیا اور کود کر اسے پکڑ لیا' جس سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اس کا کھانا پسند نہیں کیونکہ اتنی زبردست چوٹ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتی' آپ سے پھر پوچھا گیا کہ اچھا اگر پیٹ پھاڑ ڈالا اور آنتیں نہیں نکلیں تو کیا حکم ہے' فرمایا میں تو یہی رائے رکھتا ہوں کہ نہ کھائی جائے۔ یہ ہے امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب لیکن چونکہ آیت عام ہے اس لیے امام صاحب نے جن صورتوں کو مخصوص کیا ہے ان پر کوئی خاص دلیل چاہیے' واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کل دشمن سے لڑائی میں باہم ٹکرانے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں کیا ہم بانس سے ذبح کر لیں''۔ آپ نے فرمایا ''جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے' اسے کھالو' سوائے دانت اور ناخن کے' یہ اس لیے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں''۔ [2] مسند احمد اور سنن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''ذبیحہ صرف حلق اور نرخرے میں ہی ہوتا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''اگر تو نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے'' [3] یہ حدیث

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۹/۵۰۲)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الذبائح: باب التسمیة علی الذبیحة و من ترك متعمدا (۵۴۹۸) صحیح مسلم: کتاب الاضاحی: باب جواز الذبح بکل ما انهر الدم الا السن (۱۹۶۸)]

[3] [منکر وضعیف: ابوداؤد: کتاب الاضاحی: باب ماجاء فی ذبیحة المتردیة (۲۸۲۵) نسائی: کتاب الضحایا: باب ذکر المتردیة (۴۴۱۳) ابن ماجه: کتاب الذبائح: باب ذکاة الناد من البهائم (۳۱۸۴) ترمذی: کتاب الاطعمة: باب ماجاء فی الذکاة فی الحلق واللبة (۱۴۸۱) مسند احمد (۴/۴۳۴)] شیخ البانیؒ نے اسے منکر وضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود، ارواء الغلیل (۲۵۳۵)]

ہے تو سہی لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ صحیح طور پر ذبح کرنے پر قادر نہ ہوں۔ **نُصُب** پر جو جانور ذبح کیے جائیں وہ بھی حرام ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ پرستش گاہیں کعبہ کے اردگرد تھیں[1] ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''یہ تین سو ساٹھ بت تھے' جاہلیت کے عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے اور ان میں سے جو بیت اللہ کے بالکل متصل تھا' اس پر ان جانوروں کا خون چھڑکتے تھے اور گوشت ان بتوں پر بطور چڑھاوا چڑھاتے تھے'' [2] پس اللہ تعالیٰ نے یہ کام مومنوں پر حرام کیا اور ان جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا۔ اگرچہ ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ بھی کہی گئی ہو کیونکہ یہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک نے اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے' اور یہی لائق ہے' اس جملہ کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان کی حرمت بیان ہو چکی ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر چڑھائے جائیں۔

﴿اَزْلَام﴾ سے تقسیم کرنا جو حرام ہے' وہ وہ ہے جو جاہلیت کے عرب میں دستور تھا کہ انہوں نے تین تیر رکھ چھوڑے تھے' ایک پر لکھا ہوا تھا ((افعل)) یعنی کر' دوسرے پر لکھا ہوا تھا ((لا تفعل)) یعنی نہ کر' تیسرا خالی تھا۔ بعض کہتے ہیں ایک پر لکھا تھا مجھے میرے رب کا حکم ہے' دوسرے پر لکھا تھا مجھے میرے رب کی ممانعت ہے' تیسرا خالی تھا اس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ تھا۔ وہ لوگ بطور قرعہ اندازی کے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں جب انہیں تردد ہوتا تو ان تیروں کو نکالتے' اگر حکم ''کر'' کا تیر نکلا تو اس کام کو کرتے اگر ممانعت کا تیر نکلا تو باز آ جاتے اگر خالی تیر نکلا تو پھر نئے سرے سے قرعہ اندازی کرتے' ازلام جمع ہے زُلم کی اور بعض زَلَم بھی کہتے ہیں۔ استقسام کے معنی ان تیروں سے تقسیم کی طلب ہے' قریشیوں کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر کے کنوئیں پر نصب تھا' جس کنویں میں کعبہ کے ہدیے اور مال جمع رہا کرتے تھے' اس بت کے پاس سات تیر تھے' جن پر کچھ لکھا ہوا تھا' جس کام میں اختلاف پڑتا یہ قریشی یہاں آ کر ان تیروں میں سے کسی تیر کو نکالتے اور اس پر جو لکھا پاتے اسی کے مطابق عمل کرتے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مجسمے گڑے ہوئے پائے' جن کے ہاتھوں میں تیر تھے تو آپ نے فرمایا اللہ انہیں غارت کرے' انہیں خوب معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں لی۔ [3]

صحیح حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک بن جعشم جب نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈنے کے لیے نکلا کہ انہیں پکڑ کر کفار مکہ کے سپرد کرے اور آپ اس وقت ہجرت کر کے مکہ سے مدینے کو جا رہے تھے تو اس نے اسی طرح قرعہ اندازی کی اس کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ وہ تیر نکلا جو میری مرضی کے خلاف تھا میں نے پھر تیروں کو ملا جلا کر تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا کہ تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا' میں نے پھر نہ مانا تیسری مرتبہ فال لینے کے لیے تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی تیر نکلا لیکن میں ہمت کر کے ان کا کوئی لحاظ نہ کر کے انعام حاصل

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۰۸/۹)] [2] [ایضا]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب من کبر فی نواحی الکعبة (۱۶۰۱) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب الصلاة الکعبة (۲۰۲۷) مسند احمد (۳۳۴/۱)]

کرنے اور سرخرو ہونے کے لیے آپ کی طلب میں نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا' یہ حضور ﷺ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور پھر بعد میں اسے اللہ نے اسلام سے مشرف فرمایا۔ [1] ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''وہ شخص جنت کے بلند درجوں کو نہیں پا سکتا جو کہانت کرے' یا تیر اندازی کرے یا کسی بدفالی کی وجہ سے سفر سے لوٹ آئے''۔ [2] حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب ان تیروں کے ذریعہ اور فارسی اور رومی پانسوں کے ذریعہ جوا کھیلا کرتے تھے جو مسلمانوں پر حرام کیا جاتا ہے۔ [3] ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق ہم یوں کہیں کہ تھے تو یہ تیر استخارے کے لیے مگر ان سے جوا بھی گاہے بگاہے کھیل لیا کرتے۔ واللہ اعلم۔ اسی سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جوئے کو بھی حرام کیا ہے۔ اور فرمایا ہے ''ایمان والو! شراب' جوا' بت اور تیر نجس اور شیطانی کام ہیں' تم ان سے الگ رہو تا کہ تمہیں نجات ملے شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ ان کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت و بغض ڈال دے'' الخ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ تیروں سے تقسیم طلب کرنا حرام ہے' اس کام کا کرنا فسق' گمراہی' جہالت اور شرک ہے۔ اس کے بجائے مومنوں کو حکم ہوا کہ جب تمہیں اپنے کسی کام میں تردد ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لو اس کی عبادت کر کے اس سے بھلائی طلب کرو۔ مسند احمد۔

بخاری اور سنن میں مروی ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ہمیں رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے' اسی طرح ہمارے کاموں میں استخارہ کرنا بھی تعلیم فرماتے تھے' آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام آ پڑے تو اسے چاہیے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر یہ دعا پڑھے ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ﴾ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے بڑے فضل کا طالب ہوں' یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور میں محض مجبور ہوں' تو تمام تر علم والا ہے اور میں مطلق بے علم ہوں' تو ہی ہے جو تمام غیب کو بخوبی جاننے والا ہے' اے میرے اللہ اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے دین و دنیا میں آغاز و انجام کے اعتبار سے بہتر ہی بہتر ہے تو تو اسے میرے لیے مقدر کر دے اور اسے میرے لیے آسان بھی کر دے اور اس میں مجھے ہر طرح کی برکتیں عطا فرما اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے دین' دنیا زندگی اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لیے خیر و برکت

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب مناقب الانصار : باب هجرة النبی واصحاب الی المدینة (۳۹۰٦) مسند احمد (۱۷۵/٤)]

[2] [حسن بالشواهد : مجمع الزوائد (۱۱۸/۵)] [3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۱۲/۹)]

جہاں کہیں ہو مقرر کر دے پھر مجھے اسی سے راضی ورضا مند کر دے۔ دعا کے یہ الفاظ مسند احمد میں ہیں۔ [1] ﴿هٰذَا الْاَمْرَ﴾ جہاں ہے وہاں اپنے کام کا نام لے مثلاً نکاح ہو تو ﴿هٰذَا النِّكَاحَ﴾ سفر میں ہو تو ﴿هٰذَا السَّفَرَ﴾ بیو پار میں ہو تو ﴿هٰذَا التِّجَارَةَ﴾ وغیرہ۔ بعض روایتوں میں ﴿خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ﴾ سے ﴿اَمْرِيْ﴾ تک کے بجائے یہ الفاظ ہیں ﴿خَيْرٌ لِّيْ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ﴾ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے' یعنی ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ خلط ملط کر سکیں۔ یعنی اپنے دین کو تمہارے دین میں شامل کر لیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں' ہاں وہ اس کوشش میں رہے گا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکاتا رہے''۔ [2] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مشرکین مکہ اس سے مایوس ہو گئے کہ مسلمانوں سے مل جل کر رہیں' کیونکہ احکام اسلام نے ان دونوں جماعتوں میں بہت کچھ تفاوت ڈال دیا' اسی لیے حکم ربانی ہو رہا ہے کہ مومن صبر کریں' ثابت قدم رہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہ ڈریں' کفار کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کریں' اللہ ان کی مدد کرے گا اور انہیں اپنے مخالفین پر غلبہ دے گا اور ان کے ضرر سے ان کی محافظت کرے گا اور دنیا و آخرت میں انہیں بلند و بالا رکھے گا۔ پھر اپنی زبردست بہترین اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ ''میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل و مکمل کر دیا' تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی احتیاج نہیں' نہ اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی نبی کی تمہیں حاجت ہے' اللہ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء کیا ہے' انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے' حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہیں' حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہیں' دین وہی ہے جسے یہ مقرر کریں' ان کی تمام باتیں حق و صداقت والی' جن میں کسی طرح کا جھوٹ اور تضاد نہیں''۔ جیسے فرمان باری ہے ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ [3] یعنی تیرے رب کا کلمہ پورا ہوا' جو خبریں دینے میں سچا ہے اور حکم و منع میں عدل والا ہے۔

دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو بھرپور کرنا ہے چونکہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر خوش ہوں' اس لیے تم بھی اسی پر راضی رہو' یہی دین اللہ کا پسندیدہ ہے' اسی کو دے کر اس نے اپنے افضل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے اور اپنی

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری: کتاب التہجد : باب ماجآء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ (۱۱۶۲) و کتاب الدعوات (٦٣٨٢) نسائی : کتاب النکاح : باب کیف الاستخارۃ (٣٢٥٥) ابن ماجہ : کتاب اقامۃ الصلاۃ : باب ماجآء فی صلاۃ الاستخارۃ (١٣٨٣) ابوداؤد : کتاب الوتر : باب الاستخارۃ (١٥٣٨) ترمذی : کتاب الصلاۃ : باب ماجآء فی صلاۃ الاستخارۃ (٤٨٠) مسند احمد (٣٤٤/٣)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب تحریش الشیطان و بعثه سرایاه (٢٨١٢) ترمذی : کتاب البر والصلة : باب ماجآء فی التباغض (١٩٣٧) مسند احمد (٣١٣/٣)]

[3] [سورہ الانعام: آیت ١١٥]

اشرف کتاب نازل فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کامل و مکمل کر دیا ہے اور اپنے نبی اور مومنوں کو اس کا کامل ہونا خود اپنے کلام میں فرما چکا ہے اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں، اسے اللہ نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہوگا۔ اس سے اللہ خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا۔ حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی' اس کے بعد حلال وحرام کا کوئی حکم نہیں اترا' اس حج سے لوٹ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ''اس آخری حج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی تھی' ہم جا رہے تھے اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تجلی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر جھک پڑے وحی اترنی شروع ہوئی' اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ میں نے اسی وقت اپنی چادر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اڑھا دی''۔ [1] ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں اس کے بعد اکیاسی دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے' [2] حج اکبر والے دن جبکہ یہ آیت اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ ہم دین کی تعمیل میں کچھ زیادہ ہی تھے' اب وہ کامل ہو گیا اور دستور یہ ہے کہ کمال کے بعد نقصان شروع ہو جاتا ہے' آپ نے فرمایا سچ ہے' [3] اسی معنی کی شہادت اس ثابت شدہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اسلام غربت اور انجان پن سے شروع ہوا اور عنقریب پھر غریب انجان ہو جائے گا' پس غرباء کے لیے خوشخبری ہے۔ [4] مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا تم جو اس آیت ﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ﴾ الخ کو پڑھتے ہو اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ مجھے علم ہے کہ یہ آیت کس وقت اور کس دن نازل ہوئی' عرفے کے دن جمعہ کی شام کو نازل ہوئی ہے' ہم سب اس وقت میدان عرفہ میں تھے' [5] تمام سیرت والے اس بات پر متفق ہیں کہ حجۃ الوداع والے سال عرفے کا دن جمعہ کو تھا' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت ہمارے ہاں دوہری عید کے دن نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر بھی یہودیوں نے یہی کہا تھا جس پر آپ نے فرمایا ہمارے ہاں تو یہ آیت دوہری عید کے دن اتری ہے' عید کا دن بھی تھا اور جمعہ کا دن بھی۔ [6] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ

---

① [مرسل وضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۰۸۵)]

② [مرسل وضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۰۸٦)]

③ [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۰۸۷)]

④ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان ان الاسلام بدأ غریباً (۱٤٥، ۱٤٦) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب بدأ الاسلام غریباً (۳۹۸٦) مسند احمد (۳۸۹/۲)]

⑤ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الایمان : باب زیادة الایمان و نقصانه (٤٥) صحیح مسلم : کتاب التفسیر : باب آیات متفرقة (۳۰۱۷)]

⑥ [صحیح : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۱۰٤) ترمذی (۳۰٤٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی (۲٤۳۸)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

آیت عرفہ کے دن شام کو اتری ہے'[1] حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے منبر پر اس پوری آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جمعہ کے دن عرفے کو یہ اتری ہے۔[2] حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم موقف میں کھڑے ہوئے تھے'[3] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر والے دن پیدا ہوئے' پیر والے دن ہی مکہ سے نکلے اور پیر والے دن ہی مدینے میں تشریف لائے'[4] یہ اثر غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر والے دن پیدا ہوئے' پیر والے دن نبی بنائے گئے' پیر والے دن ہجرت کے ارادے سے نکلے' پیر کے روز ہی مدینے پہنچے اور پیر کے دن ہی فوت کیے گئے' حجر اسود بھی پیر کے دن واقع ہوا'[5] اس میں سورۂ مائدہ کا پیر کے دن اترنا مذکور نہیں' میرا خیال یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہو گا دو عیدوں کے دن یہ آیت اتری تو دو کے لیے بھی لفظ اثنین ہے' اور پیر کے دن کو بھی اثنین کہتے ہیں اس لیے راوی کو شبہ سا ہو گیا واللہ اعلم۔ دو قول اس میں اور بھی مروی ہیں ایک تو یہ کہ یہ دن لوگوں کو نا معلوم ہے دوسرا یہ کہ یہ آیت غدیر خم کے دن نازل ہوئی ہے جس دن کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا تھا کہ جس کا مولیٰ میں ہوں' اس کا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ہے[6] گویا ذی الحجہ کی اٹھارہویں تاریخ ہوئی'[7] جبکہ آپ حجۃ الوداع سے واپس لوٹ رہے تھے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں قول صحیح نہیں۔ بالکل صحیح اور بے شک وشبہ قول یہی ہے کہ یہ آیت عرفے کے دن جمعہ کو اتری ہے' امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب اور امیر المومنین علی بن ابو طالب اور اسلام کے پہلے بادشاہ حضرت امیر معاویہ بن ابو سفیان اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے اور اسی کو حضرت شعبی' حضرت قتادہ' حضرت شہر وغیرہ ائمہ اور علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے' یہی مختار قول ابن جریر اور طبری رحمہ اللہ کا ہے۔

پھر فرماتا ہے ''جو شخص ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کی طرف مجبور و بے بس ہو جائے تو وہ ایسے اضطرار کی حالت میں انہیں کام لا سکتا ہے۔ اللہ غفور و رحیم ہے' وہ جانتا ہے کہ اس بندے نے اس کی حد نہیں

---

[1] [ضعیف: الدر المنثور للسیوطی (۲/۴۵۷)] اس کی سند میں عبدالحمید حمانی راوی ضعیف ہے۔ [تہذیب التہذیب (۴۵۰) التاریخ الکبیر للبخاری (۳/۸۴۶)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۱۱۲) طبرانی کبیر (۱۹/۳۹۲)]

[3] [ضعیف: طبرانی کبیر (۶۹۱۶) مسند بزار (۲۲۰۷)] اس کی سند میں عمر بن موسیٰ راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (۷/۱٤)]

[4] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۱۱۳) طبرانی کبیر (۱۲/۲۳۷)] اس کی سند میں ابن لھیعہ راوی ضعیف ہے۔]

[5] [ضعیف: مسند احمد (۱/۲۷۷)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الموسوعۃ الحدیثیۃ (۲۵۰۶)]

[6] [ضعیف: الدر المنثور للسیوطی (۲/۴۵۷)] اس کی سند میں ابو ہارون راوی ضعیف ہے۔ اگر چہ اس کی سند مذکورہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے مگر اس کا متن ثابت ہے۔ [دیکھئے: السلسلۃ الصحیحۃ (۱۷۵۰)]

[7] [ضعیف: خطیب فی تاریخہ (۸/۲۹۰) الدر المنثور للسیوطی (۲/۴۵۷) مسند ابو یعلی (۱۱/۳۰۷)] اس کی سند میں مطر بن طہمان ضعیف اور شہر بن حوشب مدلس ہے۔]

توڑی لیکن بے بسی اور اضطرار کے موقعہ پر اس نے یہ کیا ہے تو اللہ اسے معاف فرما دے گا۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا ایسا بھاتا ہے جیسے اپنی نافرمانی سے رک جانا۔ [1] مسند احمد میں ہے جو شخص اللہ کی دی ہوئی رخصت نہ قبول کرے، اس پر عرفات کے پہاڑ برابر گناہ ہے، [2] اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ بعض صورتوں میں مردار کا کھانا واجب ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک شخص کی بھوک کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب مردار چاہتا ہے اور کبھی جائز ہو جاتا ہے اور کبھی مباح، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بھوک کے وقت جب کہ حلال چیز میسر نہ ہو تو حرام صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے کہ جان بچ جائے یا پیٹ بھر سکتا ہے بلکہ ساتھ بھی رکھ سکتا ہے، اس کے تفصیلی بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں۔ اس مسئلہ میں جب بھوکا شخص جس کے اوپر اضطرار کی حالت ہے، مردار اور دوسرے کا کھانا اور حالت احرام میں تینوں چیزیں موجود پائے تو کیا وہ مردار کھالے؟ یا حالت احرام میں ہونے کے باوجود شکار کرلے اور اپنی آسانی کی حالت میں اس کی جزا یعنی فدیہ ادا کردے یا دوسرے کی چیز بلا اجازت کھالے اور اپنی آسانی کے وقت اسے وہ واپس کردے؛ اس میں دو قول ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں مروی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مردار کھانے کی یہ شرط جو عوام میں مشہور ہے کہ جب تین دن کا فاقہ ہو جائے تو حلال ہوتا یہ بالکل غلط ہے بلکہ جب اضطرار، بے قراری اور مجبوری کی حالت میں ہو اس کے لئے مردار کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم ایسی جگہ رہتے ہیں کہ آئے دن ہمیں فقر و فاقہ کی نوبت آجاتی ہے تو ہمارے لئے مردار کا کھالینا کیا جائز ہوتا ہے؟" آپ نے فرمایا "جب صبح شام نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے تو تمہیں اختیار ہے"۔ [3] اس حدیث کی ایک سند میں ارسال بھی ہے، لیکن مسند والی مرفوع حدیث کی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے۔ ابن عون فرماتے ہیں حضرت حسن رحمہ اللہ کے پاس حضرت سمرہ کی کتاب تھی، جسے میں ان کے سامنے پڑھتا تھا' اس میں یہ بھی تھا کہ صبح شام نہ ملنا اضطرار ہے' [4] ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ 'حرام کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟" آپ نے فرمایا "جب تک کہ تو

---

[1] [صحیح : صحیح ابن حبان (۲۷۴۲) مسند احمد (۱۰۸/۲) مسند شهاب قضاعی (۱۰۷۸) مسند بزار (۹۸۸) تاریخ بغداد (۳۴۷/۱۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (۱۸۸۶) صحیح الترغیب (۱۰۵۹) ارواء الغلیل (۵٦٤)] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (٥٨٦٦)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف : مسند احمد (۷۱/۲)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ابن لہیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (۵۳۹۲)] شیخ البانیؒ اس روایت کو منکر کہتے ہیں۔[السلسلة الضعیفة (۱۹۴۹)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [حسن بالشواهد : مسند احمد (۲۱۸/۵) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۱۲۸)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ طرق وشواہد کی بنا پر یہ روایت حسن ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (۲۱۸۹۸)]

[4] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۱۳۲-۱۱۱۳۳)]

اپنے بچوں کو دودھ سے شکم سیر نہ کر سکے اور جب تک کہ ان کا سامان نہ آ جائے''۔ [1] ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے حلال حرام کا سوال کیا' آپ نے جواب دیا کہ ''کل پاکیزہ چیزیں حلال اور کل خبیث چیزیں حرام ہاں جب کہ انکی طرف محتاج ہو جائے تو انہیں کھا سکتا ہے جب تک کہ ان سے غنی نہ ہو جائے''۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ ''وہ محتاجی کون سی جس میں میرے لیے وہ حرام چیز حلال ہو جائے اور وہ غنی ہونا کون سا جس میں مجھے اس سے رک جانا چاہیے'' فرمایا ''جبکہ تو صرف رات کو اپنے بال بچوں کو دودھ سے آسودہ کر سکتا ہو تو تو حرام چیز سے پرہیز کر''۔ [2] ابوداؤد میں ہے حضرت نجیع عامری رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ ''ہمارے لیے مردار کا کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''تمہیں کھانے کو کیا ملتا ہے؟'' اس نے کہا ''صبح کو صرف ایک پیالہ دودھ اور شام کو بھی صرف ایک پیالہ دودھ'' آپ نے کہا ''یہی ہے اور کون سی بھوک ہوگی؟'' [3] پس اس حالت میں آپ نے انہیں مردار کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ کا انہیں ناکافی تھا' بھوک باقی رہتی تھی' اس لیے ان پر مردہ حلال کر دیا گیا' تاکہ وہ پیٹ بھر لیا کریں' اسی کو دلیل بنا کر بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اضطرار کے وقت مردار کو پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے' صرف جان بچ جائے اتنا ہی کھانا جائز ہو یہ حد ٹھیک نہیں واللہ اعلم۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مع اہل وعیال کے آیا اور حرہ میں ٹھہرا' کسی صاحب کی اونٹنی گم ہو گئی تھی' اس نے ان سے کہا اگر میری اونٹنی تمہیں مل جائے تو اسے پکڑ لینا۔ اتفاق سے یہ اونٹنی انہیں مل گئی' اب یہ اس کے مالک کو تلاش کرنے لگے لیکن وہ نہ ملا اور اونٹنی بیمار پڑ گئی تو اس شخص کی بیوی صاحبہ نے کہا کہ ہم بھوکے رہا کرتے ہیں' تم اسے ذبح کر ڈالو لیکن اس نے انکار کر دیا' آخر اونٹنی مر گئی تو پھر بیوی صاحبہ نے کہا' اب اس کی کھال کھینچ لو اور اس کے گوشت اور چربی کو ٹکڑے کر کے سکھا لو' ہم بھوکوں کو کام آ جائے گا' اس بزرگ نے جواب دیا' میں تو یہ بھی نہیں کروں گا' ہاں اگر اللہ کے نبی ﷺ اجازت دے دیں تو اور بات ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے تمام قصہ بیان کیا آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس اور کچھ کھانے کو ہے جو تمہیں کافی ہو؟ جواب دیا کہ نہیں آپ نے فرمایا پھر تم کھا سکتے ہو۔ اس کے بعد اونٹنی والے سے ملاقات ہوئی اور جب اسے یہ علم ہوا تو اس نے کہا پھر تم نے اسے ذبح کر کے کھا کیوں نہ لیا؟ اس بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ شرم معلوم ہوئی۔ [4] یہ حدیث

---

[1] [مرسل وضعیف: طبرانی کبیر (۱۱۱۲۹۔۱۱۱۳۰)]

[2] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۱۳۱)] اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔]

[3] [ضعیف: ابوداؤد: کتاب الاطعمة: باب فی المضطر الی المیتة (۳۸۱۷) بیہقی (۳۵۷/۹) ابن ابی شیبة (۶۰۹) بخاری فی التاریخ الکبیر (۱۳۷/۷) ابن ابی عاصم فی الآحاد والمثانی (۱۷۲/۳)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود (۸۲۲)]

[4] [حسن: ابوداؤد: کتاب الاطعمة: باب فی من اضطر الی المیتة (۳۸۱۶) بیہقی فی السنن الکبری (۳۵۶/۹) عبد اللہ بن احمد فی زوائد المسند (۹۶/۵)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ابوداود (۳۲۳۴)] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ بوقت اضطرار مردار کا پیٹ بھر کر کھانا بلکہ اپنی حاجت کے مطابق اپنے پاس رکھ لینا بھی جائز ہے واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوا ہے کہ یہ حرام بوقت اضطرار اس کے لیے مباح ہے جو کسی گناہ کی طرف میلان نہ رکھتا ہو اس کے لیے اسے مباح کر کے دوسرے سے خاموشی ہے۔ جیسے سورۂ بقرہ میں ہے: ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [1] یعنی جو شخص بے قرار کیا جائے سوائے باغی اور حد سے گذرنے والے کے پس اس پر کوئی گناہ نہیں' اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی کسی نافرمانی کے لیے سفر کر رہا ہے' اسے شریعت کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں' اس لیے کہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۚ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④

تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لیے کچھ حلال ہے؟ تو کہہ دے کہ تمام پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں اور جن حاصل کرنے والے شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھا رکھا ہو کہ تم انہیں تھوڑا بہت وہ سکھاؤ جس کی تعلیم اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے۔ پس وہ شکار کو تمہارے لیے پکڑ کر روک رکھیں تم اسے کھا لو اور اس پر اللہ کا نام ذکر کر لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو' یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○

شکاری جانوروں کے ذریعے شکار: چونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے والی خبیث چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا خواہ نقصان جسمانی ہو یا دینی یا دونوں' پھر ضرورت کی حالت کے احکامات مخصوص کرائے گئے جیسے فرمان ہے ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ [2] یعنی تمام حرام جانوروں کا بیان تفصیل سے تمہارے سامنے آ چکا ہے یہ اور بات ہے کہ تم حالات کی بنا پر بے بس اور بے قرار ہو جاؤ۔ تو اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال چیزوں کے دریافت کرنے والوں سے کہہ دیجیے کہ تمام پاک چیزیں تم پر حلال ہیں' سورۂ اعراف میں آنحضرت ﷺ کی یہ صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اور زید بن مہلہل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ مردہ جانور تو حرام ہو چکا اب حلال کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری۔ [3] حضرت سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ذبح کیے ہوئے جانور طیب ہیں۔ مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ دوا کے طور پر پیشاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کا بیچنا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے

---

[1] [سورۃ البقرہ : آیت ۱۷۳]　　[2] [سورہ الانعام: آیت ۱۱۹]

[3] [ضعیف : اس کی سند میں ابن لھیعہ ضعیف ہے۔]

ہیں فرمایا وہ طیبات میں داخل نہیں اور تمہارے لیے شکاری جانوروں کے ذریعہ کھیلا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے مثلاً سدھے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ یہی مذہب ہے جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین ائمہ رحمہم اللہ وغیرہ کا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شکاری سدھے ہوئے کتے' باز' چیتے' شکرے وغیرہ ہر وہ پرندہ جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جاسکتا ہو اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی مروی ہے [1] کہ پھاڑنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کرلے' ان کے ذریعے شکار کھیلنا حلال ہے' لیکن حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ کہا ہے اور دلیل میں ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ﴾ پڑھا ہے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ ضحاک اور سدی کا بھی یہی قول ابن جریر میں مروی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں باز وغیرہ پرند جو شکار پکڑیں اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو ذبح کر کے کھالو ورنہ نہ کھاؤ' لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعہ جو شکار ہو' اس کا اور شکاری کتوں کے کیے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے' اس لیے کہ وہ بھی اپنے پنجوں کے ذریعہ کتے کی طرح شکار کھیلتا ہے۔ پھر ان میں تفریق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ چاروں اماموں وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے کیے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا ''جس جانور کو وہ تیرے لئے روک رکھے تو اسے کھالے'' [2] امام احمد رحمہ اللہ نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کرلیا ہے' اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے' کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''نماز کو تین چیزیں توڑ دیتی ہیں' گدھا' عورت اور سیاہ کتا۔ اس پر حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ کتے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا ''وہ شیطان ہے''۔ [3]

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا پھر فرمایا انہیں کتوں سے کیا واسطہ؟ ان کتوں میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو۔ [4] شکاری حیوانات کو جوارح اس لیے کہا گیا کہ جرح کہتے ہیں کسب

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥٤٨/٩) بیهقی فی السنن الکبری (٢٣٥/٩) الدر المنثور (٤٦٠/٢)]

[2] [**ضعیف ومنکر** : ترمذی : کتاب الصید : باب ماجآء فی صید البزاة (١٤٦٧) بیهقی (٢٣٨/٩) تفسیر ابن جریر الطبری (٥٥٠/٩)] شیخ البانیؒ نے اسے منکر کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (٥١١٣)] اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ہے۔]

[3] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب الصلاۃ : باب قدر مایستر المصلی (٥١٠) ترمذی : کتاب الصلاۃ : باب ماجآء انه لا یقطع الصلاۃ (٣٣٨) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلاۃ : باب مایقطع الصلاۃ (٩٥٧) ابوداؤد : کتاب الصلاۃ : باب مایقطع الصلاۃ (٧٠٢)]

[4] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب المساقاۃ : باب الامر بقتل الکلاب وبیان نسخه (١٥٧٣) و کتاب الطهارة (٢٨٠) ابن ماجه : کتاب الصید : باب قتل الکلاب الا کلب صیدا (٣٢٠٠) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب الوضوء بسور الکلب (٧٤) مسند احمد (٨٦/٤)]

اور کمائی کو جیسے عرب کہتے ہیں ((فُلَانٌ جَرَحَ اَهْلَهٗ خَيْرًا)) یعنی فلاں شخص نے اپنی اہل کے لیے بھلائی حاصل کر لی اور عرب کہتے ہیں ((فُلَانٌ لَا جَارِحَ لَهٗ)) فلاں شخص کا کوئی کماؤ نہیں' قرآن میں بھی لفظ جَرْحٌ کسب اور کمائی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے فرمان ہے ﴿ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ﴾ [1] یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو اور اسے بھی اللہ جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے اترنے کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کیے جانے لگے تو لوگوں نے آکر آپ سے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ جس امت کے قتل کا حکم آپ نے دیا ہے ان سے ہمارے لیے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپ خاموش رہے اس پر یہ آیت اتری۔ پس آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے اور بسم اللہ بھی کہے پھر وہ شکار پکڑ لے اور روک رکھے تو جب تک وہ نہ کھائے یہ کھا لے۔ [2] ابن جریر میں ہے "جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے اندر آنے کی اجازت چاہی' آپ نے اجازت دی لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے تو آپ نے فرمایا اے قاصد رب ہم تو تمہیں اجازت دے چکے پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا! ہم اس گھر میں نہیں جاتے' جس میں کتا ہو' اس پر آپ نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مدینے کے کل کتے مار ڈالے جائیں' ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں گیا اور سب کتوں کو قتل کرنے لگا' ایک بڑھیا کے پاس کتا تھا' جو اس کے دامن میں لپٹنے لگا اور بطور فریاد اس کے سامنے بھونکنے لگا' مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور آکر حضور ﷺ کو خبر دی آپ نے حکم دیا کہ اسے بھی باقی نہ چھوڑو' پھر واپس گیا اور اسے بھی قتل کر دیا' اب لوگوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے' ان سے کوئی فائدہ ہمارے لیے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت ﴿ يَسْئَلُونَكَ ﴾ الخ نازل ہوئی۔ [3] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینے کے کتوں کو قتل کر کے پھر ابو رافع رضی اللہ عنہ آس پاس کی بستیوں میں پہنچے اور مسئلہ دریافت کرنے والوں کے نام بھی اس میں ہیں یعنی حضرت عاصم بن عدی حضرت سعد بن خیثمہ حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم [4] محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا شان نزول کتوں کا قتل ہے ((مُكَلِّبِيْنَ)) کا لفظ ممکن ہے کہ ((عَلَّمْتُمْ)) کی ضمیر یعنی فاعل کا حال ہو اور ممکن ہے کہ جَوَارِح یعنی مفعول کا حال ہو۔ یعنی جن شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھایا ہو اور حالانکہ وہ شکار کو اپنے پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرتے ہوں' اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ شکاری جانور جب شکار کو اپنے صدمے سے ہی دبوچ کر مار ڈالے تو وہ حلال نہ ہو گا جیسے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دونوں قولوں میں سے ایک قول ہے اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے۔ اسی لیے فرمایا تم نے انہیں اس میں سے کچھ سکھا دیا ہو جو اللہ نے تمہیں سکھا رکھا ہے۔ یعنی جب تم چھوڑو تو جائے' جب تم روک لو رک جائے اور شکار پکڑ کر تمہارے لیے روک رکھے۔

---

[1] [سورہ الانعام: آیت ٦٠]

[2] [ضعیف : مستدرك حاكم (٣١١/٢)] اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف : مستدرك الحاكم (٣١١/٢)] اس کی سند میں بھی موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔]

[4] [مرسل: تفسیر ابن جریر الطبری (١١١٣٨)]

تا کہ تم جا کر اسے لے لو' اس نے خود اپنے لیے اسے شکار نہ کیا ہو' اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جب شکاری جانور سدھا ہوا ہو اور اس نے اپنے چھوڑنے والے کے لیے شکار کیا ہو اور اس نے بھی اس کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لیا ہو تو وہ شکار مسلمانوں کے لیے حلال ہے گو وہ شکار مر بھی گیا ہو' اس پر اجماع ہے۔ اس آیت کے مسئلہ کے مطابق ہی بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ کے نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں تو آپ نے فرمایا جس جانور کو وہ پکڑ رکھے تو اسے کھا لے اگر چہ کتے نے اسے مار بھی ڈالا ہو' ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے ساتھ شکار کرنے میں دوسرا کتا نہ ملا ہو اس لیے کہ تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہے دوسرے کو بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر نہیں چھوڑا میں نے کہا میں نوکدار لکڑی سے شکار کھیلتا ہوں فرمایا اگر وہ اپنی تیزی کی طرف سے زخمی کرے تو کھا لے اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہو تو نہ کھا کیونکہ وہ لٹھ مارا ہوا ہے' [1] دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام پڑھ لیا کر پھر وہ شکار کو تیرے لیے پکڑ رکھے اور تیرے پہنچ جانے پر شکار زندہ مل جائے تو تو اسے ذبح کر ڈالے اور اگر کتے نے ہی اسے مار ڈالا ہو اور اس میں سے کھایا نہ ہو تو تو اسے بھی کھا سکتا ہے اس لیے کہ کتے کا اسے شکار کر لینا ہی اس کا ذبیحہ ہے۔ [2] اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ''اگر اس نے کھا لیا ہو تو پھر اسے نہ کھا' مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے کھانے کے شکار نہ پکڑا ہو؟'' [3] یہی دلیل جمہور کی ہے اور حقیقتاً امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح مذہب بھی یہی ہے کہ جب کتا شکار کو کھا لے تو وہ مطلق حرام ہو جاتا ہے اس میں کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ہاں سلف کی ایک جماعت کا یہ قول بھی ہے کہ مطلقاً حلال ہے۔ ان کے دلائل یہ ہیں۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو کھا سکتا ہے اگر چہ کتے نے تہائی حصہ کھا لیا ہو' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گو ایک ٹکڑا ہی باقی رہ گیا ہو تاہم کھا سکتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گو دو تہائیاں کتا کھا گیا ہو پھر بھی تو کھا سکتا ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر تو نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑا ہو تو جس جانور کو اس نے تیرے لیے پکڑ رکھا ہے تو اسے کھا لے کتے نے اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو' یہی مروی ہے حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے۔ حضرت عطاء اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ سے اس میں مختلف اقوال مروی ہیں' زہری ربیعہ اور

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الذبائح و الصید : باب ما اصاب المعراض بعرضه (٥٤٧٦) صحیح مسلم : کتاب الصید : باب الصید بالکلاب المعلمة (١٩٢٩) ترمذی : کتاب الصید (١٤٦٧) ابوداؤد : کتاب الصید (٢٨٤٧)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الذبائح : باب التسمیة علی الصید (٥٤٨٤) صحیح مسلم : کتاب الصید : باب الصید بالکلاب المعلمة (١٩٢٩)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الذبائح والصید : باب ماجآء فی التصید (٥٤٨٧) صحیح مسلم : کتاب الصید : باب الصید بالکلاب المعلمة (١٩٢٩)]

مالک سے بھی یہی روایت کی گئی ہے' اسی کی طرف امام شافعی رحمہ اللہ اپنے پہلے ہی قول میں گئے ہیں اور نئے قول میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے کھا لیا ہو تو جو باقی ہو اسے وہ کھا سکتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریر رحمہ اللہ نظر ہے اور سعید راوی کا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے سننا معلوم نہیں ہوا اور دوسرے ثقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں یہ قول ہے تو صحیح لیکن اس معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی مروی ہیں' ابوداؤد میں ہے حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں ان کے شکار کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا جو جانور وہ تیرے لیے پکڑیں وہ تجھ پر حلال ہے' اس نے کہا ذبح کر سکوں جب بھی اور ذبح نہ کر سکوں تو بھی؟ اور اگر چہ کتے نے کھا لیا ہو تو بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں گو کھا بھی لیا ہو' انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ میں اپنے تیر کمان سے جو شکار کروں اس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا اسے بھی تو کھا سکتا ہے' پوچھا اگر وہ زندہ ملے اور میں اسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیر لگتے ہی مر جائے تو بھی؟ فرمایا بلکہ گو وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈنے سے مل جائے تو بھی۔ بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو' انہوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لیے کیسا ہے؟ فرمایا تم انہیں دھو ڈالو پھر ان میں کھا پی سکتے ہو۔ [1] یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

ابوداؤد کی دوسری حدیث میں ہے جب تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو تو تو اس کے شکار کو کھا سکتا ہے گو اس نے اس میں سے کھا بھی لیا ہو اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لیے لایا ہو اسے بھی تو کھا سکتا ہے۔ [2] ان دونوں احادیث کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھایا ہوا کتا جو شکار تیرے لیے کھیلے تو اسے کھا لے' حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے پوچھا اگر چہ اس نے اس میں سے کھا لیا ہو فرمایا ہاں پھر بھی' ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو گو کھا لیا ہو تاہم بقیہ شکار شکاری کھا سکتا ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والوں کے یہ دلائل ہیں۔ ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہے وہ کہتی ہے کہ اگر شکار پکڑتے ہی کھانے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام اور اگر شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور باوجود خاصی دیر گذر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اسے کھا لیا تو بقیہ حلال۔ پہلی بات پر محمول ہے حضرت عدی والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابوثعلبہ والی حدیث میں۔ یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے دو صحیح

---

[1] [حسن : ابوداؤد : كتاب الصيد : باب في الصيد (٢٨٥٧)] شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے لیکن اس کے یہ الفاظ ﴿ وان اكل منه ﴾ منکر ہیں۔ [صحیح ابوداود]

[2] [منکر : ابوداؤد : كتاب الصيد : باب في الصيد (٢٨٥٢)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے منکر کہا ہے۔ [صحیح ابوداود] تاہم ابن عبدالهادی نے اسے حسن کہا ہے۔ [نصب الراية (٤/٣١٢)]

حدیثیں بھی جمع ہو جاتی ہیں۔ استاذ ابو المعالی جوینی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس بارہ میں یہ وضاحت کرے تو الحمد للہ یہ وضاحت لوگوں نے کر لی۔

اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے وہ یہ کہ کتے کا کھا لیا ہوا شکار تو حرام ہے جیسا کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' اور شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں اس لیے کہ وہ تو کھانے سے ہی تعلیم قبول کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر پرندا اپنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مارا نہیں پھر وہ پر نوچے اور گوشت کھائے تو تُو کھا لے۔ ابراہیم' نخعی' شعبی' حماد بن ابی سلیمان یہی کہتے ہیں ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلا کرتے ہیں تو ہمارے لیے کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا جو شکاری جانور یا شکار حاصل کرنے والے خود شکار کرنے والے اور سدھائے ہوئے تمہارے لیے شکار روک رکھیں اور تم نے ان پر اللہ کا نام لے لیا ہوا سے تم کھا لو۔ پھر فرمایا جس کتے کو تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو وہ جس جانور کو روک رکھے تو اسے کھا لے میں نے کہا گو اسے مار ڈالا ہو فرمایا گو مار ڈالا ہو لیکن یہ شرط ہے کہ کھایا نہ ہو میں نے کہا اگر اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے ہوں تو؟ فرمایا پھر نہ کھا جب تک کہ تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے۔ میں نے کہا ہم لوگ تیر سے بھی شکار کیا کرتے ہیں اس میں سے کون سا حلال ہے؟ فرمایا جو تیر زخمی کرے اور تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو اسے کھا لے'[1] وجہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ نے بتائی اور باز میں نہیں بتائی' پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا واللہ اعلم۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھا لو جن حلال جانوروں کو تمہارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لے لیا ہو۔ جیسے کہ حضرت عدی اور حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے[2] اسی لیے حضرت امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کے لیے جانور کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا شرط ہے۔ جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ کہہ لے ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا ہے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم میں عمر بن ابو سلمہ کے ربیبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مروی ہے کہ اللہ کا نام لے اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھا۔[3] صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] [ضعیف : اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ہے۔]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : كتاب الذبائح : باب صيد القوس (٥٤٧٨) صحيح مسلم : كتاب الصيد : باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمی (١٩٣٠)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : كتاب الاطعمة : باب التسمية على الطعام (٥٣٧٦) صحيح مسلم : كتاب الاشربة : باب آداب الطعام (٢٠٢٢) ابن ماجه : كتاب الاطعمة : باب التسمية عند الطعام (٣٢٦٥) ترمذی : كتاب الاطعمة : باب ماجاء في التسمية على الطعام (١٨٥٧) مسند احمد (٢٦/٤)]

سے پوچھا لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں وہ نومسلم ہیں ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں؟ تو کیا ہم اسے کھا لیں آپ نے فرمایا تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھا لو۔ [1] مسند میں ہے کہ حضور ﷺ چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آ کر دو لقمے اس میں سے اٹھائے آپ نے فرمایا اگر یہ بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے اگر اول میں بھول گیا تو جب یاد آ جائے کہہ دے ﴿بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ﴾ [2] یہی حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے۔ [3]

دوسری سند سے یہ حدیث ابوداود' ترمذی' نسائی اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔ [4] جابر بن صبیح فرماتے ہیں حضرت مثنٰی بن عبدالرحمٰن خزاعی کے ساتھ میں نے واسط کا سفر کیا اور ان کی عادت یہ تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لیتے اور آخری لقمہ کے وقت ﴿بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ﴾ کہہ لیا کرتے میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو کھاتے ہوئے دیکھا کہ اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی' یہاں تک کہ جب آخر میں پہنچا تو بولا بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ۔ حضور ﷺ نے فرمایا واللہ شیطان اس کے ساتھ کھا تا رہ جب تک کہ اس نے بسم اللہ نہ کہہ لی' پھر تو شیطان نے قے کر کے سارا کھانا اپنے پیٹ سے نکال دیا۔ [5] (مسند احمد وغیرہ)

اس کے راوی کو ابن معین اور نسائی تو ثقہ کہتے ہیں لیکن ابوالفتح ازدی فرماتے ہیں یہ دلیل لینے کے قابل راوی نہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی' جیسے کوئی اسے دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لقمہ اٹھانا چاہا حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا آپ نے اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا جب کسی کھانے پر بسم

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الذبائح : باب ذبیحة الاعراب ونحوهم (۵۵۰۷) ابوداؤد : کتاب الضحایا : باب ماجاء فی اکل اللحم (۲۸۲۹) ابن ماجه : کتاب الذبائح (۳۱۷۴)]

[2] [حسن بالشواهد : مسند احمد (۱۴۳/۶)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شواہد کی بنا پر حسن ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (۲۵۱۰۶)]

[3] [صحیح : ابن ماجه : کتاب الاطعمة : باب التسمیة عندالطعام (۳۲۶۴)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں ۔ [صحیح ابن ماجه ، ارواء الغلیل (۱۹۶۵)]

[4] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب التسمیة علی الطعام (۳۷۶۷) ترمذی (۱۸۵۸) مسند احمد (۲۶۵/۶)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابوداود]

[5] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب التسمیة علی الطعام (۳۷۶۸) مسند احمد (۳۳۶/۴) مستدرك حاکم (۱۰۸/۴) نسائی فی السنن الکبری (۱۰۱۱۳) ابن السنی فی عمل الیوم واللیلة (۴۶۱)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [التعلیق الرغیب (۱۱۶/۳)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو مثنٰی راوی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (۱۸۹۶۳)]

اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لیے حلال کر لیتا ہے وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تا کہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر وہ اعرابی کے ساتھ آیا میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ [1] (مسند' مسلم' ابوداؤد' نسائی) مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام یاد کر لیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اے شیطانوں نہ تو تمہارے لیے رات گزارنے کی جگہ ہے نہ رات کا کھانا اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے کھاتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی۔ [2] مسند' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا تو آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو اس میں اللہ کی طرف سے برکت دی جائے گی۔ [3]

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ
حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ
وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع

کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لیے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں جبکہ تم ان کے مہر ادا کرو اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو نہ بطور علانیہ زناکاری کے اور نہ بطور پوشیدہ بدکاری کے' منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں ○

اہل کتاب کے کھانے اور عورتوں کی حلت کا بیان: حلال و حرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل ستھری چیزیں حلال ہیں' پھر یہود و نصاریٰ کے ذبح کیے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابو امامہ' مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' عطاء' حسن' مکحول' ابراہیم نخعی' سدی' مقاتل بن حیان رحمہم اللہ یہ سب یہی کہتے ہیں کہ

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الاشربة : باب آدام الطعام (٢٠١٧) ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب التسمية على الطعام (٣٧٦٦)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الاشربة : باب آداب الطعام والشراب (٢٠١٨) ابن ماجه : کتاب الدعاء : باب مايدعو به اذا دخل بيته (٣٨٨٧) ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب التسمية على الطعام (٣٧٦٥) مسند احمد (٣٨٣/٣)]

[3] [حسن : ابوداؤد: کتاب الاطعمة : باب في الاجتماع على الطعام (٣٧٦٤) ابن ماجه (٣٢٨٦) مسند احمد (٥٠١/٣)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ابوداود ، السلسلة الصحيحة (٦٦٤)]

طعام سے مراد ان کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے' جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے' [1] علماء اسلام کا اس پر مکمل اتفاق ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے' کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا ناجائز جانتے ہیں اور ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے گو ان کے عقیدے ذات باری کی نسبت یکسر اور سراسر باطل ہیں' جن سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک و منزہ ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی' میں نے اسے قبضہ میں کیا اور کہا اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دوں گا' اب جو ادھر ادھر نگاہ پھرائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے ہیں۔ [2] اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے بھی لے لینی جائز ہیں اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے' تینوں مذہب کے فقہاء نے مالکیوں پر اپنی یہ سند پیش کی ہے اور کہا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود ان کے ہاں بھی حلال ہو یہ غلط ہے دیکھو چربی کو یہودی حرام جانتے تھے لیکن مسلمان دے لے رہا ہے لیکن یہ ہے ایک شخصی واقعہ۔ ساتھ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ وہ چربی ہے جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے یعنی پشت کی چربی انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی۔

اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالم بھنی ہوئی ایک بکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں دی جس کے شانے کے گوشت کو انہوں نے زہر آلود کر رکھا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شانے کا گوشت پسند ہے' چنانچہ آپ نے اس کا یہی گوشت لے کر منہ میں رکھ کر دانتوں سے توڑا تو فرمان باری سے اس شانے نے کہا' مجھ میں زہر ملا ہوا ہے' آپ نے اسی وقت اسے تھوک دیا اور اس کا اثر آپ کے سامنے کے دانتوں وغیرہ میں رہ بھی گیا' آپ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے' جو اسی کے اثر سے راہی بقا ہوئے' جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو بھی قتل کیا گیا' جس کا نام زینب تھا' وجہ دلالت یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چربی کو تم حرام جانتے ہو اسے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی سوکھی چربی پیش کی تھی' [3] حضرت مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس چیز پر نام رب نہ لیا جائے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۷۳/۹)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب فرض الخمس: باب مایصیب من الطعام فی ارض الحرب (۳۱۵۳) صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب جواز الاکل من طعام الغنیمة فی دارالحرب (۱۷۷۲) نسائی: کتاب الضحایا: باب ذبائح الیهود (٤٤٤٠) ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب فی اباحة الطعام فی ارض العدو (۲۷۰۲) مسند احمد (۸٦/٤)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب البیوع: باب الخیاط (۲۰۹۲) ابوداؤد: کتاب الاطعمة: باب فی اکل الدباء (۳۷۸۲) مسند احمد (۲۱۰/۳)]

اس کا کھانا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرما کر منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کیے ہوئے جانور حلال کر دیئے یہ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام الٰہی نہ لیا جائے وہ حلال ہو؟ اس لیے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ کا نام لیتے تھے بلکہ جس گوشت کو کھاتے تھے اسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے بلکہ مردہ جانور بھی کھا لیتے تھے لیکن سامرہ اور صائبہ اور ابراہیم وشیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدعی ان سے مستثنٰی تھے، جیسے کہ علماء کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنوتغلب، تنوخ بہرا، جزام لخم عاملہ کے ایسے اور بھی ہیں کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قبیلہ بنوتغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ، اس لیے کہ انہوں نے تو نصرانیت سے سوائے شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی، ہاں سعید بن مسیّب اور حسن بنوتغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں ذبح کیے ہوئے جانور کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے، باقی رہے مجوسی ان سے گو جزیہ لیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں یہود و نصاریٰ میں ملا دیا گیا ہے اور ان کا ہی تابع کر دیا گیا ہے، لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کے ذبح کیے ہوئے جانور کا کھانا ممنوع ہے۔ ہاں ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی جو شافعی اور احمد کے ساتھیوں میں سے تھے، اس کے خلاف ہیں، جب انہوں نے اسے جائز کہا اور لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی۔ یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تو فرمایا کہ ابوثور اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی بیل کا باپ، ممکن ہے ابوثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا ہو جس میں حکم ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ برتو [1] لیکن اولاً تو یہ روایت ان الفاظ میں سے نہیں دوسرا یہ روایت مرسل ہے، ہاں البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا۔ [2] علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابوثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں، تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس عموم سے بھی اس آیت میں حکم امتناعی کو دلیل بنا کر اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو۔ یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کے لئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس بات کی خبر ہو کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ اللہ کے نام پر ہوا ہو اسے وہ کھا سکتے ہیں بلحاظ اس سے کہ ذبح کرنے والا انہیں میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو، لیکن زیادہ باوزن بات پہلی ہی ہے یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنا ذبیحہ کھلاؤ جیسے کہ ان کے ذبح کیے ہوئے جانور تم کھا لیتے ہو۔ یہ گویا ادل بدل کے طور پر

---

[1] [ضعیف: مؤطا (٤٢) مسند شافعی (٢/ ٤٣٠) بیهقی (٩/ ١٨٩)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (١٢٤٨)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجزیة: باب الجزیة والموادعة (٣١٥٦) ترمذی: کتاب السیر: باب ماجآء فی اخذ الجزیة فی المجوس (١٥٨٦) ابوداؤد: کتاب الخراج: باب فی أخذ الجزیة من المجوس (٣٠٤٣) مسند احمد (١/ ١٩٠)]

ہے، جس طرح حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے میں کفن دیا جس کی وجہ سے بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا کرتا دیا تھا جب وہ مدینے میں آئے تھے [1] تو آپ نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیزگاروں کے اور کسی کو نہ کھلا [2] اسے اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور پسندیدگی اور افضلیت کے ہو۔ واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ یہ بطور تمہید کے ہے اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے ان کی عفیفہ عورتوں سے بھی نکاح تمہیں حلال ہے۔ یہ قول بھی ہے کہ مراد محصنات سے آزاد عورتیں ہیں یعنی لونڈیاں نہ ہوں۔ یہ قول حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے، اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ﴿مُحْصَنَاتٍ﴾ سے آزاد مراد ہیں اور جب یہ ہے تو جہاں اس قول کا وہ مطلب لیا جا سکتا ہے کہ لونڈیاں اس سے خارج ہیں وہاں یہ معنی بھی لیے جا سکتے ہیں کہ پاک دامن عفت شعار، جیسے کہ انہی سے دوسری روایت ان ہی لفظوں میں موجود ہے، جمہور بھی یہی کہتے ہیں اور یہ زیادہ ٹھیک بھی ہے۔ تاکہ ذمیہ ہونے کے ساتھ ہی غیر عفیفہ ہونا شامل ہو کر بالکل ہی باعث فساد نہ بن جائے اور اس کا خاوند صرف فضول بھرتی کے طور پر بری رائے پر نہ چل پڑے پس بظاہر یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ محصنات سے مراد عفت مآب اور بدکاری سے بچاؤ والیاں ہی لی جائیں، جیسے دوسری آیت میں ﴿مُحْصَنَاتٍ﴾ کے ساتھ ہی ﴿غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ [3] آیا ہے۔ علماء اور مفسرین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا یہ آیت ہر کتابیہ عفیفہ عورت پر مشتمل ہے؟ خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو؟ ابن جریر میں سلف کی ایک جماعت سے اسے نقل کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ﴿مُحْصَنَاتٍ﴾ سے مراد پاک دامن ہے، ایک قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب سے اسرائیلی عورتیں ہیں، امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں سوائے آزاد عورتوں کے اور دلیل یہ آیت ہے ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ الخ، یعنی ان سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے [4]، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے اس سے بڑا شرک کیا ہوگا؟ کہ وہ کہتی

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب ھل یخرج المیت من القبر واللحد لعلة (١٣٥٠) صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب صفات المنافقین واحکامھم (٢٧٧٢)]

[2] [حسن : ابوداؤد : کتاب الادب : باب من یؤمر ان یجالس (٤٨٣٢) ترمذی (٢٣٩٥) مستدرك حاکم (١٢٨/٤) مسند احمد (٣٨/٣)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابوداود، المشکاۃ (٥٠١٧) صحیح الجامع الصغیر (٧٣٤١) آداب الزفاف (ص : ٧٤)] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (١١٣٣٧)]

[3] [سورہ النسآء : آیت ٢٥]

[4] [سورہ التوبہ : آیت ٢٩]

ہو کہ اس کا رب عیسیٰ علیہ السلام ہے اور جب یہ مشرک ٹھہریں تو نص قرآنی موجود ہے کہ ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ [1] الخ، یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں' ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر کرنے ثابت ہیں تو گویا پہلے سورۂ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں لیکن دوسری آیت نے انہیں مخصوص کر دیا۔ یہ اس وقت جب یہ مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت کے حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارض نہیں' اس لیے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں عام مشرکین سے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے جیسے آیت ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ [2] الخ ﴿وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ﴾ [3] الخ۔ پھر فرماتا ہے جب تم انہیں ان کے مقررہ مہر دے دو وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں۔ اور تم ان کے مہر ادا کرنے والے ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ عامر شعبی' ابراہیم نخعی، حسن بصری رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرادی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے اسے واپس دلوایا جائے گا۔ (ابن جریر)

پھر فرماتا ہے تم بھی پاک دامن عفت مآب ہو اور علانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ ہو۔ پس عورتوں میں جس طرح پاک دامن اور عفیفہ ہونے کی شرط لگائی تھی مردوں میں بھی یہی شرط لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہوں اور نہ ایسے ہوں کہ خاص تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں۔ سورۂ نساء میں بھی اسی کے تماثل حکم گذر چکا ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں' اور یہی حکم ان کے نزدیک مردوں کا بھی ہے کہ بدکار مردوں کا نکاح نیک کار عفت شعار عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک وہ سچی توبہ نہ کریں اور اس رذیل فعل سے باز نہ آجائیں۔ ان کی دلیل ایک حدیث بھی ہے جس میں ہے کوڑے لگایا ہوا زانی اپنے جیسی سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔ [4] خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے میں اسے ہرگز کسی مسلمان پاک دامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔ اس پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے امیر المومنین شرک اس سے بہت بڑا ہے اس کے باوجود بھی اس کی توبہ قبول ہے۔ اس مسئلے کو ہم آیت ﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا

---

[1] [سورہ البقرہ: آیت ۲۲۱] [2] [سورہ البینۃ: آیت ۱]

[3] [سورہ ال عمران: آیت ۲۰]

[4] **صحیح**: ابوداؤد: کتاب النکاح: باب فی قولہ تعالیٰ الزانی لا ینکح الا زانیۃ (۲۰۵۲) مسند احمد (۲/۳۲۴) مستدرک حاکم (۲/۱۶۶)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۷۶۸۵) السلسلۃ الصحیحۃ (۲۴۴۴) صحیح ابوداود (۱۸۰۷)]

﴿زَانِيَةٌ اَوْ مُشْرِكَةٌ﴾ [1] الخ، کی تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے ان شاءاللہ تعالیٰ۔ آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى
الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَ اِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ
وَ اِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ
النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ اَيْدِيْكُمْ
مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّ لٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَ لِيُتِمَّ
نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ دھولیا کرو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو، اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لیا کرو، ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمّم کر لیا کرو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لیا کرو، اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو ○

طہارت کے چند مسائل: اکثر مفسرین نے کہا ہے حکم وضو اس وقت ہے جب کہ آدمی بے وضو ہو۔ ایک جماعت کہتی ہے جب تم کھڑے ہو یعنی نیند سے جاگو یہ دونوں قول تقریباً ایک ہی مطلب کے ہیں۔ اور حضرات فرماتے ہیں آیت تو عام ہے اور اپنے عموم پر ہی رہے گی لیکن جو بے وضو اس پر وضو کرنے کا حکم وجوباً ہے اور جو باوضو ہو اس پر استحباباً۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابتداء اسلام میں ہر صلوٰۃ کے وقت وضو کرنے کا حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا کرتے تھے، فتح مکہ والے دن آپ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آج آپ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر قصداً یہ کیا ہے" [2] ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھا کرتے

[1] [سورہ النور: آیت ۳]

[2] [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب الطهارة: باب جواز الصلوات کلها بوضوء واحد (۲۷۷) ابوداؤد: کتاب الطهارة: باب الرجل یصلی الصلوات بوضوء واحد (۱۷۲) نسائی: کتاب الطهارة: باب الوضوء لکل صلاة (۱۳۳) ترمذی: کتاب الطهارة: باب ماجاء انه یصلی الصلوات بوضوء واحد (٦١) ابن ماجه: کتاب الطهارة (٥١٠) مسند احمد (٣٥٠/٥)]

تھے ہاں پیشاب کریں یا وضو ٹوٹ جائے تو نیا وضو کر لیا کرتے اور وضو ہی کے بچے ہوئے پانی سے جرابوں پر مسح کر لیا کرتے۔ یہ دیکھ کر حضرت فضل بن مبشر رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ کیا آپ اسے اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ میں نے نبی ﷺ کو ایسا کرتے دیکھا ہے'' [1] مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے دیکھ کر خواہ وضو ٹوٹا ہو یا نہ ٹوٹا ہو ان کے صاحبزادے عبید اللہ رحمہ اللہ سے سوال ہوتا ہے کہ اس کی کیا سند ہے؟ فرمایا ان سے حضرت اسماء بنت زید بن خطاب رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ ان سے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما نے جو فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے کے صاحبزادے تھے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ کو ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس حالت میں وضو باقی ہو تو بھی اور نہ ہو تو بھی' لیکن اس میں قدرے مشقت معلوم ہوئی تو وضو کے حکم کے بدلے مسواک کا حکم رکھا گیا ہاں جب وضو ٹوٹے تو نماز کے لیے نیا وضو ضروری ہے اسے سامنے رکھ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ چونکہ انہیں قوت ہے اس لیے وہ ہر نماز کے وقت وضو کرتے ہیں۔ آخری دم تک آپ کا یہی حال رہا' [2] رضی اللہ تعالی عنه وعن والده۔ اس کے ایک راوی حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ ہیں لیکن چونکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ ﴿حدثنا﴾ کہا ہے اس لیے تدلیس کا خوف بھی جاتا رہا۔ ہاں ابن عساکر کی روایت میں یہ لفظ نہیں واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل اور اس پر ہمیشگی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستحب ضرور ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ خلفاء رضی اللہ عنہم ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرتے تھے' حضرت علی کرم اللہ وجہہ یوم القیامۃ ہر نماز کے لیے وضو کرتے اور دلیل میں یہ آیت تلاوت فرما دیتے ایک مرتبہ آپ نے ظہر کی نماز ادا کی پھر لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما رہے پھر پانی لایا گیا اور آپ نے منہ دھویا ہاتھ دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور پھر پیر کا۔ اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو' ایک مرتبہ آپ نے خفیف وضو کر کے بھی یہی فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہ سے بھی اس طرح مروی ہے۔ ابوداود طیالسی میں حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وضو ٹوٹے بغیر وضو کرنا زیادتی ہے۔ اولاً تو یہ قول سنداً بہت غریب ہے' دوسرا یہ کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو اسے واجب جانتا ہو۔ اور صرف مستحب سمجھ کر جو ایسا کرے وہ تو عامل بالحدیث ہے' بخاری سنن وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے' ایک انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر کہا اور آپ لوگ

---

[1] [صحیح : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱/۹) ابن ماجه : كتاب الطهارة : باب الوضوء لكل صلاة (۵۱۱)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه (۴۱۳)] حافظ زبیر علی زئی اسے ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس میں فضل بن مبشر ضعیف راوی ہے۔]

[2] [حسن : مسند احمد (۵/۲۲۵) مستدرك حاكم (۱/۱۵۶) تفسير ابن جرير الطبری (۱۱۳۳۱) ابوداؤد : كتاب الطهارة : باب السواك (۴۸) بيهقی (۱/۳۷)] امام حاکم ؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اور امام ذہبی ؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ امام ابن خزیمہ ؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحيح ابوداود (۳۸)]

کیا کرتے تھے؟ فرمایا ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے جب تک وضو ٹوٹے نہیں‘ [1] ابن جریر حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں‘ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے [2] اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ کسی اور کام کے وقت وضو کرنا واجب نہیں صرف نماز کے لیے ہی اس کا وجوب ہے۔ یہ فرمان اس لیے ہے کہ حضور ﷺ کی سنت یہ تھی کہ وضو ٹوٹنے پر کوئی کام نہ کرتے تھے جب تک کہ پھر وضو نہ کر لیں ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک ضعیف غریب روایت میں ہے کہ حضور ﷺ جب پیشاب کا ارادہ کرتے ہم آپ سے بولتے لیکن آپ جواب نہ دیتے ہم سلام علیک کرتے پھر بھی جواب نہ دیتے یہاں تک کہ یہ آیت رخصت کی اتری۔ [3] ابوداود میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ پاخانے سے نکلے اور کھانا آپ کے سامنے لایا گیا تو ہم نے کہا اگر فرمائیں تو وضو کا پانی حاضر کریں فرمایا وضو کا حکم تو مجھے صرف نماز کے لیے کھڑا ہونے کے وقت ہی کیا گیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن بتاتے ہیں۔ [4]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے کچھ نماز تھوڑا ہی پڑھنی ہے جو میں وضو کروں۔ [5] آیت کے ان الفاظ سے کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو وضو کر لیا کرو علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے‘ مطلب کلام اللہ شریف کا یہ ہے کہ نماز کے لیے وضو کر لیا کرو۔ جیسے عرب میں کہا جاتا ہے‘ جب تو امیر کو دیکھے تو کھڑا ہو جا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ امیر کے لیے کھڑا ہو جا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے [6] اور منہ کے دھونے سے پہلے

---

[1] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب الوضوء: باب الوضوء من غیر حدث (۲۱۴) ابوداؤد: کتاب الطھارۃ: باب الرجل یصلی الصلوات بوضوء واحد (۱۷۱) ترمذی: کتاب الطھارۃ: باب ماجاء فی الوضوء لکل صلاۃ (۶۰) ابن ماجه (۵۰۹) مسند احمد (۱۳۲/۳)]

[2] [**ضعیف**: ابوداؤد: کتاب الطھارۃ: باب الرجل یجدد الوضوء من غیر حدث (۶۲) ترمذی: کتاب الطھارۃ: باب ماجاء فی الوضوء لکل صلاۃ (۵۹) ابن ماجه (۵۱۲)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الجامع الصغیر (۵۵۳۶)] شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی راوی ضعیف ہے۔]

[3] [**ضعیف**: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۳۴۲) ابن ابی عاصم فی الآحاد والمثانی (۱۶۴/۵)] اس کی سند میں جابر جعفی راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (۲۸۱/۱)]

[4] [**صحیح**: ابوداؤد: کتاب الاطعمة: باب فی غسل الیدین عند الطعام (۳۷۶۰) نسائی: کتاب الطھارۃ: باب الوضوء لکل صلاۃ (۱۳۲) ترمذی: کتاب الاطعمة: باب فی ترك الوضوء قبل الطعام (۱۸۴۷) ابن خزیمة (۳۵) بغوی (۲۸۳۵)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ امام بغویؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [مختصر الشمائل (۱۵۸)]

[5] [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب الحیض: باب جواز اکل المحدث الطعام (۳۷۴)]

[6] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب بدء الوحی: باب کیف کان بدء الوحی (۱) صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب قوله صلی الله علیه وسلم انما الاعمال بالنیات (۱۹۰۷)]

وضو میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ ایک پختہ اور بالکل صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس شخص کا وضو نہیں جو اپنے وضو پر بسم اللہ نہ کہے [1] (حدیث کے ظاہری الفاظ تو نیت کی طرح بسم اللہ کہنے پر بھی وجوب کی دلالت کرتے ہیں واللہ اعلم۔ مترجم) یہ بھی یاد رہے کہ وضو کے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کا دھو لینا مستحب ہے اور جب نیند سے اٹھا ہو تب تو سخت تاکید آتی ہے بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے کوئی نیند سے جاگ کر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ تین مرتبہ دھو نہ لے' اسے نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ رات کے وقت کہاں رہے ہوں؟ [2]

منہ کے حد فقہاء کے نزدیک لمبائی میں سر کے بالوں کی اگنے کی جو جگہ عموماً ہے وہاں سے داڑھی کی ہڈی اور ٹھوڑی تک ہے اور چوڑائی میں ایک کان سے دوسرے کان تک۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں جانب کی پیشانی کے اڑے ہوئے بالوں کی جگہ سر کے حکم میں ہے یا منہ کے؟ اور داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کا دھونا منہ کے دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں' ایک تو یہ کہ ان پر پانی کا بہانا واجب ہے اس لیے کہ منہ سامنے کرنے کے وقت اس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو داڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھ کر فرمایا اسے کھول دے یہ بھی منہ میں داخل ہے' [3] حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں عرب کا محاورہ بھی یہی ہے کہ جب بچے کے داڑھی نکلتی ہے تو وہ کہتے ہیں ﴿طَلَعَ وَجْهُهُ﴾ پس معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں داڑھی منہ کے حکم میں ہے اور لفظ وجہ میں داخل ہے۔ داڑھی گھنی اور بھری ہوئی ہو تو اسکا خلال کرنا بھی مستحب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ آپ نے منہ دھوتے وقت تین دفعہ داڑھی کا خلال کیا۔ پھر فرمایا جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔ (ترمذی وغیرہ) [4] اس روایت کو امام بخاری اور امام ترمذی رحمہما اللہ حسن بتاتے ہیں ابوداود میں ہے کہ

---

[1] [صحیح: ابوداؤد: كتاب الطهارة: باب في التسمية على الوضوء (۱۰۱) ابن ماجه: كتاب الطهارة: باب ماجاء في التسمية في الوضوء (۳۹۹) مستدرك حاكم (۱۴۶/۱)] حافظ بوصیری نے اسے حسن کہا ہے اور شیخ البانی اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحيح ابن ماجه (۳۱۸) ارواء الغليل (۸۱)]

[2] [صحیح: صحيح بخاری: كتاب الوضوء: باب الاستجمار وترا (۱۶۲) صحیح مسلم: كتاب الطهارة: باب كراهة غمس المتوضى (۲۷۸) ترمذی: كتاب الطهارة (۲۴) ابن ماجه: كتاب الطهارة (۳۹۳) ابوداؤد: كتاب الطهارة (۱۰۳) مسند احمد (۲۴۱/۲)]

[3] [ضعيف جدا: مسند الفردوس (۱۹۸/۳)] امام ابن ملقن نے اسے ضعیف کہا ہے۔[خلاصة البدر المنير (۲۹/۱)] شیخ البانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔[السلسلة الضعيفة (۵۷۵۴)] شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح: ترمذی: كتاب الطهارة: باب ماجاء في تخليل اللحية (۳۱) ابن ماجه: كتاب الطهارة: باب ماجاء في تخليل اللحية (۴۳۰) مستدرك حاكم (۱۴۹/۱) صحیح ابن حبان (۱۰۸۱)] امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحيح ترمذی (۲۸) صحيح ابن ماجه (۳۴۵)]

حضور ﷺ وضو کرتے وقت ایک چلو پانی لے کر اپنی ٹھوڑی تلے ڈال کر داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب عزوجل نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔ [1]

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں داڑھی کا خلال کرنا حضرت عمار، حضرت عائشہ، حضرت ام سلمہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور اس کے ترک کی رخصت ابن عمر، حسن بن علی رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت سے مروی ہے صحاح وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور ﷺ جب وضو کرنے بیٹھتے کلی کرتے اور ناک میں پانی دیتے۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب تو وجوب کا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ مستحب کہتے ہیں ان کی دلیل سنن کی وہ صحیح حدیث ہے جس میں جلدی جلدی نماز پڑھنے والے سے حضور ﷺ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ وضو کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے' [2] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ غسل میں واجب اور وضو میں نہیں' ایک روایت امام احمد سے مروی ہے کہ ناک میں پانی دینا تو واجب اور کلی کرنا مستحب' کیونکہ بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان ہے جو وضو کرے وہ ناک میں پانی ڈالے [3] اور روایت میں ہے تم میں سے جو وضو کرے وہ اپنے دونوں نتھنوں میں پانی ڈالے اور اچھی طرح وضو کرے۔ [4] مسند احمد اور بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وضو کرنے بیٹھے تو منہ دھویا ایک چلو پانی کا لے کر کلی کی اور ناک کو صاف کیا پھر ایک چلو لے کر داہنا ہاتھ دھویا پھر ایک چلو لے کر اسی سے بایاں ہاتھ دھویا۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر پانی کا ایک چلو لے کر اپنے داہنے پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا پھر ایک چلو سے بایاں پاؤں دھویا۔ پھر فرمایا میں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ [5] ﴿اِلَی الْمَرَافِقِ﴾ سے مراد ﴿مَعَ الْمَرَافِقِ﴾ ہے' جیسے فرمان ہے ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ [1]

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : كتاب الطهارة : باب تخليل اللحية (١٤٥) بیہقی (٥٤/١) المزی فی تهذيب الكمال (١٣/٣١)] امام ابن ملقن ؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[البدر المنير (٣٩٨/٣)] شیخ البانی ؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔[ارواء الغليل (٩٢)]

[2] [صحیح : ابوداؤد: كتاب الصلاة : باب صلاة من لم يقيم صلبه في الركوع والسجود (٨٥٧ـ ٨٥٨) ترمذی : كتاب الصلاة : باب ماجاء في وصف الصلاة (٣٠٢) مسند احمد (٣٤٠/٤) للبیهقی (٥٤/١) طيالسی (٦٤٥)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغليل (٣٢١/١) صحيح ترمذی (٢٧)]

[3] [صحیح : صحيح بخاری : كتاب الوضوء : باب الاستنثار في الوضوء (١٦١) صحيح مسلم : كتاب الطهارة : باب الايتار في الاستنثار (٢٣٧) ابن ماجه: كتاب الطهارة (٤٠٩) نسائی : كتاب الطهارة (٨٨) مسند احمد (٤٠١/٢)]

[4] [صحیح : صحيح بخاری : كتاب الوضوء : باب الاستجمار وترا (١٦٢) صحيح مسلم (٢٣٧) ابوداود : كتاب الطهارة (١٤٠) نسائی: كتاب الطهارة (٨٦) مسند احمد (٢٧٨/٢)]

[5] [صحیح : صحيح بخاری : كتاب الوضوء : باب غسل الوجه باليدين من غرفة واحدة (١٤٠) مسند احمد (٢٦٨/١)]

یعنی یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں سمیت نہ کھا جایا کرو یہ بڑا ہی گناہ ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک نہیں، بلکہ کہنیوں سمیت دھونا چاہیے۔ دار قطنی وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ وضو کرتے ہوئے اپنی کہنیوں پر پانی بہاتے تھے[2] لیکن اس کے دو راویوں میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

وضو کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ کہنیوں سے آگے اپنے شانے کو بھی وضو میں دھوئے کیونکہ بخاری ومسلم میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میری امت وضو کے نشانوں کی وجہ سے قیامت کے دن چمکتے ہوئے اعضاؤں سے آئے گی پس تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اپنی چمک کو دور تک لے جائے[3] صحیح مسلم میں ہے مومن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا تھا۔[4] ﴿بِرُءُوسِكُمْ﴾ میں جو ب ہے اس کا الحاق یعنی ملا دینے کے لیے ہونا تو زیادہ غالب ہے اور تبعیض یعنی کچھ حصے کے لیے ہونا تامل طلب ہے۔ بعض اصولی حضرات فرماتے ہیں چونکہ آیت میں اجمال ہے اس لیے سنت نے جو اس کی تفصیل کی ہے وہی معتبر ہے اور اسی کی طرف لوٹنا پڑے گا، حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم صحابی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا "آپ وضو کر کے ہمیں بتلائیے۔ آپ نے پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ دو دو دفعہ دھوئے، پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی دیا، تین ہی دفعہ اپنا منہ دھویا، پھر کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھ دو دو مرتبہ دھوئے، پھر دونوں ہاتھ سے سر کا مسح کیا سر کے ابتدائی حصے سے گدی تک لے گئے، پھر وہاں سے یہیں تک واپس لائے، پھر اپنے دونوں پیر دھوئے۔ (بخاری ومسلم)[5] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی آنحضرت ﷺ کے وضو کا طریقہ اسی طرح منقول ہے۔[6] ابوداؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے،[7] یہ حدیثیں دلیل ہیں اس پر کہ

---

[1] [سورة النسآء: آیت ۲]

[2] [صحيح بالشواهد: دارقطني (۱/۸۳) بيهقي (۱/۵٦)] شیخ البانی ؒ نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (۲۰٦۷) صحيح الجامع الصغير (٤۵۷٤)]

[3] [صحيح: صحيح بخاري: كتاب الوضوء: باب فضل الوضوء والغر المحجلون (۱۳٦) صحيح مسلم: كتاب الطهارة: باب استحباب اطالة الغرة (۲٤٦) مسند احمد (۲/٤۰۰)]

[4] [صحيح: صحيح مسلم: كتاب الطهارة: باب تبلغ الحلية حيث يبلغ الوضوء (۲۵۰) مسند احمد (۲/۳۷۱) بيهقي (۱/۵٦)]

[5] [صحيح: صحيح بخاري: كتاب الوضوء: باب مسح الرأس كله (۱۸۵) صحيح مسلم: كتاب الطهارة: باب آخر في صفة الوضوء (۲۳۵) ابن ماجه: كتاب الطهارة (٤۳٤) ابوداؤد: كتاب الطهارة (۱۰۰) ترمذي: كتاب الطهارة (۳۲) مسند احمد (٤/۳۸)]

[6] [صحيح: ابوداؤد: كتاب الطهارة: باب صفة وضوء النبي (۱۱۱) نسائي: كتاب الطهارة (۹۲) ترمذي: كتاب الطهارة (٤۹) ابن خزيمة (۱٤۷) مسند احمد (۱/۱۲۲)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابوداود، صحيح ترمذي]

[7] [صحيح: ابوداؤد: كتاب الطهارة: باب صفة وضوء النبي (۱۲۱، ۱۲٤) بيهقي (۱/۵۹)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابوداود (۱۱۵)]

پورے سر کا مسح فرض ہے۔ یہی مذہب حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا ہے اور یہی مذہب ان تمام حضرات کا ہے جو آیت کو مجمل مانتے ہیں اور حدیث کو اس کی وضاحت جانتے ہیں حنفیوں کا خیال ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے جو سر کا ابتدائی حصہ ہے اور ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فرض صرف اتنا ہے جتنے پر مسح کا اطلاق ہو جائے' اس کی کوئی حد نہیں۔ سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرضیت پوری ہو گئی' ان دونوں جماعتوں کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ پیچھے رہ گیا جب آپ قضاحاجت کر چکے تو مجھ سے پانی طلب کیا میں لوٹا لے آیا آپ نے اپنے دونوں پہنچے دھوئے پھر منہ دھویا پھر کلائیوں پر سے کپڑا اہٹایا اور پیشانی سے ملے ہوئے بالوں اور پگڑی پر مسح کیا اور دونوں جرابوں پر بھی۔ [1] (مسلم وغیرہ) اس کا جواب امام احمد اور ان کے ساتھی یہ دیتے ہیں کہ سر کے ابتدائی حصہ پر مسح کر کے باقی پگڑی پر پورا کر لیا اور اس کی بہت سی مثالیں احادیث میں ہیں۔ آپ صافے پر اور جرابوں پر برابر مسح کیا کرتے تھے' پس یہی اولیٰ ہے اور اس میں ہرگز اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ سر کے بعض حصے پر یا صرف پیشانی کے بالوں پر ہی مسح کر لے اور اس کی تکمیل پگڑی پر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سر کا مسح بھی تین بار ہو یا ایک ہی بار؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب اول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کا دوم۔ دلائل یہ ہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وضو کرنے بیٹھتے ہیں اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں' انہیں دھو کر پھر کلی کرتے ہیں اور ناک میں پانی دیتے ہیں' پھر تین مرتبہ منہ دھوتے ہیں' پھر تین تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتے ہیں' پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر اپنے سر کا مسح کرتے ہیں پھر دونوں پیر تین تین بار دھوتے ہیں پہلے داہنا پھر بایاں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا اور وضو کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ [2] (بخاری ومسلم) سنن ابی داؤد میں اسی روایت میں سر کے مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ لفظ بھی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا' [3] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے [4] اور جن لوگوں نے سر کے مسح کو بھی تین بار کہا ہے انہوں نے اس حدیث سے

---

[1] [صحيح : صحيح مسلم : كتاب الطهارة : باب المسح على الناصية والعمامة (٢٧٤) ابوداؤد : كتاب الطهارة : باب المسح على الخفين (١٥٠) مسند احمد (٤/٢٤٨)]

[2] [صحيح : صحيح بخارى : كتاب الوضوء : باب الوضوء ثلاثا ثلاثا (١٥٩) صحيح مسلم : كتاب الطهارة : باب صفة الوضوء وكماله (٢٢٦) نسائى: كتاب الطهارة (٨٤) ابوداؤد: كتاب الطهارة (١٠٦) مسند احمد (١/٥٩)]

[3] [حسن صحيح : ابوداؤد: كتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبى (١٠٨)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود (٩٩)]

[4] [صحيح : ابوداؤد : كتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبى (١١١) ترمذى : كتاب الطهارة (٤٩) نسائى : كتاب الطهارة (٩٢) مسند احمد (١/١٢٢)]

دلیل لی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا۔ [1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے وضو کیا پھر اسی طرح روایت ہے اور اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں اور اس میں ہے کہ پھر آپ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے دونوں پیر دھوئے۔ پھر فرمایا میں نے حضور ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا اور آپ نے فرمایا جو ایسا وضو کرے اسے کافی ہے۔ [2] لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو حدیثیں صحاح میں مروی ہیں ان سے تو سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہوتا ہے۔

﴿اَرْجُلَكُمْ﴾ لام کی زبر سے عطف ہے ﴿وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ﴾ پر ماتحت ہے دھونے کے حکم کے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یونہی پڑھتے تھے اور یہی فرماتے تھے [3] حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عروہ رضی اللہ عنہما حضرت عطا' حضرت عکرمہ' حضرت حسن' حضرت مجاہد' حضرت ابراہیم' حضرت ضحاک' حضرت سدی' حضرت مقاتل بن حیان' حضرت زہری' حضرت ابراہیم تیمی رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول [4] اور یہی قرات ہے' اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پاؤں دھونے چاہئیں۔ یہی سلف کا فرمان ہے اور یہیں سے جمہور نے وضو کی ترتیب کے وجوب پر استدلال کیا ہے' صرف ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کے خلاف ہیں' وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے پیروں کو دھوئے پھر سر کا مسح کرے پھر ہاتھ دھوئے پھر منہ دھوئے جب بھی جائز ہے اس لیے کہ آیت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ واؤ کی دلالت ترتیب پر نہیں ہوتی' اس کے جواب جمہور نے کئی ایک دیئے ہیں' ایک تو یہ کہ ((ف)) ترتیب پر دلالت کرتی ہے' آیت کے الفاظ میں نماز پڑھنے والے کو منہ دھونے کا حکم لفظ ﴿فَاغْسِلُوْا﴾ سے ہوتا ہے۔ تو کم از کم منہ کا اول اول دھونا تو لفظوں سے ثابت ہو گیا اب اس کے بعد کے اعضاء میں ترتیب اجماع سے ثابت ہے جس میں اختلاف نظر نہیں آتا۔ پھر جبکہ ((ف)) جو تعقیب کے لیے ہے اور جو ترتیب کی مقتضی ہے ایک پر داخل ہو چکی تو اس ایک کی ترتیب مانتے ہوئے دوسرے کی ترتیب کا انکار کوئی نہیں کرتا بلکہ یا تو سب کی ترتیب کے قائل ہیں یا کسی ایک کی بھی ترتیب کے قائل نہیں۔ پس یہ آیت ان پر یقیناً حجت ہے جو سرے سے ترتیب کے منکر ہیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ نحویوں کی ایک جماعت کا اور بعض فقہاء کا مذہب ہے پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ بالفرض لغتاً اس کی دلالت پر ترتیب پر نہ بھی ہوتا ہم شرعاً تو جن چیزوں میں ترتیب ہو سکتی ہے ان میں اس کی دلالت ترتیب پر ہوتی ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر کے باب صفا سے

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب فضل الوضوء (۲۳۰)]

[2] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الطھارۃ : باب صفۃ وضوء النبی (۱۰۷) بیھقی (۶۲/۱) دارقطنی (۹۱/۱) مسند بزار (۷۳/۲)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود (۹۸)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۵۵/۱۰)]

[4] تفسیر ابن جریر الطبری (۵٤/۱۰)]

نکلے تو آپ آیت ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ﴾ [1] کی تلاوت کررہے تھے۔ اور فرمایا میں اسی سے شروع کروں گا جسے اللہ نے پہلے بیان فرمایا' چنانچہ صفا سے سعی شروع کی' نسائی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم دینا بھی مروی ہے کہ اس سے شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔ [2] اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور اس میں امر ہے پس معلوم ہوا کہ جس کا ذکر پہلے ہوا سے پہلے کرنا اور اس کے بعد اسے جس کا ذکر بعد میں ہو کرنا واجب ہے۔ پس صاف ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر شرعاً ترتیب مراد ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ تیسری جماعت جواباً کہتی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کے حکم اور پیروں کو دھونے کے حکم کے درمیان سر کے مسح کے حکم کو بیان کرنا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ مراد ترتیب کو باقی رکھنا ہے' ورنہ نظم کلام کو یوں الٹ پلٹ نہ کیا جاتا۔ ایک جواب اس کا یہ بھی ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھو کر وضو کیا پھر فرمایا یہ وضو ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نے نماز کو قبول نہیں کرنا۔ [3] اب دو صورتیں ہیں یا تو اس وضو میں ترتیب تھی یا نہ تھی؟ اگر کہا جائے کہ حضور ﷺ کا یہ وضو مرتب تھا یعنی باقاعدہ ایک کے پیچھے ایک عضو دھویا تھا تو معلوم ہوا کہ جس وضو میں تقدیم تاخیر ہو اور صحیح طور پر ترتیب نہ ہو وہ نماز نامقبول لہٰذا ترتیب واجب وفرض اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس وضو میں ترتیب نہ تھی بلکہ بے ترتیب تھا' پیر دھو لیے پھر کلی کر لی پھر مسح کر لیا پھر منہ دھو لیا وغیرہ تو عدم ترتیب واجب ہو جائے گی حالانکہ اس کا قائل امت میں سے ایک بھی نہیں پس ثابت ہو گیا کہ وضو میں ترتیب فرض ہے' آیت کے اس جملے کی ایک قرات اور بھی ہے یعنی ﴿وَأَرْجُلِكُمْ﴾ لام کے زیر سے اور اس سے شیعہ نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف سر کے مسح کرنے پر ہے۔ بعض سلف سے بھی کچھ ایسے اقوال مروی ہیں جن سے مسح کے قول کا وہم پڑتا ہے۔ چنانچہ ابن جریر میں ہے کہ موسیٰ بن انس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے لوگوں کو موجودگی میں کہا کہ حجاج نے اہواز میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا کہ منہ ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو عموماً پیروں پر ہی گندگی لگتی ہے۔ پس تلوؤں کو اور پیروں کی پشت کو اور ایڑی کو خوب اچھی طرح دھویا کرو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا کہ اللہ سچا ہے اور حجاج جھوٹا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ﴾ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ پیروں کا جب مسح کرتے انہیں بالکل بھگو لیا کرتے' آپ ہی سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے' ہاں حضور ﷺ کی سنت پیروں کا دھونا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وضو میں دو چیزوں

---

[1] [سورة البقرہ: آیت ۱۵۸]

[2] **[صحیح :** صحیح مسلم : کتاب الحج : باب حجة النبی (۱۲۱۸) ابوداؤد : کتاب المناسك : باب صفة حجة النبی (۱۹۰۵) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب حجة رسول الله (۳۰۷۴)]

[3] **[ضعیف :** ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب ماجاء فی الوضوء مرة و مرتین وثلاثا (۴۱۹) بیهقی (۱/ ۸۰)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (۴۷۳۵) ارواء الغلیل (۸۵)] شیخ عبدالرزاق مہدی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

کا دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا بیان ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما، علقمہ، ابوجعفر محمد بن علی رحمہ اللہ اور ایک روایت میں حضرت حسن اور جابر بن زید رحمہ اللہ اور ایک روایت میں مجاہد رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ اپنے پیروں پر مسح کرلیا کرتے تھے شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا ہے، آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم تھا ان پر تو تیمّم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جن چیزوں پر مسح کا حکم تھا تیمّم کے وقت انہیں چھوڑ دیا گیا۔ عامر رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام پیروں کے دھونے کا حکم لائے ہیں آپ نے فرمایا جبرئیل مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے تھے۔ پس یہ سب آثار بالکل غریب ہیں اور محمول ہیں اس امر پر کہ مراد مسح سے ان بزرگوں کی ہلکا دھونا ہے کیونکہ سنت سے صاف ثابت ہے کہ پیروں کا دھونا واجب ہے، یاد رہے کہ زیر کی قرات یا تو مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے جیسے عرب کا کلام حُجْرُ ضَبٍّ خربٍ میں اور اللہ کے کلام ﴿عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُندُسٍ خُضْرٌ وَّاسْتَبْرَقٌ﴾ [1] میں لغت عرب میں پاس ہونے کی وجہ سے دونوں لفظوں کو ایک ہی اعراب دے دینا یہ اکثر پایا گیا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی ایک توجیہہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب پیروں پر جرابیں ہوں بعض کہتے ہیں مراد مسح سے ہلکا دھو لینا ہے جیسے کہ بعض روایتوں میں سنت سے ثابت ہے۔ الغرض پیروں کا دھونا فرض ہے جس کے بغیر وضو نہ ہوگا۔ آیت میں بھی یہی ہے اور احادیث میں بھی یہی ہے جیسے کہ اب ہم انہیں وارد کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بیہقی میں ہے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز کے بعد بیٹھک میں بیٹھے رہے اور عصر تک لوگوں کے کام کاج میں مشغول رہے، پھر پانی منگوایا اور ایک چلو سے منہ کا، دونوں ہاتھوں کا، سر کا اور دونوں پیروں کا مسح کیا اور کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا پھر فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے کھڑے پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے جو کیا یہی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو۔ [2] (بخاری) شیعوں میں سے جن لوگوں نے پیروں کا مسح اسی طرح قرار دیا، جس طرح جرابوں پر مسح کرتے ہیں ان لوگوں نے یقیناً غلطی کی اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی خطا کار ہیں جو مسح اور دھونا دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں نے امام ابن جریر رحمہ اللہ کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ انہوں نے احادیث کی بنا پر پیروں کے دھونے کو اور آیت قرآنی کی بنا پر پیروں کے مسح کو فرض قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیق بھی صحیح نہیں، تفسیر ابن جریر ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروں کو رگڑنا واجب ہے اور اعضاء میں یہ واجب نہیں کیونکہ پیر زمین کی مٹی وغیرہ سے رگڑتے رہتے ہیں تو ان کو دھونا ضروری ہے تاکہ جو کچھ لگا ہو ہٹ جائے لیکن اس رگڑنے کے لیے مسح کا لفظ لائے ہیں اور اسی سے بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسح اور غسل جمع کر دیا ہے حالانکہ

---

[1] [سورۃ الدھر: آیت ۲۱]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاشربۃ: باب الشرب قائما (۵۶۱۵-۵۶۱۶) مسند احمد (۷۸/۱)]

دراصل اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوتے مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو چاہے موخر ہو پس حقیقتاً امام صاحب کا ارادہ یہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور اس کو نہ سمجھ کر اکثر فقہاء نے اسے مشکل جان لیا' میں نے مکرر غور وفکر کیا تو مجھ پر صاف طور سے یہ بات واضح ہو گیا ہے کہ امام صاحب دونوں قراتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں پس زیر کی قرات یعنی مسح کو تو وہ محمول کرتے ہیں دلک پر یعنی اچھی طرح مل رگڑ کر صاف کرنے پر اور زبر کی قرات تو غسل پر یعنی دھونے پر دلیل ہے ہی پس وہ دھونے اور ملنے دونوں کو واجب کہتے ہیں تا کہ زیر اور زبر کی دونوں قراتوں پر ایک ساتھ عمل ہو جائے" اب ان احادیث کو سنیئے جن میں پیروں کے دھونے کا اور پیروں کے دھونے کے ضروری ہونے کا ذکر ہے" امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان، امیر المومنین حضرت علی بن ابو طالب، حضرت ابن عباس' حضرت معاویہ' حضرت عبداللہ بن زید عاصم' حضرت مقداد بن معد یکرب رضی اللہ عنہم کی روایات پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے اپنے پیروں کو دھویا' ایک بار یا دو بار یا تین بار' عمرو بن شعیب کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے دونوں پیر دھوئے پھر فرمایا یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ (1) بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے تھے جب آپ آئے تو ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے کیونکہ عصر کی نماز کا وقت کافی دیر سے ہو چکا تھا ہم نے جلدی جلدی اپنے پیروں پر چھوا چھوئی شروع کر دی تو آپ نے بہت بلند آواز سے فرمایا وضو کو کامل اور پورا کرو ایڑیوں کو خرابی ہے آگ کے لگنے سے' (2) ایک اور حدیث میں ہے ویل ہے ایڑیوں کے لیے اور تلووں کے لیے آگ سے۔ (بیہقی وحاکم) (3) اور روایت میں ہے ٹخنوں کو ویل ہے آگ سے۔ (4) (مسند امام احمد) ایک شخص کے پیر میں ایک درہم کے برابر جگہ بے دھلی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرابی ہے ایڑیوں کے لیے آگ سے۔ (5) (مسند) ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر جن کی ایڑیوں پر اچھی طرح پانی نہیں پہنچا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

---

(1) [ضعيف جدا : ابـن مـاجه: كتاب الطهارة (٤١٩) مسند بزار (٢٣٨٥)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابن ماجه]

(2) [صحيح : صحيح بخاري : كتاب العلم : باب من أعاد الحديث ثلاثا (٩٦) صحيح مسلم : كتاب الطهارة : باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما (٢٤١) نسائي : كتاب الطهارة : باب ايجاب غسل الرجلين (١١١) ابن ماجه : كتاب الطهارة : باب غسل العراقيب (٤٥٠) ابوداؤد : كتاب الطهارة : باب في اسباغ الوضوء (٩٧) مسند احمد (١٩٣/٢)]

(3) [صحيح : مسند احمد (١٩١/٤) صحيح ابن خزيمة (١٦٣) شرح معاني الآثار (٣٨/١)] شیخ البانی رحمہ اللہ اور شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح الترغيب (٢١٦) الموسوعة الحديثية (١٧٧٠٦)]

(4) [صحيح : مسند احمد (٣٦٩/٣) ابن ماجه (٤٥٤) شرح معاني الآثار (٣٨/١)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (٦٨٨٣)]

(5) [صحيح : ابن مـاجه : كتاب الطهارة : باب غسل العراقيب (٤٥٤) مسند احمد (٣٩٠/٣)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ابن ماجه]

نے فرمایا ان ایڑیوں کو آگ سے خرابی ہوگی‘[1] مسند احمد میں بھی حضور ﷺ کے یہ الفاظ وارد ہیں۔[2] ابن جریر میں دو مرتبہ حضور ﷺ کا ان الفاظ کو کہنا وارد ہے۔ راوی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر تو مسجد میں ایک بھی شریف ووضیع ایسا نہ رہا جو اپنی ایڑیوں کو بار بار دھو کر نہ دیکھتا ہو[3] اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کی ایڑی یا ٹخنے میں بقدر ایک درہم کے چمڑی خشک رہ گئی تھی تو یہی فرمایا پھر تو یہ حالت تھی کہ اگر ذرا سی جگہ پیر کی کسی کی خشک رہ جاتی تو وہ پورا وضو پھر سے کرتا‘[4] پس ان احادیث سے کھلم کھلا ظاہر ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے‘ اگر ان کا مسح فرض ہوتا تو ذرا سی جگہ کے خشک رہ جانے پر اللہ کے نبی ﷺ وعید سے اور وہ بھی جہنم کی آگ کی وعید سے نہ ڈراتے‘ اس لیے کہ مسح میں ذرا ذرا سی جگہ پر ہاتھ کا پہنچانا داخل ہی نہیں۔ بلکہ پھر تو پیر کے مسح کی وہی صورت ہوتی ہے جو پیر کے اوپر جراب ہونے کی صورت میں مسح کی صورت ہے۔ یہی چیز امام ابن جریر رحمہ اللہ نے شیعوں کے مقابلہ میں پیش کی ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کا پیر کسی جگہ سے ناخن کے برابر دھلا نہیں خشک رہ گیا تو آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔[5] بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے‘[6] مسند میں ہے کہ ایک نمازی کو آپ نے نماز میں دیکھا کہ اس کے پیر میں بقدر درہم کے جگہ خشک رہ گئی ہے تو اسے وضو لوٹانے کا حکم کیا۔[7] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے وضو کا طریقہ جو مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے انگلیوں کے درمیان خلال بھی کیا۔[8] سنن میں ہے حضرت صبرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وضو کامل اور اچھا کرو انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی اچھی طرح دو۔ ہاں روزے کی حالت

---

[1] [صحیح : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۵۲۱)]

[2] [صحیح بالشواهد : مسند احمد (۴۲۶/۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۵۲۲)]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۵۲۸)] اس کی سند میں مطرح بن یزید، عبید اللہ بن زحر اور علی بن یزید تین راوی ضعیف ہیں۔]

[4] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۵۲۹)] اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔]

[5] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب وجوب استیعاب جمیع اجزاء (۲۴۳) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب تفریق الوضوء (۱۷۳) ابن ماجه : کتاب الطهاة (٦٦٦)]

[6] [صحیح : ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب من توضأ فترك (٦٦٥) بیهقی (۸۳/۱) مسند احمد (۱٤٦/۳)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه ، ارواء الغلیل (۸٦)]

[7] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب تفریق الوضوء (۱۷۵) مسند احمد (۴۲۴/۳)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[8] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب فضل الوضوء (۲۳۰) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبی (۱۰۷)]

میں ہو تو اور بات ہے"[1] مسند و مسلم وغیرہ میں ہے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وضو کی بابت خبر دیجیے آپ نے فرمایا جو شخص وضو کا پانی لے کر کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی دیتا ہے اس کے منہ سے اور نتھنوں سے پانی کے ساتھ ہی خطائیں جھڑ جاتی ہیں جبکہ وہ ناک جھاڑتا پھر جب وہ منہ دھوتا ہے جیسا کہ اللہ کا حکم ہے تو اس کے منہ کی خطائیں داڑھی اور داڑھی کے بالوں سے پانی کے گرنے کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے کہنیوں سمیت تو اس کے ہاتھوں کے گناہ اس کی پوریوں کی طرف سے جھڑ جاتے ہیں، پھر وہ مسح کرتا ہے تو اس کے سر کی خطائیں اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں پھر جب وہ اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت حکم الٰہی کے مطابق دھوتا ہے تو انگلیوں سے پانی ٹپکنے کے ساتھ ہی اس کے پیروں کے گناہ بھی دور ہو جاتے ہیں، پھر وہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے لائق جو حمد و ثنا ہے اسے بیان کر کے دو رکعت نماز جب ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ تولد ہوا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابو امامہ نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے کہا خوب غور کیجیے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے اسی طرح سنا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ایک ہی مقام میں انسان حاصل کر لیتا ہے؟ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ابو امامہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میری ہڈیاں ضعیف ہو چکی ہیں، میری موت قریب آ پہنچی ہے، مجھے کیا فائدہ جو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں، ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ نہیں، میں نے تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سات بار بلکہ اس سے بھی زیادہ سنا ہے، اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔"[2] صحیح مسلم کی دوسری سند والی حدیث میں ہے پھر وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے جیسا کہ اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔"[3] پس صاف ثابت ہوا کہ قرآن حکیم کا حکم پیروں کے دھونے کا ہے۔ ابو اسحاق سبیعی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فی الجنۃ سے بواسطہ حضرت حارث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا دونوں پیر ٹخنوں سمیت دھوؤ جیسے کہ تم حکم کیے گئے ہو"[4] اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں قدم جوتی میں ہی بھگو لیے اس سے مراد جوتیوں میں ہی ہلکا دھونا ہے اور چپل جوتی پیر میں ہوتے ہوئے پیر دھل سکتا ہے غرض یہ حدیث بھی دھونے کی دلیل ہے البتہ اس سے ان وسواسی اور واہمی لوگوں کی تردید ہے جو حد سے گذر جاتے ہیں، اسی طرح وہ دوسری حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر پانی منگوا کر وضو کیا اور اپنے نعلین پر

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الصوم : باب الصائم یصب علیه الماء من العطش (٢٣٦٦) نسائی : کتاب الطهارة : باب المبالغة في الاستنشاق (٨٧) ابن حبان (١٠٥٤)] شیخ البانی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابوداود ، صحیح نسائی]

[2] [صحیح : مسند احمد (١١٢/٤)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صلاة المسافرین : باب اسلام عمرو بن عبسة (٨٣٢)]

[4] [ضعیف : بیهقی (٧١/١)] اس کی سند میں حارث اعور راوی ضعیف ہے۔]

مسح کرلیا'[1] لیکن یہی حدیث دوسری سندوں سے مروی ہے اور ان میں کہ آپ نے اپنی جرابوں پر مسح کیا[2] اور ان میں مطابقت کی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جرابیں پیروں میں تھیں اور ان پر نعلین تھے اور ان دونوں پر آپ نے مسح کرلیا۔

یہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے' مسند احمد میں اوس بن ابو اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دیکھتے ہوئے وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے'[3] یہی روایت دوسری سند سے مروی ہے اس میں آپ کا کوڑے پر پیشاب کرنا پھر وضو کرنا اور اس میں نعلین اور دونوں قدموں پر مسح کرنا مذکور ہے'[4] امام ابن جریر رحمہ اللہ اسے بیان کرتے ہیں' پھر فرمایا ہے کہ یہ محمول اس پر ہے کہ اس وقت آپ کا پہلا وضو تھا (یا یہ محمول ہے اس پر کہ نعلین جرابوں کے اوپر تھے۔مترجم) بھلا کوئی مسلمان یہ کیسے قبول کرسکتا ہے' کہ اللہ کے فریضے میں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تعارض ہو اللہ کچھ فرمائے اور پیغمبر کچھ اور ہی کریں؟ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ کے فعل سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور آیت کا صحیح مطلب بھی یہی ہے جس کے کانوں تک یہ دلیلیں پہنچ جائیں اس پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی۔ چونکہ زبر کی قرات سے پیروں کا دھونا اور زیر کی قرات کا بھی اسی پر محمول ہونا فرضیت کا قطعی ثبوت ہے اس سے بعض سلف تو یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اس آیت سے جرابوں کا مسح ہی منسوخ ہے' گو ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی مروی ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں بلکہ خود آپ سے صحت کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے اور جن کا بھی یہ قول ہے ان کا یہ خیال صحیح نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔مسند احمد میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سورۂ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد ہی میں مسلمان ہوا اور اپنے اسلام کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جرابوں پر مسح کرتے دیکھا۔[5] بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کرتے ہوئے اپنی جرابوں پر مسح کیا ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو فرمایا ہاں یہی کرتے ہوئے میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں کو یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی اس لیے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١١٥٣١)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الوضوء: باب البول قائما وقاعدا (٢٢٤) صحیح مسلم: کتاب الطھارة: باب المسح علی الخفین (٢٧٣) ابن ماجه: کتاب الطھارة (٣٠٥) ابوداؤد: کتاب الطھارة (٢٣) ترمذی: کتاب الطھارة (١٣) مسند احمد (٤/٤٠٢)]

[3] [صحیح: مسند احمد (٤/٨)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود (١٦٠)] تاہم شیخ شعیب ارناؤوط اسے ضعیف کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (١٦١٥٨)]

[4] [صحیح: ابوداؤد: کتاب الطھارة (١٦٠) تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٣٢)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[5] [صحیح: مسند احمد (٤/٣٦٣)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کے راویوں کو ثقہ کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (١٩٢٤١)]

اسلام لانا سورۂ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا تھا۔ [1] احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں تواتر کے ساتھ حضور ﷺ کے قول و فعل سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ اب مسح کی مدت ہے یا نہیں؟ اس کے ذکر کی یہ جگہ نہیں احکام کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے، رافضیوں نے اس میں بھی گمراہی اختیار کی ہے اور اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں صرف جہالت اور ضلالت ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے، [2] لیکن روافض اسے نہیں مانتے، جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہی روایت سے بخاری و مسلم میں نکاح متعہ کی ممانعت ثابت ہے [3] لیکن تاہم شیعہ اسے مباح قرار دیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح یہ آیۂ کریمہ دونوں پیروں کے دھونے پر صاف دلالت کرتی ہے اور یہی امر حضور ﷺ کا متواتر احادیث سے ثابت ہے لیکن شیعہ جماعت اس کی بھی مخالف ہے۔ فی الواقع ان مسائل میں ان کے ہاتھ دلیل سے بالکل خالی ہیں۔ وللہ الحمد۔ اسی طرح ان لوگوں نے آیت کا اور سلف صالحین کا کَعْبَیْن کے بارے میں بھی الٹ مفہوم لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قدم کی پشت ابھار ﴿کعبین﴾ ہے پس ان کے نزدیک ہر قدم میں ایک ہی کعب یعنی ٹخنہ ہے اور جمہور کے نزدیک ٹخنے کی وہ ہڈیاں جو پنڈلی اور قدم کے درمیان ابھری ہوئی ہیں وہ ﴿کعبین﴾ ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ جن ﴿کعبین﴾ کا یہاں ذکر ہے یہ ٹخنے کی دو ہڈیاں ہیں جو ادھر ادھر قدرے ظاہر دونوں طرف ہیں، ایک ہی قدم میں ﴿کعبین﴾ ہیں لوگوں کے عرف میں بھی یہی ہے اور حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کرتے ہوئے اپنے داہنے پاؤں کو ﴿کعبین﴾ سمیت دھویا پھر بائیں کو بھی اسی طرح۔ [4] بخاری میں تعلیقاً بصیغہ جزم اور صحیح ابن خزیمہ میں اور سنن ابی داود میں ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہو کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "اپنی صفیں ٹھیک ٹھیک درست کر لو" تین بار یہ فرما کر فرمایا قسم اللہ کی یا تو تم اپنی صفوں کو پوری طرح درست کرو گے یا اللہ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ راوی حدیث فرماتے ہیں پھر تو یہ ہو گیا کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنہ اور گھٹنے سے گھٹنا اور کندھے سے کندھا ملا لیا کرتا تھا۔ [5] اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ : باب الصلاۃ فی الخفاف (۳۸۷) صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب المسح علی الخفین (۲۷۲) ترمذی : کتاب الطھارۃ (۹۳) نسائی : کتاب الطھارۃ (۱۱۸) ابن ماجه : کتاب الطھارۃ (۵٤۳) مسند احمد (۳٦٤/٥)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب التوقیت فی المسح علی الخفین (۲۷٦)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب غزوۃ خیبر (٤۲۱٦) و کتاب النکاح (٥۱۱٥) صحیح مسلم : کتاب النکاح : باب نکاح المتعۃ (۱٤۰۷) ابن ماجه : کتاب النکاح (۱۹٦۱) ترمذی : کتاب النکاح (۱۱۲۱) نسائی: کتاب النکاح (۳۳٦۸)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوضوء : باب الوضوء ثلاثا ثلاثا (۱٥۹) صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب صفۃ الوضوء و کمالہ (۲۲٦) ابوداؤد : کتاب الطھارۃ : باب صفۃ وضوء النبی (۱۰٦)]

[5] [صحیح : بخاری تعلیقا : کتاب الوضوء : باب الزاق المنکب بالمنك (۷۲٥) ابوداؤد : کتاب الصلاۃ باب تسویۃ الصفوف (٦٦۲)]

﴿کعبین﴾ اس ہڈی کا نام نہیں جو قدم کی پشت کی طرف ہے کیونکہ اس کا ملانا دو پاس پاس کے شخصوں میں ممکن نہیں بلکہ وہی دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کے خاتمے پر ہیں اور یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ ابن ابی حاتم میں یحییٰ بن حارث تیمی سے منقول ہے کہ زید کے جو ساتھی شیعہ قتل کیے گئے تھے انہیں میں نے دیکھا تو ان کا ٹخنہ قدم کی پشت پر پایا یہ انہیں قدرتی سزا تھی جو ان کی موت کے بعد ظاہر کی گئی اور مخالفت حق اور کتمان حق کا بدلہ دیا گیا۔

تیمّم کے مسائل: اس کے بعد تیمّم کی صورتیں اور تیمّم کا طریقہ بیان ہوا ہے اس کی پوری تفسیر سورۂ نساء میں گذر چکی ہے لہٰذا یہاں بیان نہیں کی جاتی۔ آیت تیمّم کا شان نزول بھی وہیں بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کے متعلق خاصتاً ایک حدیث وارد کی ہے اسے سن لیجیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کا بیان ہے کہ میرے گلے کا ہار بیداء میں گر گیا ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری روکی اور میری گود میں سر رکھ کر سو گئے اتنے میں میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ پر بگڑنے لگے کہ تو نے ہار کھو کر لوگوں کو روک دیا اور مجھ کچو کے مارنے لگے جس سے مجھے تکلیف ہوئی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل اندازی نہ ہو اس خیال سے میں ہلی جلی نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب جاگے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کی تلاش کی گئی تو پانی نہ ملا اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے آل ابوبکر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے تمہیں بابرکت بنا دیا ہے تم ان کے لیے سرتاپا برکت ہو۔ [1] پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تم پر حرج ڈالنا نہیں چاہتا اسی لیے اپنے دین کو سہل آسان اور ہلکا کر دیا ہے بوجھل سخت اور مشکل نہیں۔ حکم تو اس کا یہ تھا کہ پانی سے وضو کرو لیکن جب میسر نہ ہو یا بیماری ہو تو تمہیں تیمّم کرنے کی رخصت عطا فرماتا ہے، باقی احکام، احکام کی کتابوں میں ملاحظہ ہوں۔ بلکہ اللہ کی چاہت یہ ہے کہ تمہیں پاک صاف کر دے اور تمہیں پوری پوری نعمتیں عطا فرمائے تا کہ تم اس کی رحمتوں پر اسکی شکر گذاری کرو اس کی توسیع احکام اور رافت ورحمت آسانی اور رخصت پر اس کا احسان مانو۔ وضو کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعا تعلیم فرمائی ہے جو گویا اس آیت کے ماتحت ہے۔ مسند، سنن، صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم باری باری اونٹوں کو چرایا کرتے تھے میں اپنی باری والی رات عشاء کے وقت چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے لوگوں سے کچھ فرما رہے ہیں میں بھی پہنچ گیا اس وقت میں نے آپ سے یہ سنا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کر کے دلی توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے اس کے لیے جنت واجب ہے۔ میں نے کہا واہ واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میری یہ بات سن کر ایک صاحب نے جو میرے آگے ہی بیٹھے تھے فرمایا اس سے پہلے جو بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے آپ مجھ سے فرمانے لگے تم ابھی آئے ہو، تمہارے آنے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص عمدگی اور اچھائی سے وضو کرے پھر کہے ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ﴾ اس

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب فلم تجدوا ماء (٤٦٠٨)]

کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو۔ [1] ایک اور روایت میں ہے کہ جب ایمان واسلام والا وضو کرنے بیٹھتا ہے اس کے منہ دھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کی تمام خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ جھڑ جاتی ہیں اسی طرح ہاتھوں کے دھونے کے وقت ہاتھوں کی تمام خطائیں اور اسی طرح پیروں کے دھونے کے وقت پیروں کی تمام خطائیں ڈھل جاتی ہیں وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ [2] ابن جریر میں جو شخص وضو کرتے ہوئے جب اپنے ہاتھ یا بازوؤں کو دھوتا ہے تو اس سے اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں' منہ کو دھوتے وقت منہ کے گناہ الگ ہو جاتے ہیں' سر کا مسح سر کے گناہ جھاڑ دیتا ہے' پیر کا دھونا ان کے گناہ دھو دیتا ہے۔ [3] دوسری سند میں سر کے مسح کا ذکر نہیں۔ [4] ابن جریر میں ہے جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس کے کانوں سے آنکھوں سے ہاتھوں سے پاؤں سے سب گناہ الگ ہو جاتے ہیں۔ [5] صحیح مسلم شریف میں ہے وضو آدھا ایمان ہے' الحمد للہ کہنے سے نیکی کا پلڑا ابھر جاتا ہے۔ قرآن یا تو تیری موافقت میں دلیل ہے یا تیرے خلاف دلیل ہے' ہر شخص صبح ہی صبح اپنے نفس کی فروخت کرتا ہے پس یا تو اپنے تئیں آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاک کر لیتا ہے [6] اور حدیث میں ہے "مال حرام کا صدقہ اللہ قبول نہیں فرماتا اور بے وضو کی نماز بھی غیر مقبول ہے"۔ [7] (صحیح مسلم) یہ روایت ابوداود طیالسی' مسند احمد' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ [8]

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب الذکر المستحب عقب الوضوء (۲۳۴) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب مایقول الرجل اذا توضاء (۱۶۹) نسائی : کتاب الطهارة : باب القول بعد الفراغ من الوضوء (۱۴۸) ابن ماجه : کتاب الطهارة (۴۷۰) مسند احمد (۱۵۳/۴)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء (۲۴۴) ترمذی : کتاب الطهارة : باب ماجاء فی فضل الطهور (۲) مسند احمد (۳۰۳/۲)]

[3] [صحیح المتن : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۵۴۹)]

[4] [صحیح : مسند احمد (۲۳۵/۴) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۵۴۶)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (۱۹۰۶۴)]

[5] [حسن : مسند احمد (۲۵۲/۵) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۵۴۸)] امام منذریؒ اور امام ہیثمیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [الترغیب والترهیب (۲۱۵/۱) مجمع الزوائد (۲۲۳/۱)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے شواہد کی بنا پر صحیح کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (۲۲۲۰۶)]

[6] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب فضل الوضوء (۲۲۳) ترمذی : کتاب الدعوات (۳۵۱۷) مسند احمد (۳۴۲/۵)]

[7] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب وجوب الطهارة (۲۲۴) ترمذی : کتاب الطهارة (۱) مسند احمد (۲۰/۲)]

[8] [صحیح : ابوداؤد: کتاب الطهارة : باب فرض الوضوء (۵۹) ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب لا یقبل الله صلاة بغیر طهور (۲۷۱) نسائی (۵۶/۵) ابن حبان (۶۰۵/۴)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح الجامع (۱۸۵۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝

تم پر رب کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انہیں یاد رکھو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے جبکہ تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے ○ اے ایمان والو تم للّٰہیت کے ساتھ حق پر قائم ہو جاؤ راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے عدل کیا کرو جو پرہیزگاروں سے متصل ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو یقین مانو کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ○ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لیے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں ○ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جبکہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو مومنوں کو اللہ ہی پر پورا بھروسہ کر لینا چاہیے ○

انعامات کی یاددہانی اور ایمانداروں سے مغفرت کا اور کفار سے جہنم کا وعدہ: اس دین عظیم اور اس رسول کریم ﷺ کو بھیج کر جو احسان اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کیا ہے اسے یاد دلا رہا ہے اور اس عہد پر مضبوط رہنے کی انہیں ہدایت کر رہا ہے جو مسلمانوں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کی تابعداری اور امداد کرنے دین پر قائم رہنے اسے قبول کر لینے اسے دوسروں تک پہنچانے کے لیے کیا ہے اسلام لاتے وقت انہی چیزوں کا ہر مومن اپنی بیعت میں اقرار کرتا تھا چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ ''ہم سنتے رہیں گے اور مانتے چلے جائیں گے خواہ جی چاہے خواہ نہ چاہے خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے اور کسی لائق شخص سے ہم کسی کام کو نہیں چھینیں گے''۔ [1] باری تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول ﷺ تمہیں رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اگر تمہیں یقین ہو۔ اور اس نے تم سے عہد بھی لے لیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ تم سے حضور ﷺ کی تابعداری کے قول و قرار ہو

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الفتن: باب قول النبی سترون بعدی امورا تنکرونها (۷۰۵۶)
صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة (۱۷۰۹)]

چکے ہیں، پھر تمہاری نافرمانی کے کیا معنی؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ''حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکال کر جو عہد اللہ رب العزت نے بنو آدم سے لیا تھا' اسے یاد دلایا جا رہا ہے جس میں فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا کہ ہاں ہم اس پر گواہ ہیں، لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے' سدی رحمہ اللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہی مروی ہے اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو مختار بتایا ہے۔ ہر حال میں انسان کو اللہ کا خوف رکھنا چاہیے۔ دلوں اور سینوں کے بھید سے وہ واقف ہے۔

ایمان والو! لوگوں کو دکھانے کو نہیں بلکہ اللہ کی وجہ سے حق پر قائم ہو جاؤ اور عدل کے ساتھ صحیح گواہ بن جاؤ۔ بخاری و مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دے رکھا تھا' میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے کہا میں تو اس وقت تک مطمئن نہیں ہونے لگی جب تک کہ تم اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنالو' میرے باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے واقعہ بیان کیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنی دوسری اولاد کو بھی ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو' اپنی اولاد میں عدل کیا کرو' جاؤ میں کسی ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ چنانچہ میرے باپ نے وہ صدقہ لوٹا لیا' [1] پھر فرمایا دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آ کر عدل سے نہ ہٹ جانا۔ دوست ہو یا دشمن ہو' تمہیں عدل و انصاف کا ساتھ دینا چاہیے' تقوے سے زیادہ قریب یہی ہے' ھو کی ضمیر کے مرجع پر دلالت فعل نے کر دی ہے جیسے کہ اس کی نظیریں قرآن میں اور بھی ہیں۔ اور کلام عرب میں بھی' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ﴾ [2] یعنی اگر تم کسی مکان میں جانے کی اجازت مانگو اور نہ ملے بلکہ کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ' تو تم واپس چلے جاؤ' یہی تمہارے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ پس یہاں بھی ھو کی ضمیر کا مرجع مذکور نہیں' لیکن فعل کی دلالت موجود ہے یعنی لوٹ جانا اسی طرح مندرجہ بالا آیت میں یعنی عدل کرنا۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہاں پر ﴿ اقرب ﴾ افعل التفضیل کا صیغہ ایسے موقعہ پر ہے کہ دوسری جانب اور کوئی چیز نہیں' جیسے اس آیت میں ہے ﴿أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا﴾ [3] اور جیسے کہ کسی صحابیہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ ((أَنْتَ أَفَظُّ وَأَغْلَظُ مِنْ رَّسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم)) [4] اللہ سے ڈرو! یہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے' ہر خیر و شر کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ وہ ایمان والوں' نیک کاروں سے ان کے گناہوں کی بخشش کا اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ گو دراصل وہ اس رحمت کو صرف فضل الٰہی سے حاصل کریں گے لیکن رحمت کی توجہ کا سبب ان کے نیک اعمال بنے۔ پس حقیقتاً ہر طرح قابل تعریف و ستائش اللہ ہی ہے اور یہ سب کچھ اس کا فضل و رحم ہے۔ حکمت و عدل کا تقاضا یہی تھا کہ ایمانداروں اور

---

[1] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب الهبة : باب الهبة للولد (٢٥٨٦) صحيح مسلم : كتاب الهبات : باب كراهة تفضيل بعض الاولاد (١٦٢٣)]

[2] [سورة النور : آیت ٢٨]　[3] [سورة الفرقان: آیت ٢٤]

[4] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب بدء الخلق : باب صفة ابليس وجنوده (٣٢٩٤) صحيح مسلم : كتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل عمر (٢٣٩٦)]

نیک کاروں کو جنت دی جائے اور کافروں اور جھٹلانے والوں کو جہنم واصل کیا جائے چنانچہ یونہی ہوگا۔

پھر اپنی ایک اور نعمت یاد دلاتا ہے' جس کی تفصیل یہ ہے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل میں اترے' لوگ ادھر ادھر سایہ دار درختوں کی تلاش میں لگ گئے' آپ نے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے۔ ایک اعرابی نے آ کر آپ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے کھینچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اب بتا کہ مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فوراً بے دھڑک جواب دیا کہ اللہ عزوجل۔ اس نے پھر یہی سوال کیا اور آپ نے پھر یہی جواب دیا' تیسری مرتبہ کے جواب کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی' اب آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آواز دی اور جب وہ آ گئے تو ان سے سارا واقعہ کہہ دیا' اعرابی اس وقت بھی موجود تھا لیکن آپ نے اس سے کوئی بدلہ نہ لیا۔ [1] قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے دھوکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہا تھا اور انہوں نے اس اعرابی کو آپ کی گھات میں بھیجا تھا لیکن اللہ نے اسے ناکام اور نامراد رکھا فالحمد للہ۔ اس اعرابی کا نام صحیح احادیث میں غوث بن حارث آیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہودیوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے زہر ملا کر کھانا پکا کر دعوت کر دی' لیکن اللہ نے آپ کو آگاہ کر دیا اور آپ بچ رہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپ کو صدمہ پہنچانا چاہا تھا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنو نضیر کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے آپ کے سر پر گرانا چاہا تھا جبکہ آپ عامری لوگوں کی دیت کے لینے کے لیے ان کے پاس گئے تھے تو ان شریروں نے عمرہ بن جحش بن کعب کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیچے کھڑا کر کے باتوں میں مشغول کر لیں گے تو اوپر سے یہ پھینک کر آپ کا کام تمام کر دینا لیکن راستے ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شرارت وخباثت سے آگاہ کر دیا' آپ مع اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے وہیں سے پلٹ گئے' اسی کا ذکر اس آیت میں ہے' مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے جو کفایت کرنے والا' حفاظت کرنے والا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم سے بنو نضیر کی طرف مع لشکر گئے' محاصرہ کیا' وہ ہارے اور انہیں جلاوطن کر دیا۔ [2]

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ۝ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب غزوة ذات الرقاع (٤١٣٥) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب توکله علی الله تعالی (٨٤٣) مسند احمد (٣/٣٦٤)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١١٥٦٠)]

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا' اور انہی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز کو قائم رکھو گے اور زکوۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے دور کردوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں' اب اس عہد و پیمان کے بعد تم میں سے جو انکاری ہو جائے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا ○ پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیئے' کہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے' ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی ہاں تھوڑے سے ایسے بھی ہیں' پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگذر کرتا رہ' بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بغض عداوت ڈال دی جو تا قیامت رہے گی' اور جو کچھ یہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ انہیں سب جتادے گا ○

عہد شکن قوم بنی اسرائیل: اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عہد و پیمان کی وفاداری' حق پر مستقیم رہنے اور عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا۔ تو اب ان آیتوں میں ان سے پہلے کے اہل کتاب سے جو عہد و میثاق لیا تھا' اس کی حقیقت و کیفیت کو بیان فرما رہا ہے' پھر جبکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان توڑ ڈالے تو ان کا کیا حشر ہوا' اسے بیان فرما کر گویا مسلمانوں کو عہد شکنی سے روکتا ہے۔ ان کے بارہ سردار تھے۔ یعنی بارہ قبیلوں کے بارہ چوہدری تھے جو ان سے ان کی بیعت کو پورا کراتے تھے کہ یہ اللہ اور رسول کے تابع فرمان رہیں اور کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سرکشوں سے لڑنے کے لیے گئے تب ہر قبیلہ میں سے ایک ایک سردار منتخب کر گئے تھے۔ روبیل قبیلے کا سردار شامون بن رکون تھا' شمعونیوں کا چوہدری شافاط بن حری' یہوذا کا کالب بن یوفنا' میخائیل ابن یوسف اور افرائیم کا یوشع بن نون اور بنیامین کے قبیلے کا چوہدری فدظم بن دفون' زبولون کا جدی بن شوری' منشاء کا جدی بن موسیٰ' دان خملائیل ابن حمل' اشار کا ساطور' نفثالی کا بحر اور یساخر کا لایل۔ توراۃ کے چوتھے جز میں بنو اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں کے نام مذکور ہیں۔ جو ان ناموں سے قدرے مختلف ہیں۔ واللہ اعلم۔ موجودہ تورات کے نام یہ ہیں۔ بنو روبیل پر یصور بن سادون' بنی شمعون پر شموال بن صور' بنو یہود پر حشون بن عمیاذب' بنو یساخر پر شال بن صاعون' بنو زبولوں پر الیاب بن حالوب' بنو افرایم پر منشا بن عمنہور۔ بنو منشاء پر حملیائیل بنو بنیامین پر ابیدن۔ بنو دان پر جعیذر بنو اشار

نحایل۔ بنوکان پر سیف بن دعوا ییل۔ بنونفتالی پر اجذع۔ یہ یاد رہے کہ لیلۃ العقبۃ میں جب آنحضرت ﷺ نے انصار سے بیعت لی اس وقت ان کے سردار بھی بارہ ہی تھے۔ تین قبیلہ اوس کے۔ حضرت اسید بن حضیر، حضرت سعد بن خیثمہ اور حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہم بعض روایتوں میں ان کے بدلے حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ اور نو سردار قبیلہ خزرج کے تھے۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، رافع بن مالک بن عجلان، براء بن معرور، عبادہ بن صامت، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن عمرو بن حرام، منذر بن عمر بن حنیش رضی اللہ عنہم انہی سرداروں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغمبر آخر الزمان ﷺ سے فرامین سننے اور ماننے کی بیعت کی۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے، آپ ہمیں اس وقت قرآن پڑھا رہے تھے تو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضور ﷺ سے یہ بھی پوچھا کہ اس امت کے کتنے خلیفہ ہوں گے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جب سے عراق آیا ہوں، اس سوال کو بجز تیرے کسی نے نہیں پوچھا، ہم نے حضور ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا، بارہ ہوں گے، جتنی گنتی بنو اسرائیل کے نقیبوں کی تھی۔ [1] یہ روایت سنداً غریب ہے، لیکن مضمون حدیث بخاری اور مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے، جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے، لوگوں کا کام چلتا رہے گا، جب تک ان کے والی بارہ شخص نہ ہولیں، پھر ایک لفظ حضور ﷺ نے فرمایا لیکن میں نہ سن سکا تو میں نے دوسروں سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے اب کون سا لفظ فرمایا، انہوں نے جواب دیا یہ فرمایا کہ یہ سب قریش ہوں گے"۔ [2] صحیح مسلم میں یہی لفظ ہیں۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ صالح نیک بخت ہوں گے۔ جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پے در پے یکے بعد دیگرے ہی ہوں۔ پس چار خلفاء تو پے در پے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم جن کی خلافت بطریق نبوت رہی۔ انہی بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں۔ بنو عباس میں سے بھی بعض اسی طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد پوری ہونی ضروری ہے اور انہیں میں سے حضرت امام مہدی رحمہ اللہ ہیں، جن کی بشارت احادیث میں آچکی ہے ان کا نام حضور ﷺ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور ﷺ کے

---

[1] [اسنادہ ضعیف: مسند احمد (۱/ ۳۸۹) بزار (۱۵۸۶) مسند ابو یعلی (۵۰۳۱)] اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط اسی کی وجہ سے اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [الموسوعۃ الحدیثیۃ (۳۷۸۱)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاحکام (۷۲۲۲۔ ۷۲۲۳) صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب الناس تبع لقریش (۱۸۲۱) ابوداؤد: کتاب المهدی (۴۲۷۹) ترمذی: کتاب الفتن: باب ماجاء فی الخلفاء (۲۲۲۳) مسند احمد (۵/ ۸۶)]

والد کے نام پر ہوگا' زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم وجبر سے پُر ہوگی [1] لیکن اس سے شیعوں کا امام منتظر مراد نہیں' اس کی تو دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں' نہ سرے سے اس کا کوئی وجود ہے' بلکہ یہ تو صرف شیعہ کی وہم پرستی اور ان کا تخیل ہے' نہ اس حدیث سے شیعوں کے فرقے اثنا عشریہ کے ائمہ مراد ہیں۔ اس حدیث کو ان ائمہ پر محمول کرنا بھی شیعوں کے اس فرقہ کی بناوٹ ہے جو ان کی کم عقلی اور جہالت کا کرشمہ ہے۔ توراۃ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ ہی مرقوم ہے کہ ان کی نسل میں سے بارہ بڑے شخص ہوں گے' اس سے مراد بھی یہی مسلمانوں کے بارہ قریشی بادشاہ ہیں لیکن جو یہودی مسلمان ہوئے تھے' وہ اپنے اسلام میں کچے اور جاہل بھی تھے' انہوں نے شیعوں کے کان میں کہیں یہ صور پھونک دیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے مراد ان کے بارہ امام ہیں' ورنہ حدیثیں اس کے واضح خلاف موجود ہیں۔

اب اس عہد وپیمان کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے لیا تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے رہیں' زکوٰۃ دیتے رہیں' اللہ کے رسولوں کی تصدیق کریں' ان کی نصرت واعانت کریں اور اللہ کی مرضی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کریں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ کی مدد ونصرت ان کے ساتھ رہے گی' ان کے گناہ معاف ہوں گے اور یہ جنتوں میں داخل کیے جائیں گے' مقصود حاصل ہوگا اور خوف زائل ہوگا' لیکن اگر وہ اس عہد وپیمان کے بعد پھر گئے اور اسے غیر معروف کر دیا تو یقیناً وہ حق سے دور ہو جائیں گے' بھٹک اور بہک جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ انہوں نے میثاق توڑ دیا' وعدہ خلافی کی تو ان پر اللہ کی لعنت نازل ہوئی' ہدایت سے دور ہو گئے' ان کے دل سخت ہو گئے اور وعظ وپند سے مستفید نہ ہو سکے' سمجھ بگڑ گئی' اللہ کی باتوں میں ہیر پھیر کرنے لگے' باطل تاویلیں بیان کرنے لگے جو اللہ کے بتائے ہوئے نہ تھے' یہاں تک کہ اللہ کی کتاب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی' وہ اس سے بے عمل ہی نہیں بلکہ بے رغبت ہو گئے۔ دین کی اصل جب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی پھر فروعی عمل کیسے قبول ہوتے؟ عمل چھوٹ جانے کی وجہ سے نہ تو دل ٹھیک رہے' نہ فطرت اچھی رہی۔ نہ خلوص واخلاص رہا' غداری اور مکاری کو اپنا شیوہ بنا لیا۔ نت نئے جال نبی ﷺ اور اصحاب نبی کے خلاف بنتے رہے۔ پھر نبی ﷺ کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے چشم پوشی کیجیے' یہی معاملہ ان کے ساتھ اچھا ہے' جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو تجھ سے اللہ کے فرمان کے خلاف سلوک کرے تو اس سے حکم الٰہی کی بجا آوری کے ماتحت سلوک کر۔ اس میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ ممکن ہے ان کے دل کھچ آئیں' ہدایت نصیب ہو جائے اور حق کی طرف آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یعنی دوسروں کی بدسلوکی سے چشم پوشی کر کے خود نیک سلوک کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "درگذر کرنے کا حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے"۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ "ان نصرانیوں سے بھی ہم نے وعدہ لیا تھا کہ جو رسول آئے گا' یہ اس پر ایمان لائیں گے'

---

[1] [صحیح: ابوداؤد: کتاب المهدی (٤٢٨٢) ترمذی: کتاب الفتن (٢٢٣٠)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود، صحیح ترمذی، الروض النضیر (٥٢/٢)]

اس کی مدد کریں گے اور اس کی باتیں مانیں گے"۔ لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بدعہدی کی، جس کی سزا میں ہم نے ان میں آپس میں عداوت ڈال دی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ ان میں فرقے فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر وملعون کہتے ہیں اور اپنے عبادت خانوں میں بھی نہیں آنے دیتے' ملکیہ فرقہ یعقوبیہ فرقے کو، یعقوبیہ ملکیہ کو کھلے بندوں کافر کہتے ہیں' اسی طرح دوسرے تمام فرقے بھی' انہیں ان کے اعمال کی پوری تنبیہ عنقریب ہوگی۔ انہوں نے بھی اللہ کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے اور اللہ پر تہمتیں لگائی ہیں اس پر بیوی اور اولاد والا ہونے کا بہتان باندھنا ہے' یہ قیامت کے دن بری طرح پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ واحد واحد فرد ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ [1] ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ
الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ؕ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿15﴾ يَّهْدِيْ
بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿16﴾

اے اہل کتاب یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی اکثر وہ باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے اور اکثر درگذر کرتا رہتا ہے' تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آچکی ہے ○ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے ○

نبی کریم ﷺ کی آمد اور خدمات: فرماتا ہے کہ رب الاعلیٰ نے اپنے عالی قدر رسول حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف بھیج دیا ہے' معجزے اور روشن دلیلیں انہیں عطا فرمائی ہیں جو باتیں یہود ونصاریٰ نے بدل ڈالی تھیں' تاویلیں کر کے دوسرے مطلب بنا لیے تھے اور اللہ کی ذات پر بہتان باندھتے تھے' کتاب اللہ کے جو حصے اپنے نفس کے خلاف پاتے تھے' انہیں چھپا لیتے تھے' ان سب علمی بددیانتیوں کو یہ رسول (ﷺ) بے نقاب کرتے ہیں۔ ہاں جس کے بیان کی ضرورت ہی نہ ہو' بیان نہیں فرماتے۔ مستدرک حاکم میں ہے" جس نے رجم کے مسئلہ کا انکار کیا' اس نے بے عملی سے قرآن سے انکار کیا" چنانچہ اس آیت میں اسی رجم کے چھپانے کا ذکر ہے' پھر قرآن عظیم کی بابت فرماتا ہے کہ" اسی نے اس نبی کریم ﷺ پر اپنی یہ کتاب اتاری ہے' جو جویائے حق کو سلامتی کی راہ بتاتی ہے' لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے اور راہ مستقیم کی رہبر ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے اللہ کے انعاموں کو حاصل کر لینا اور اس کی سزاؤں سے بچ جانا بالکل آسان ہوگیا ہے یہ ضلالت کو مٹا دینے والی اور ہدایت کو واضح کر دینے والی ہے"۔

---

[1] [سورۃ الاخلاص]

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۫ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بیشک مسیح ابن مریم اللہ ہی ہے‘ تو ان سے کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے؟ جو اللہ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان وزمین اور ان دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ ہی کا ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے‘ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں‘ تو کہہ دے کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ کیوں سزا دیتا ہے؟ نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو اور وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے‘ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○

عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہنے والوں کا کفر: اللہ تبارک وتعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی مخلوق کو الوہیت کا درجہ دے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے‘ تمام چیزیں اس کی محکوم اور مقدور ہیں‘ ہر چیز پر اس کی حکومت اور ملکیت ہے۔ کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے‘ کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرات کر سکے۔ وہ اگر مسیح کو ان کی والدہ کو اور روئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہے تو بھی کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آڑے آئے‘ اسے روک سکے۔ تمام موجودات اور مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے۔ سب کا مالک اور سب کا حکمران وہی ہے۔ جو چاہے کر گزرے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں‘ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا‘ اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے‘ اس کی عظمت‘ عزت بہت بلند ہے‘ وہ عادل و غالب ہے۔ جسے جس طرح چاہتا ہے بناتا بگاڑتا ہے‘ اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں۔

نصرانیوں کی تردید کے بعد اب یہودیوں اور نصرانیوں دونوں کی تردید ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ پر ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں‘ ہم انبیاء کی اولادیں ہیں اور وہ اللہ کے لاڈلے فرزند ہیں‘ اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل علیہ السلام کو کہا ہے ﴿اَنْتَ اِبْنِیْ بِکْرِیْ﴾ پھر تاویلیں کر کے مطلب الٹ پلٹ کر کے کہتے کہ جب وہ اللہ کے بیٹے ہوئے تو ہم بھی اللہ کے بیٹے اور عزیز ہوئے حالانکہ خود ان ہی میں سے جو عقلمند اور صاحب دین تھے وہ انہیں سمجھاتے تھے کہ ان لفظوں سے صرف بزرگی ثابت ہوتی ہے‘ قرابت داری نہیں۔ اسی معنی کی آیت نصرانی اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنِّیْ

ذَاهِبٌ اِلٰى اَبِىْ وَاَبِيْكُمْ اس سے مراد بھی سگا باپ نہ تھا بلکہ ان کے اپنے محاورے میں اللہ کے لیے یہ لفظ بھی آتا تھا پس مطلب اس کا یہ ہے کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی طرف جارہا ہوں اور عبارت کا مفہوم واضح بتا رہا ہے کہ یہاں اس آیت میں جو نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے، وہی نسبت ان کی تمام امت کی طرف ہے لیکن وہ لوگ اپنے باطل عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ سے جو نسبت دیتے ہیں' اس نسبت کا اپنے اوپر اطلاق نہیں مانتے۔ پس یہ لفظ صرف عزت و وقعت کے لیے تھا نہ کہ کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تمہارے کفر و کذب' بہتان و افتراء پر اللہ تمہیں سزا کیوں کرتا ہے؟ کسی صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ بھی کہیں ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا؟ اس سے کوئی جواب بن پڑا تو صوفی نے یہی آیت تلاوت فرمادی' یہ قول نہایت عمدہ ہے اور اسی کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گذر رہے تھے۔ ایک چھوٹا سا بچہ راستہ میں کھیل رہا تھا' اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی راہ آرہی ہے تو اسے ڈر لگا کہ بچہ روندا نہ جائے میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑتی ہوئی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھالیا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ عورت تو اپنے پیارے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی'' آپ نے فرمایا ''ٹھیک ہے' اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا''۔ [1] یہودیوں کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم بھی منجملہ اور مخلوق کے ایک انسان ہو تمہیں دوسروں پر کوئی فوقیت و فضیلت نہیں' اللہ سبحان و تعالیٰ اپنے بندوں پر حاکم ہے اور وہی ان میں سچے فیصلے کرنے والا ہے' وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے پکڑے' وہ جو چاہے کر گذرتا ہے' اس کا کوئی حاکم نہیں' اسے کوئی رد نہیں کر سکتا' وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق سب اس کی ملکیت ہے۔ اس کے زیر اثر ہے' اس کی بادشاہت تلے ہے' سب کا لوٹنا اسی کی طرف ہے' وہی بندوں کے فیصلے کرے گا' وہ ظالم نہیں عادل ہے' نیکوں کو نیکی اور بدوں کو بدی دے گا' نعمان بن آصا' بحر بن عمرو' شاس بن عدی جو یہودیوں کے بڑے بھاری علماء تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے انہیں سمجھایا بجھایا' آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے سنیے' حضرت آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں' ہم تو اللہ کے بچے اور اس کے پیارے ہیں' یہی نصرانی بھی کہتے تھے پس یہ آیت اتری۔ [2] ان لوگوں نے ایک بات یہ بھی گھڑ کر مشہور کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرائیل علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تیرا پہلوٹھا بیٹا میری اولاد میں سے ہے۔ اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی' اس مدت میں آگ انہیں پاک کر دے گی اور ان کی خطاؤں کو کھا جائے گی' پھر ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ اسرائیل کی اولاد میں سے جو بھی ختنہ شدہ ہوں' وہ نکل آئیں' یہی معنی ہیں ان کے اس قول کے

---

[1] [صحیح : مسند احمد (٣/١٠٤) مسند ابو یعلی (٣٧٤٧) مستدرك حاکم (١/٥٨)] امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (١٢٠١٨)]

[2] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١١٦١٦)] اس کی سند میں محمد بن ابی محمد راوی ضعیف ہے۔]

جو قرآن میں مروی ہے کہ وہ کہتے تھے ہمیں گنتی کے چند ہی دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔

يَآَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ
تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٩

۴۷

اے اہل کتاب بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کی تاخیر کے زمانہ میں آ پہنچا جو تمہارے پاس صاف صاف بیان کررہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی برائی سنانے والا آیا ہی نہیں پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا' اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

نبی کریم ﷺ خاتم الانبیاء: اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے' جس کے بعد کوئی نبی رسول آنے والا نہیں' یہ سب کے بعد ہیں' دیکھ لو حضرت عیسیٰ کے بعد سے لے کر اب تک کوئی رسول نہیں آیا' فترت کی اس لمبی مدت کے بعد یہ رسول آئے۔ بعض کہتے ہیں یہ مدت چھ سو سال کی تھی' [1] بعض کہتے ہیں ساڑھے پانچ سو برس کی' بعض کہتے ہیں پانچ سو چالیس برس کی' [2] کوئی کہتا ہے چار سو کچھ اوپر تیس برس کی۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہمارے نبی ﷺ کے ہجرت کرنے کے درمیان نو سو تینتیس سال کا فاصلہ تھا۔ لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے یعنی چھ سو سال کا' بعض کہتے ہیں چھ سو بیس سال کا فاصلہ تھا۔ ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ پہلا قول شمسی حساب سے ہو اور دوسرا قمری حساب سے ہو اور اس گنتی میں ہر تین سو سال میں تقریباً آٹھ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اسی لیے اہل کہف کے قصے میں ہے۔ ﴿وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾ [3] وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو برس اور زیادہ کیے۔ پس شمسی حساب سے اہل کتاب کو جو مدت ان کی غار کی معلوم تھی' وہ تین سو سال کی تھی' نو بڑھا کر قمری حساب پورا ہو گیا' آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے' حضرت محمد ﷺ تک جو علی الاطلاق خاتم الانبیاء تھے' فترۃ کا زمانہ تھا یعنی درمیان میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے "حضور ﷺ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت اور لوگوں کے میں زیادہ اولیٰ ہوں' اس لیے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں"۔ [4] اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو خیال کرتے ہیں کہ ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی ایک نبی گذرے ہیں' جن کا نام خالد بن سنان تھا جیسے کہ قضاعی وغیرہ نے حکایت کی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ

---

[1] **صحیح**: صحیح بخاری: کتاب مناقب الانصار: باب اسلام سلمان الفارسی (۳۹۴۷)]

[2] [عبدالرزاق (۱/ ۱۸۶)]

[3] [سورۃ الکہف: آیت ۲۵]

[4] **صحیح**: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم (۳۴۴۲-۳۴۴۳) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فضائل عیسیٰ (۲۳۶۵)]

خاتم الانبیاء حبیب اللہ ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لاتے ہیں جبکہ رسولوں کی تعلیم مٹ چکی ہے' ان کی راہیں بے نشان ہو چکی ہیں' دنیا توحید کو بھلا چکی ہے' جگہ جگہ مخلوق پرستی ہو رہی ہے' سورج' چاند' بت' آگ کی پوجا جاری ہے' اللہ کا دین بدل چکا ہے' کفر کی تاریکی نور دین پر چھا چکی ہے' دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی سے بھر گیا ہے' عدل وانصاف بلکہ انسانیت بھی فنا ہو چکی ہے' جہالت وقساوت کا دور دورہ ہے' بجز چند نفوس کے اللہ کا نام لیوا زمین پر نہیں رہا' پس معلوم ہوا کہ آپ کی جلالت وعزت اللہ کے پاس بہت بڑی تھی اور آپ نے جو رسالت کی ذمہ داری ادا کی' وہ کوئی معمولی نہ تھی۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: "مجھے میرے رب کا حکم ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں' جن سے تم ناواقف ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی ہیں' فرمایا ہے میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عنایت فرمایا ہے وہ ان کے لیے حلال کیا ہے' میں نے اپنے سب بندوں کو موحد پیدا کیا ہے' لیکن پھر شیطان ان کے پاس آتا ہے اور انہیں بہکاتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ باوجود دلیل نہ ہونے کے شرک کریں۔ سنو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور تمام عرب وعجم کو ناپسند فرمایا بجز ان چند بقایا بنی اسرائیل کے (جو توحید پر قائم ہیں) پھر (مجھ سے) فرمایا' میں نے تجھے اسی لیے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ تیری آزمائش کروں اور تیری وجہ سے اوروں کی بھی آزمائش کرلوں۔ میں نے تجھ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے' جسے پانی دھو نہیں سکتا جسے تو سوتے جاگتے پڑھتا ہے' پھر مجھے میرے رب نے حکم دیا کہ میں قریشیوں میں پیغام الٰہی پہنچاؤں میں نے کہا یارب یہ تو میرا سر کچل کر روٹی جیسا بنا دیں گے' پروردگار نے فرمایا تو انہیں نکال' جیسے انہوں نے تجھے نکالا تو ان سے جہاد کر' تیری امداد کی جائے گی' تو ان پر خرچ کر' تجھ پر خرچ کیا جائے گا' تو ان کے مقابلے پر لشکر بھیج' ہم اس سے پانچ گنا لشکر اور بھیجیں گے اپنے فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کر' جنتی لوگ تین قسم کے ہیں' بادشاہ عادل' توفیق خیر والا' صدقہ خیرات کرنے والا' رحم دل ہر قرابت دار مسلمان کے ساتھ نرم دلی کرنے والا اور باوجود مفلس ہونے کے حرام سے بچنے والا' حالانکہ اہل وعیال بھی ہے' اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں وہ سفلے لوگ جو بے دین' خوشامد خورے اور ماتحت ہیں' جن کی آل اولاد دھن دولت ہے اور وہ خائن لوگ جن کے دانت چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی ہوتے ہیں اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے اور وہ لوگ جو صبح شام لوگوں کو ان کے اہل ومال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں اور بخیل ہیں فرمایا کذاب اور شنظیر یعنی بدگو"۔ یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔[1]

مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت سچا دین دنیا میں نہ تھا' اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے لوگوں کو اندھیروں سے اور گمراہیوں سے نکال کر اجالے میں اور راہ راست پر لا کھڑا کیا اور انہیں روشن وظاہر شریعت عطا فرمائی۔ اس لیے کہ لوگوں کو عذر نہ رہے' انہیں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا' ہمیں نہ تو

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صفة الجنة : باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا (٢٨٦٥) مسند احمد (٤/ ٢٦٢۔ ٢٦٦) صحیح ابن حبان (٦٥٣) نسائی فی السنن الکبری (٨٠٧١)]

کسی نے کوئی خوشخبری سنائی نہ دھمکایا ڈرایا۔ پس کامل قدرتوں والے اللہ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو ساری دنیا کی ہدایت کے لیے بھیج دیا' وہ اپنے فرمانبرداروں کو ثواب دینے پر اور نافرمانوں کو عذاب کرنے پر قادر ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ
اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ يٰقَوْمِ
ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ
فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا
حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ
الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ
غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ
اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾
قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾
قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا تَاْسَ
عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

ع

یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو اللہ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنا دیا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں سے کسی کو نہیں دیا ○ اے میری قوم والو اس مقدس زمین میں جاؤ جسے اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا پڑو ○ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں۔ اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے ○ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم بہ خوشی چلے جائیں گے۔ دو شخصوں نے جو اللہ ترس لوگوں میں سے تھے جن پر اللہ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازہ میں تو پہنچ جاؤ' دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے۔ تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے ○ قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ جب تک وہ وہاں ہیں تب تک تو ہم ہرگز وہاں جائیں گے ہی نہیں تو آپ اور تیرا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں ○ موسیٰ کہنے لگے اے اللہ مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں فیصلہ اور فرق کر دے ○ ارشاد ہوا کہ اب یہ زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے' یہ خانہ بدوش ادھر ادھر سرگرداں پھرتے رہیں گے' سو تو ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا ○

رحمت الٰہی کی ایک شکل انبیاء کا سلسلہ: حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی جو نعمتیں یاد دلا کر اس کی اطاعت کی طرف مائل کیا تھا' اس کا بیان ہو رہا ہے کہ فرمایا ''لوگو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے ایک کے بعد

ایک نبی تم میں تمہیں میں سے بھیجا“۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد سے انہی کی نسل میں نبوت رہی۔ یہ سب انبیاء علیہم السلام تمہیں دعوت توحید واتباع دیتے رہے۔ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام پر ختم ہوا پھر خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کاملہ عطا ہوئی آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جو اپنے سے پہلے کے تمام رسولوں اور نبیوں سے افضل تھے۔ اللہ آپ پر درود وسلام نازل فرمائے اور تمہیں اس نے بادشاہ بنادیا یعنی خادم دیئے بیویاں دیں گھر بار دیا اور اس وقت جتنے لوگ تھے ان سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں۔ یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہلانے لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں گھر بھی ہے؟ کہا ہاں کہا پھر تو تو غنی ہے اس نے کہا یوں تو میرا خادم بھی ہے آپ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”سواری اور خادم ملک ہے“۔ بنو اسرائیل ایسے لوگوں کو ملوک کہا کرتے تھے۔ بقول قتادہ رحمہ اللہ خادموں کا اول اول رواج ان بنی اسرائیلیوں نے ہی دیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان لوگوں میں جس کے پاس خادم سواری اور بیوی ہو وہ بادشاہ کہا جاتا تھا۔ [1] ایک اور مرفوع حدیث میں ہے ”جس کا گھر ہو اور وہ خادم ہو وہ بادشاہ ہے“۔ [2] یہ حدیث مرسل اور غریب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے ”جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو اس کا نفس امن وامان میں ہو دن بھر کفایت کرے اس کے لیے اتنا مال بھی ہو تو اس کے لیے گویا کل دنیا سمٹ کر آ گئی“۔ [3] اس وقت جو یونانی قبطی وغیرہ تھے ان سے یہ اشرف وافضل بنادیئے گئے تھے اور آیت میں ہے ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب حکم نبوت پاکیزہ روزیاں اور سب پر فضیلت دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب انہوں نے مشرکوں کو دیکھا دیکھی اللہ بنانے کو کہا اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے فضل بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ اس نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔ مطلب سب جگہ یہی ہے کہ اس وقت کے تمام لوگوں پر کیونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہ امت ان سے افضل ہے کیا شرعی حیثیت سے کیا احکامی حیثیت سے کیا نبوت کی حیثیت سے کیا بادشاہت عزت مملکت دولت حشمت مال اولاد وغیرہ کی حیثیت سے خود قرآن فرماتا ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ [4] الخ اور فرمایا ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ [5] الخ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”بنو اسرائیل کے ساتھ اس فضیلت میں امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] [ضعیف: شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے اور دوسرا دراج ابن سمعان راوی ہے جسے امام ابوحاتم رحمہ اللہ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے اور امام نسائی رحمہ اللہ نے اسے منکر الحدیث اور غیر قوی کہا ہے۔]

[2] [مرسل وضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۶۲۹)]

[3] [صحیح: ترمذی: کتاب الزهد (۲۳۴۶) ابن ماجه: کتاب الزهد (٤١٤١)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی، السلسلة الصحیحة (۲۳۱۸)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[4] [سورہ آل عمران: آیت ۱۱۰] [5] [سورة البقرة: آیت ۱٤۳]

بھی شامل کر کے خطاب کیا گیا ہے" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "بعض امور میں انہیں فی الواقع علی الاطلاق فضیلت دی گئی تھی جیسے من وسلویٰ کا اترنا' بادلوں سے سایہ مہیا کرنا وغیرہ جو خلاف عادت چیزیں تھیں" ۔ یہ قول اکثر مفسرین کا ہے جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مراد اس سے ان کے اپنے زمانے والوں پر انہیں فضیلت دیا جانا ہے واللہ اعلم۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ "بیت المقدس دراصل ان کے دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں انہی کے قبضے میں تھا اور جب وہ مع اپنے اہل وعیال کے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر چلے گئے تو یہاں عمالقہ قوم اس پر قبضہ جما بیٹھی' وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں کی تھی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو اللہ تمہیں ان پر غالب کرے گا اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اس کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادی تیہ میں حیران وسرگرداں خانہ بدوشی میں رہنا پڑتا ہے' مقدسہ سے مراد پاک ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ وادی طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے ایک روایت میں اریحاء کا ذکر ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں' اس لیے کہ نہ تو اریحاء کا فتح کرنا مقصود تھا' نہ وہ ان کے راستے میں تھا' کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں سے آ رہے تھے اور بیت المقدس جا رہے تھے یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مشہور شہر ہو جو طور کی طرف بیت المقدس کے مشرقی رخ پر تھا' "اللہ نے اسے تمہارے لیے لکھ دیا ہے" مطلب یہ ہے کہ تمہارے باپ اسرائیل سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری اولاد کے باایمان لوگوں کے ورثے میں آئے گا' تم اپنی پیٹھوں پر مرتد نہ ہو جاؤ۔ یعنی جہاد سے منہ پھیر کر تھک کر نہ بیٹھ جاؤ' ورنہ زبردست نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ جس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ جس شہر میں جانے اور جن شہریوں سے جہاد کرنے کے لیے آپ فرما رہے ہیں' ہمیں معلوم ہے کہ وہ بڑے قوی طاقتور اور جنگجو ہیں' ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے' جب تک وہ وہاں موجود ہیں' ہم اس شہر میں نہیں جاسکتے' ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں تو ہم چلے جائیں گے' ورنہ آپ کے حکم کی تعمیل ہماری طاقت سے باہر ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اریحاء کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے بارہ جاسوس مقرر کیے' بنو اسرائیل کے ہر قبیلے میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحاء میں بھیجا کہ صحیح خبریں لے آئیں۔ یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوف زدہ ہو گئے' ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے' اتفاقاً باغ والا پھل توڑنے کے لیے آ گیا' وہ پھل توڑتا ہوا ان کے قدموں کے نشان ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی ساتھ اپنی گٹھڑی میں باندھ لیا اور جا کر بادشاہ کے سامنے باغ کے پھل کی گٹھڑی کھول کر ڈال دی' جس میں یہ سب کے سب تھے' بادشاہ نے انہیں کہا اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا ہے' تمہیں قتل نہیں کرتا جاؤ واپس جاؤ اور اپنے لوگوں سے ہماری قوت بیان کر دو۔ چنانچہ انہوں نے جا کر سب حال بیان کیا جس سے بنو اسرائیل رعب میں آ گئے" ۔ لیکن اس کی اسناد ٹھیک نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان بارہ لوگوں کو ایک شخص نے پکڑ لیا اور اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ کر شہر میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے انہیں ڈال دیا' انہوں نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا کہ ہم موسیٰ کی قوم کے لوگ ہیں' ہم تمہاری خبریں لینے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے ایک انگور ان کو دیا جو ایک شخص کو کافی تھا اور کہا جاؤ ان سے کہہ دو کہ یہ ہمارے میوے ہیں۔

انہوں نے واپس جا کر قوم سے سب حال کہہ دیا، اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جہاد کا اور اس شہر میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جائیں اور لڑیں، ہم تو یہاں سے ہلنے کے بھی نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک بانس لے کر ناپا جو پچاس یا پچپن ہاتھ کا تھا، پھر اسے گاڑ کر فرمایا ''ان عمالیق کے قد اس قدر لمبے تھے''۔ مفسرین نے یہاں پر اسرائیلی روایتیں بہت سی بیان کی ہیں کہ یہ لوگ اس قدر قوی تھے، اتنے موٹے اور اتنے لمبے قد کے تھے، انہی میں عوج بن عنق بنت حضرت آدم تھا، جس کا قد لمبائی میں تین ہزار تین سو تینتیس (۳۳۳۳) گز کا تھا اور چوڑائی اس کے جسم کی تین گز کی تھی لیکن یہ سب باتیں واہی ہیں، ان کے تو ذکر سے بھی حیا مانع ہے، پھر یہ صحیح حدیث کے خلاف بھی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ پیدا کیا تھا، پھر سے آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے[1] ان اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ عوج بن عنق کافر تھا اور ولد الزنا تھا یہ طوفان نوح میں تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں نہ بیٹھا تھا، تاہم پانی اس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا تھا۔ یہ محض لغو اور بالکل جھوٹ ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے، قرآن کریم میں نوح علیہ السلام کی دعا یہ مذکور ہے کہ زمین پر ایک کافر بھی نہ بچنا چاہیے، یہ دعا قبول ہوئی اور یہی ہوا بھی، قرآن فرماتا ہے ''ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کی کشتی والوں کو نجات دی، پھر باقی کے سب کافروں کو غرق کر دیا''۔ خود قرآن میں ہے کہ ''آج کے دن بجز ان لوگوں کے جن پر رحمت حق ہے، کوئی بھی بچنے کا نہیں''، تعجب سا تعجب ہے کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا بھی جو ایماندار نہ تھا بچ نہ سکا لیکن عوج بن عنق کافر ولد الزناء بچ رہے۔ یہ بالکل عقل و نقل کے خلاف ہے بلکہ ہم تو سرے سے اس کے بھی قائل نہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص تھا۔ واللہ اعلم۔ بنی اسرائیل جب اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے بلکہ ان کے سامنے سخت کلامی اور بے ادبی کرتے ہیں تو دو شخص جن پر اللہ کا انعام و اکرام تھا، وہ انہیں سمجھاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف تھا، وہ ڈرتے تھے، کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں عذاب الٰہی نہ آجائے، ایک قرات میں ﴿یَخَافُوْنَ﴾ کے بدلے ﴿یُهَابُوْنَ﴾ ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ''ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت و عظمت تھی''، ایک کا نام حضرت یوشع بن نون تھا دوسرے کا نام کالب بن یوفنا تھا''۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم اللہ پر بھروسہ رکھو گے، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کر دے گا اور وہ تمہاری مدد اور تائید کرے گا اور تم اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤ گے، تم دروازے تک تو چلے چلو، یقین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے۔ لیکن ان نامرادوں نے اپنا پہلا جواب اور مضبوط کر دیا اور کہا کہ اس جبار قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے دیکھ کر بہت سمجھایا یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور انہیں بہت کچھ ملامت کی۔ لیکن یہ بدنصیب اور اکڑ گئے، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو انہوں نے پتھروں سے شہید کر دیا، ایک طوفان بدتمیزی شروع ہو گیا اور بے طرح

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب خلق آدم وزریته (۳۳۲۶) صحیح مسلم: کتاب الجنة: باب یدخل الجنة اقوام (۲۸۴۱) مسند احمد (۲/۳۱۵)]

مخالفت رسول ﷺ پر تل گئے۔ ان کے اس حال کو سامنے رکھ کر پھر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے حال کو دیکھئے کہ جب نو سو یا ایک ہزار کا فرا اپنے قافلے کو بچانے کے لئے چلے' قافلہ تو دوسرے راستے سے نکل گیا لیکن انہوں نے اپنی طاقت وقوت کے گھمنڈ پر رسول ﷺ کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی امیدوں پر پانی پھیرنا' سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رخ کیا' ادھر حضور ﷺ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ بتاؤ اب کیا کرنا چاہئے؟ اللہ ان سب سے خوش رہے' انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے اپنے مال اپنی جانیں اور اپنے اہل عیال سب رکھ دیئے اور کہا: حضور مالک ﷺ ہیں ہم نہ تعداد کو دیکھتے ہیں نہ غلبے کو دیکھتے ہیں نہ اسباب پر نظریں ہیں' بلکہ حضور ﷺ کے فرمان پہ قربان ہیں۔ سب سے پہلے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی گفتگو کی' پھر مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کئی ایک نے اسی قسم کی تقریر کی۔ لیکن پھر بھی آپ نے فرمایا اور بھی کوئی شخص اپنا ارادہ ظاہر کرنا چاہے تو کرے' آپ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ انصار کا دلی ارادہ معلوم کریں' اس لیے کہ یہ جگہ انہی کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے شاید آپ کا ارادہ ہماری منشاء معلوم کرنے کا ہے۔ ''سنیے یا رسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ سچا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کر کے فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ تو بغیر کسی پس وپیش کے اس میں کود جائیں گے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ ہم سے ایک بھی نہ ہو گا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے' حضور ﷺ آپ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیں شوق سے لے چلیے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں' آپ جان لیں گے کہ ہم اللہ کی ملاقات کو سچ جاننے والے لوگ ہیں' آپ اللہ کا نام لیجیے' کھڑے ہو جائیے' ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر ان شاء اللہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی'' یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ خوش ہو گئے اور آپ کو انصار رضی اللہ عنہم کی یہ باتیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئیں۔'' [1] ایک روایت میں ہے کہ بدر کی لڑائی کے موقعہ پر آپ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ کہا پھر انصاریوں نے کہا کہ اگر آپ ہماری سننا چاہتے ہیں' تو سنیے ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں' جو کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑ یں' ہم یہاں بیٹھے ہیں' بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ اللہ کی مدد لے کر جہاد کے لیے چلیے' ہم جان و مال سے آپ کے ساتھ ہیں۔ [2] حضرت مقداد انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی کھڑے ہو کر یہی فرمایا تھا۔ [3] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اللہ کے رسول ﷺ خوش ہو گئے' [4] انہوں نے کہا تھا کہ حضور ﷺ لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الجهاد : باب غزوة بدر (١٧٧٩) مسند احمد (٣/٢١٩)]

[2] [صحیح : احمد (٣/١٠٥) نسائی فی فضائل الصحابة (٢٤٣) مسند ابو یعلی (٣٧٦٦) صحیح ابن حبان (٤٧٢١)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (١٢٩٥٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [مسند احمد (٤/٣١٤) الدر المنثور للسیوطی (٢/٤٨٠)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب قوله فاذهب انت وربك (٤٦٠٩)]

کہ آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہم ہوں گے۔ [1] کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کو اس قدر خوش کر سکتا۔ ایک روایت میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا یہ قول حدیبیہ کے دن مروی ہے [2] جبکہ مشرکین نے آپ کو عمرہ کے لیے بیت اللہ شریف جاتے ہوئے راستے میں روکا اور قربانی کے جانور بھی ذبح کی جگہ نہ پہنچ سکے تو آپ نے فرمایا میں تو اپنی قربانی کے جانور کو لے کر بیت اللہ پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم اصحاب موسیٰ علیہ السلام کی طرح نہیں کہ انہوں نے اپنے نبی ﷺ سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑ لو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم کہتے ہیں حضور ﷺ آپ چلیے اللہ کی مدد آپ کے ساتھ ہو اور ہم سب کے سب آپ کے ساتھی ہیں، یہ سن کر اصحاب رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرح جاں نثاروں کے وعدے کرنے شروع کر دیئے۔ پس اگر اس روایت میں حدیبیہ کا ذکر محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ بدر والے دن بھی آپ نے یہ فرمایا ہو اور حدیبیہ والے دن بھی یہی فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کا یہ جواب سن کر ان پر بہت غصہ آیا اور اللہ کے سامنے ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا کہ ''رب العالمین مجھے تو اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے، تو میرے اور میری قوم کے ان فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما''۔ جناب باری نے یہ دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ اب چالیس سال تک یہاں سے جا نہیں سکتے۔ وادی تیہ میں حیران و سرگرداں گھومتے پھرتے رہیں گے، کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ یہاں انہوں نے عجیب و غریب خلاف عادت امور دیکھے مثلاً ابر کا سایہ ان پر ہونا، من و سلویٰ کا اترنا۔ ایک ٹھوس پتھر سے، جو ان کے ساتھ تھا، پانی کا نکلنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً ہی اس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے اور ہر قبیلے کی طرف ایک چشمہ بہہ نکلا، اس کے سوا اور بھی بہت سے معجزے بنو اسرائیل نے وہاں پر دیکھے، یہیں تورات اتری، یہیں احکام الٰہی نازل ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی میدان میں چالیس سال تک یہ گھومتے پھرتے رہے لیکن کوئی راہ وہاں سے گذر جانے کی انہیں نہ ملی۔ ہاں ابر کا سایہ ان پر کر دیا گیا اور من و سلویٰ اتار دیا گیا۔ فتون کی مطول حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سب مروی ہے۔ پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور اس کے تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے، پھر آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبی بنائے گئے۔ اسی اثنا میں بہت سے بنی اسرائیل مر مرا چکے تھے، بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف حضرت یوشع اور کالب ہی باقی رہے تھے۔ بعض مفسرین ﴿سَنَةً﴾ پر وقف تام کرتے ہیں اور ﴿اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ کو نصب کی حالت میں مانتے ہیں اور اس کا عامل ﴿يَتِيْهُوْنَ فِى الْاَرْضِ﴾ کو بتلاتے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت کے گذر جانے کے بعد جو بھی باقی تھے، انہیں لے کر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نکلے اور دوسرے پہاڑ سے بھی باقی بنو اسرائیل ان کے ساتھ ہو لیے اور آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد جب کہ فتح کا وقت آ پہنچا دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے، اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور سورج ڈوبنے کے بعد ہفتے کی تعظیم کی وجہ

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۱/ ۳۸۹)]

[2] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۶۸۶)]

سے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی اس لیے اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا اے سورج تو بھی اللہ کا غلام ہے اور میں بھی اللہ کا محکوم ہوں' اے اللہ اسے ذرا سی دیر روک دے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے سورج رک گیا اور آپ نے دلجمعی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو کہہ دو اس شہر کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کہیں یعنی یا اللہ ہمارے گناہ معاف فرما۔ لیکن انہوں نے اللہ کے حکم کو بدل دیا۔ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور زبان سے ((حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ)) کہتے ہوئے شہر میں گئے' مزید تفصیل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے' دوسری روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس قدر مال غنیمت انہیں حاصل ہوا کہ اتنا مال کبھی انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ فرمان رب کے مطابق اسے آگ میں جلانے کے لیے آگ کے پاس لے گئے لیکن آگ نے اسے جلایا نہیں اس پر ان کے نبی حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا ''تم میں سے کسی نے اس میں سے کچھ چرا لیا ہے پس میرے پاس ہر قبیلے کا سردار آئے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرے''۔ چنانچہ یونہی کیا گیا' ایک قبیلے کے سردار کا ہاتھ اللہ کے نبی علیہ السلام کے ہاتھ سے چپک گیا' آپ نے فرمایا ''تیرے پاس جو بھی خیانت کی چیز ہے' اسے لے آ''۔ اس نے ایک گائے کا سر سونے کا بنا ہوا پیش کیا' جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے تھے' جب وہ بھی دوسرے مال کے ساتھ ڈال دیا گیا' اب آگ نے اس سب مال کو جلا دیا۔ امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ﴿ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ﴾ میں ﴿ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ ﴾ عامل ہے' اور بنی اسرائیل کی یہ جماعت چالیس برس تک اسی میدان تیہ میں سرگرداں رہی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ لوگ نکلے اور بیت المقدس کو فتح کیا اور اس کی دلیل اگلے علماء یہود کا اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے ہی قتل کیا ہے۔ اگر اس کا قتل عمالیق کی اس جنگ سے پہلے کا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل جنگ عمالیق کا انکار کر بیٹھتے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تیہ سے چھوٹنے کے بعد کا ہے' علماء یہود کا اس پر بھی اجماع ہے کہ بلعام بن باعورا نے قوم عمالیق کے جباروں کی اعانت کی اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کی۔ یہ واقعہ بھی اس میدان کی قید سے چھوٹنے کے بعد کا ہے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے تو جباروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے کوئی ڈر نہ تھا۔ ابن جریر رحمہ اللہ کی یہی دلیل ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور آپ کا قد بھی دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ زمین سے اچھل کر آپ نے عوج بن عنق کو وہ عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا' اس کے جثے سے نیل کا پل بنایا گیا تھا' جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین گز کا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم و رنج نہ کر' وہ اسی جیل خانے کے مستحق ہیں' اس واقعہ میں درحقیقت یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کا ذکر ہے اور ان کی مخالفتوں کا اور برائیوں کا بیان ہے یہ دشمنان رب سختی کے وقت اللہ کے دین پر قائم نہیں رہتے تھے' رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے تھے' جہاد سے جی چراتے تھے' اللہ کے اس کلیم و بزرگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کا' ان کے وعدے کا' ان کے حکم کا کوئی پاس انہوں نے نہیں کیا' دن رات معجزے دیکھتے تھے' فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں دیکھ لی تھی اور اسے کچھ زمانہ بھی نہ گذرا تھا' اللہ کے بزرگ کلیم پیغمبر ساتھ ہیں' وہ نصرت و فتح کے وعدے کر رہے ہیں' مگر یہ ہیں کہ اپنی بزدلی میں مرے جا

رہے ہیں' اور نہ صرف انکار بلکہ ہولناکی کے ساتھ انکار کرتے ہیں' نبی اللہ کی بے ادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دیتے ہیں۔ اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہیں کہ فرعون جیسے باسامان بادشاہ کو اس کے سازوسامان اور لشکر و رعیت سمیت اس رب نے ڈبو دیا۔ لیکن پھر بھی اسی بستی والوں کی طرف اللہ کے بھروسے پر اس کے حکم کی ماتحتی میں نہیں بڑھتے حالانکہ یہ تو فرعون کے دسویں حصہ میں بھی نہ تھے۔ پس اللہ کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے' ان کی بزدلی دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے اور آئے دن ان کی رسوائی اور ذلت بڑھتی جاتی ہے۔ گو یہ لوگ اپنے تئیں اللہ کے محبوب جانتے تھے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ رب کی نظروں سے یہ گر گئے تھے' دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے' سور بندر بھی بنائے گئے' لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذاب اخروی کے دائمی شکار بنائے گئے۔ پس تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے' جس کی فرمانبرداری تمام بھلائیوں کی کنجی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ ۖ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٨﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ۚ قَالَ يَا وَيْلَتَا أَعَجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَٰذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِيَ سَوْءَةَ أَخِي ۖ فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿٣١﴾

آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنادو' ان دونوں نے ایک ایک نذرانہ پیش کیا ان میں سے ایک کی نذر تو قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی' تو وہ کہنے لگا کہ میں تو تجھے مار ہی ڈالوں گا' اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقوے والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے ○ گو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا' میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں ○ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے' ظالموں کا یہی بدلہ ہے ○ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا ○ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تا کہ اسے دکھادے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپائے' وہ کہنے لگا ہائے افسوس کیا میں ایسا ہونے سے بھی گیا گذرا؟ کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا؟ پھر تو بڑا ہی پشیمان اور شرمندہ ہو گیا ○

حسد و بغض کا انجام: اس قصے میں حسد و بغض سرکشی اور تکبر کا بد انجام بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہو گئی اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بنا اور مارڈالا گیا اور اپنا ٹھکانا جنت میں بنالیا اور دوسرے

نے اسے ظلم وزیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہان میں برباد ہوا۔ فرماتا ہے "اے نبی ﷺ انہیں حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بے کم وکاست قصہ سنادو۔ ان دونوں کا نام ہابیل وقابیل تھا۔ مروی ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی' اس لیے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ایک حمل سے لڑکی لڑکا دو ہوتے تھے' پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح تو اس حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرادیا جاتا تھا' ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کرلے' حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے منع کیا آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ کے نام پر کچھ نکالو' جس کی خیرات قبول ہوجائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کردیا جائے گا۔ ہابیل کی خیرات قبول ہوگئی' پھر وہ ہوا جس کا بیان قرآن کی ان آیتوں میں ہے "مفسرین کے اقوال سنیئے" "حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا بیان فرمانے کے بعد مروی ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا' قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب رو تھی۔ جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کردیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا' حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے روکا۔ اب ان دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہوجائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے حضرت آدم علیہ السلام اس وقت مکہ چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانتے ہو؟ آپ نے کہا نہیں حکم ہوا مکے میں ہے تم وہیں جاؤ' حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے کہا کہ میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا زمین سے کہا اس نے بھی انکار کیا' پہاڑوں سے کہا انہوں نے بھی انکار کیا' قابیل سے کہا اس نے کہا ہاں میں محافظ ہوں' آپ جائیے آکر ملاحظہ فرمالیں گے اور خوش ہوں گے۔ اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ مینڈھا اللہ کے نام پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ کے لیے نکالا۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلاگئی' جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی' اس کی کھیتی یونہی رہ گئی' اس نے راہ للہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالیں تھیں۔ چونکہ قابیل اب مایوس ہوچکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آسکتی' اس لیے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مینڈھا جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ مینڈھا ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب ومحبوب جانور اللہ کے نام اور خوشی کے ساتھ قربان کیا' برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بے دلی سے اللہ کے نام نکالی۔ ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں بھی قابیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کی ظلم وزیادتی سہ لی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ چونکہ آپ ہابیل کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس کے لیے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہوگئی۔ اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اکھاڑ ڈالوں۔ موقع کا منتظر تھا ایک روز اتفاقاً حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو

بھیجا۔ یہ ایک چھری اپنے ساتھ لے کر چلا' راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی' تو اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اس پر ہابیل نے کہا میں نے بہترین' عمدہ' محبوب اور مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے بے کار بے جان چیز نکالی' اللہ تعالیٰ اپنے متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔ اس پر وہ اور بگڑا اور چھری گھونپ دی' ہابیل کہتے رہ گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بری طرح لیا جائے گا۔ اللہ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا۔ قابیل نے اپنی توامہ بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں' اس لیے میں ہی اس کا حقدار ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے اور ہابیل نے گائے قربان کی تھی۔ چونکہ اس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے' اس لیے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا جاتی یہ قبولیت کا نشان تھا۔ اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی' بڑا بھائی حسد کی آگ میں بھڑکا اور اس کے قتل کے درپے ہوگیا' یونہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی۔ نکاح کے اختلاف کو مٹانے کی وجہ نہ تھی' قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ ناراضگی کا باعث عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور۔ ایک روایت مندرجہ روایتوں کے خلاف یہ بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی اللہ کے نام نذر دی تھی جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے بھی خلاف ہے واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا رہے' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگ میدان قیامت میں ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیزگار کہاں ہیں؟ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے اور اللہ کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے اللہ تعالیٰ نہ ان سے رخ پوشی کرے گا نہ پردہ۔ راوی حدیث ابوعفیف سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا وہ جو شرک اور بت پرستی سے بچے اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی' وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سن کر اس سے کہتا ہے کہ تو جو چاہے کر' میں تو تیری طرح نہیں کروں گا بلکہ میں صبر وضبط کروں گا' تجھے تو زور وطاقت میں یہ اس سے زیادہ مگر اپنی بھلائی' نیک بختی اور تواضع وفروتنی اور پرہیزگاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہو جائے لیکن مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہوسکتا' میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے۔

بخاری ومسلم میں ہے کہ "جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں"۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ [1] حضرت

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الایمان (٣١) و کتاب الدیات (٦٨٧٥) و کتاب الفتن (٧٠٨٣) صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب اذ تواجه المسلمان بسفیهما (٢٨٨٨) نسائی : کتاب المحاربة : باب تحریم القتل (٤١٢٣) ابوداؤد : کتاب الفتن : باب النهی عن القتال فی الفتنة (٤٢٦٨) مسند احمد (٤٦/٧ ـ ٤٧) صحیح ابن حبان (٥٩٤٥)]

سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے اس وقت جبکہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو گھیر رکھا تھا کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''عنقریب فتنہ برپا ہوگیا۔ بیٹھا رہنے والا اس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہو گا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا''۔ کسی نے پوچھا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے''۔ آپ نے فرمایا پھر بھی تو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح ہو جا۔ (۱) ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ (۲) حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اس امت میں سے سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا وہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں''۔ ایک مرتبہ ایک جانور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے اور آپ کے ساتھ ہی آپ کے پیچھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ تھے' آپ نے فرمایا ابوذر بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ جا سکیں گے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا جو حکم رب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو فرمایا صبر کرو۔ پھر فرمایا جبکہ آپس میں خونریزی ہوگی یہاں تک کہ ریت کے تھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کر لے کہا پھر اگر چہ میں نہ میدان میں اتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا' جن کا تو ہے اور وہیں رہ۔ عرض کیا کہ پھر میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں؟ فرمایا پھر تو تو بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعاعیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تاکہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لے جائے۔ (۳) حضرت ربعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں تھے' ایک صاحب نے کہا میں نے مرحوم سے سنا ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دور دراز گھر میں چلا جاؤں گا اور اسے بند کر بیٹھ جاؤں گا' اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے تو میں کہہ دوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے پس میں حضرت آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا' اس کی طرح ہو جاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر رکھ لے جائے۔ یعنی تیرے وہ گناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ یہ مطلب بھی حضرت

---

(۱) [صحیح : ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجآء انه تکون فتنة القاعد (۲۱۹٤) مسند احمد (۱/۱۸۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی ، ارواء الغلیل (۸/۱۰٤)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(۲) [صحیح : ابوداؤد : کتاب الفتن : باب فی النهی عن السعی فی الفتنة (٤۲۵۷) مسند احمد (۱/۱٦۸) [شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[ارواء الغلیل (۸/۱۰٤)]

(۳) [صحیح : ابوداؤد : کتاب الفتن : باب فی النص عن السعی فی الفتنة (٤۲٦۱) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب التثبت فی الفتنة (۳۹۵۸) مسند احمد (۵/۱٦۳)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابوداود ، ارواء الغلیل (۲٤۵۱)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میری خطائیں بھی تجھ پر آ پڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ لیکن انہی سے ایک قول پہلے جیسا بھی مروی ہے، ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو۔ اسی بنا پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر بار کر لیتا ہے۔ اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔ بزار میں ایک حدیث ہے کہ "بے سبب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے"۔ گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں، تاہم یہ بھی صحیح نہیں اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذاء کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اب وہ قاتل پر آ جاتے ہیں۔ یہ بات ثابت نہیں ممکن ہے بعض قاتل ویسے بھی ہوں، قاتل کو میدان قیامت میں مقتول ڈھونڈتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لے جائے گا۔ اور سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پڑ جائیں کیونکہ ظلم کے اس طرح کے بدلے لیے جانے احادیث سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑھ کر ظلم ہے اور سب سے بدتر۔ واللہ اعلم۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے جائے، تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آ جائیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا سزا ملتی ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جائیں، اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہابیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوف زدہ کیا کہ اس کام سے باز آ جا، ورنہ گنہگار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے ہی کا نہیں، سارا بوجھ تجھ ہی پر ہوگا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اس نصیحت کے باوجود اس کے نفس نے اسے دھوکا دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آ کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا، اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کر لی اور لوہے سے اسے مار ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے، یہ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا، یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے، بعض کہتے ہیں مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر، گلا دبا دبا کر ان کی جان لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اسے دوسرا پتھر زور سے دے مارا، جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا، یہ دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا، اس لیے قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا، کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا۔ یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کچل ڈال، جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حوا علیہا السلام کے پاس آیا اور کہا قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا، انہوں نے پوچھا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا پیتا ہے نہ بولتا چالتا ہے کہا شاید

موت آ گئی اس نے کہا ہاں وہی موت ۔ اب تو مائی صاحبہ چیخنے چلانے لگیں، اتنے میں حضرت آدم علیہ السلام آئے پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکیں، آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرط غم ورنج کی وجہ سے انکی زبان نہ اٹھی تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں۔ قابیل خسارے ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا، دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے، اس کے خون کا بوجھ آدم علیہ السلام کے اس لڑکے پر بھی پڑتا ہے، اس لیے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے''۔ [1] مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''قاتل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے اس دن سے لٹکا دیا گیا اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا، اس کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے، جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے''۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''جہنم کا آدھوں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے، سب سے بڑا معذب یہی ہے زمین کے ہر قتل کے گناہ کا حصہ اس کے ذمہ ہے''۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے''۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے، کس طرح اسے چھپائے؟ تو اللہ نے دو کوے بھیجے، وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے، یہ اس کے سامنے لڑنے لگے، یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی، یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آ گئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا۔ یہ بھی مروی ہے کہ سال بھر تک قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کندھے پر لادے لادے پھرتا رہا، پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا، یہ بھی کہا گیا مار ڈال کر پھر پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لیے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا۔
اہل توراۃ کہتے ہیں کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر؟ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے، تجھ پر میری لعنت ہے، اس زمین میں جس کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بے گناہ بھائی کا خون پلایا ہے، اب تو زمین میں جو کچھ کام کرے گا وہ اپنی کھیتی میں سے تجھے کچھ نہیں دے گی، یہاں تک کہ تم زمین پر عمر بھر بے چین بھٹکتے رہو گے پھر تو قابیل بڑا ہی نادم ہوا۔ نقصان کے ساتھ ہی پچھتاوا گویا عذاب پر عذاب تھا۔
اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر تو متفق ہیں کہ یہ تو دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے اس کا

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب خلق آدم وذریته (۳۳۳۵) و کتاب الاعتصام (۷۳۲۱) صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب اثم من سن القتل (۱۶۷۷) ترمذی : کتاب العلم : باب ماجاء أن الدال علی الخیر کفاعله (۲۶۷۳) ابن ماجه : کتاب الدیات : باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما (۲۶۱۶) نسائی : کتاب المحاربة : باب تحریم الدم (۳۹۹۰) مسند احمد (۱/ ۳۸۲)]

ایک حصہ بوجھ اور گناہ کا حضرت آدم علیہ السلام کے اس پہلے لڑکے پر ہوتا ہے' اس لیے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے' [1] لیکن حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ '' یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے' قربانی سب سے پہلے انہی میں آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا ہے''۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے '' تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برے کو چھوڑ دو''۔ [2] یہ حدیث مرسل ہے کہتے ہیں کہ اس صدمے سے حضرت آدم علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی' آخر فرشتوں نے ان کے غم کے دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں۔ زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بد صورت ہو گئی' ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی۔ اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندے نے بھی گویا اپنے آپ کو ہلاک کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی' اس کا بوجھ اس پر آ گیا' [3] بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو اسی وقت سزا دی گئی چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے لٹکا دی گئی اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا یعنی جدھر سورج ہوتا ادھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد ان کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے۔ [4] تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں ﴿فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ (یہ یاد رہے کہ اس قصہ کی تفصیلات جس قدر بیان ہوئی ہیں' ان میں سے اکثر و بیشتر حصہ اہل کتاب سے اخذ کیا ہوا ہے۔ واللہ علم۔ مترجم)

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭوَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

---

[1] [أيضا] [2] [مرسل : تفسير ابن جرير الطبرى (١١٧٧٢)]

[3] [ضعیف : تفسير ابن جرير الطبرى (١١٧٢٤)] اس میں غیاث بن ابراہیم راوی متروک ہے۔ امام ابن حبانؒ نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ [المجروحين (٢/٢٠٠)]

[4] [صحیح : الادب المفرد (٦٧) مسند احمد (٥/٣٦) ابوداؤد : كتاب الادب : باب فى النهى عن البغى (٤٩٠٢) ترمذى : كتاب صفة القيامة (٢٥١١) ابن ماجه : كتاب الزهد : باب البغى (٤٢١١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابوداود، السلسلة الصحيحة (٩١٨)] شیخ شعیب ارناؤوط اور شیخ عبد الرزاق مہدی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي
الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٣٣﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾

ع ۵ ۹

اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا' اور جو شخص کسی ایک کی جان بچا لے اس نے گویا تمام لوگوں کو بچا لیا' ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں ظلم و زیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے ○ ان کی سزا جو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا الٹے طور سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے' یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں تو ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے ○ ہاں جو لوگ ان سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر اختیار پا لو تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور رحم و کرم والا ہے ○

آیت محاربہ کا بیان: فرمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس لڑکے کے قتل بیجا کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل سے صاف فرما دیا ان کی کتاب میں لکھ دیا اور ان کے لیے اس حکم کو حکم شرعی کر دیا کہ ''جو شخص کسی ایک کو بلاوجہ مار ڈالے نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا نہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا' اس لیے کہ اللہ کے نزدیک ساری مخلوق یکساں ہے اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے اسے حرام جانے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی دی' اس لیے کہ یہ سب لوگ اس طرح سلامتی کے ساتھ رہیں گے''۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب باغی گھیر لیتے ہیں' تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے کے لیے آیا ہوں' آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے' یہ سن کر معصوم خلیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا' کیا تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو' جن میں ایک میں بھی ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں' فرمایا سنو ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کو قتل کرنا۔ جاؤ واپس لوٹ جاؤ' میری یہی خواہش ہے اللہ تمہیں اجر دے اور گناہ نہ دے' یہ سن کر آپ واپس چلے گئے اور نہ لڑے۔ مطلب یہ ہے کہ قتل کا اجر دنیا کی بربادی کا باعث ہے اور اس کی روک لوگوں کی زندگی کا سبب ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا تمام لوگوں کے خون کو گویا بچا رہا ہے''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور عادل مسلم بادشاہ کو قتل کرنے والے پر ساری دنیا کے انسانوں کے قتل کا گناہ ہے اور نبی اور امام عادل کے بازو کو مضبوط کرنا دنیا کو زندگی دینے کے مترادف ہے''۔ (ابن جریر) ایک اور روایت میں ہے کہ ''ایک کو بے وجہ مار ڈالتے ہی جہنمی ہو جاتا ہے گویا سب کو مار ڈالا''۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''مومن کو بے وجہ شرعی مار ڈالنے والا جہنمی' دشمن رب' ملعون اور مستحق سزا ہو جاتا ہے' پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا تو اس سے زیادہ عذاب اسے اور کیا ہوتا؟ جو قتل سے رک جائے گویا کہ اس

کی طرف سے سب کی زندگی محفوظ ہے''۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں ''ایک قتل کے بدلے ہی اس کا خون حلال ہو گیا' یہ نہیں کہ کئی ایک کو قتل کرے' جب ہی وہ قصاص کے قابل ہو' اور جو اسے زندگی دے یعنی قاتل کے ولی سے درگذر کرے اور اس نے گویا لوگوں کو زندگی دی''۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس نے انسان کی جان بچالی مثلاً ڈوبتے کو نکال لیا' جلتے کو بچالیا' کسی کو ہلاکت سے ہٹالیا۔ مقصد لوگوں کو خون ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیر خواہی اور امن وامان پر آمادہ کرنا ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ ''کیا بنی اسرائیل جس طرح اس حکم کے مکلف تھے' ہم بھی ہیں' فرمایا ہاں یقیناً اللہ کی قسم! کچھ بنو اسرائیل کے خون اللہ کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ باوقعت نہ تھے' پس ایک شخص کا بے سبب قتل سب کے قتل کا بوجھ ہے اور ایک کی جان کے بچاؤ کا ثواب سب کو بچالینے کے برابر ہے''۔ ایک مرتبہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی بات بتایئے کہ میری زندگی باآرام گذرے۔ آپ نے فرمایا کیا کسی کو مار ڈالنا تمہیں پسند ہے یا کسی کو بچالینا تمہیں محبوب ہے؟ جواب دیا بچالینا' فرمایا ''بس اب اپنی اصلاح میں لگے رہو''۔ [1]

پھر فرماتا ہے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلیلیں اور روشن احکام اور کھلے معجزات لے کر آئے لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ اپنی سرکشی اور دراز دستی سے باز نہ رہے۔ بنو قینقاع کے یہود و بنو قریظہ اور بنو نضیرہ وغیرہ کو دیکھ لیجیے کہ اوس اور خزرج کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور لڑائی کے بعد پھر قیدیوں کے فدیے دے کر چھڑاتے تھے اور مقتول کی دیت ادا کرتے تھے۔ جس پر انہیں قرآن میں سمجھایا گیا کہ تم سے عہد یہ لیا گیا تھا کہ نہ تو اپنے والوں کے خون بہاؤ' نہ انہیں دیس نکالا دو لیکن تم نے باوجود پختہ اقرار اور مضبوط عہد و پیمان کے اس کے خلاف کیا گو فدیے ادا کیے لیکن نکالنا بھی تو حرام تھا' اس کے کیا معنی کہ کسی حکم کو مانو اور کسی سے انکار کرو' ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت تر عذابوں کا شکار رہوں' اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ محاربہ کے معنی حکم کے خلاف کرنا' برعکس کرنا' مخالفت پر تل جانا ہیں۔ مراد اس سے کفر' ڈاکہ زنی' زمین میں شورش و فساد اور طرح طرح کی بدامنی پیدا کرنا ہے' یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سکے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد مچانا ہے۔ قرآن کی ایک اور آیت میں ہے جب وہ کسی اقتدار کے مالک ہو جاتے ہیں تو فساد پھیلا دیتے ہیں اور کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کر لے تو پھر اس پر کوئی مواخذہ نہیں' برخلاف اس کے اگر مسلمان ان کاموں کو کرے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے تو حد شرعی سے آزاد نہیں ہوتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے' پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آ جانے سے پہلے توبہ کر لے تو جو حکم اس پر اس کے فعل کے باعث ثابت ہو چکا ہے وہ ٹل نہیں سکتا''۔

---

[1] **[ضعیف** : مسند احمد (۲/ ۱۷۵)] یہ روایت ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الترغیب (۱۳۱۳)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

حضرت ابی سے مروی ہے کہ اہل کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اسے توڑ دیا اور فساد مچا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں، چاہیں تو الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں۔ حضرت سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یہ حروریہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔ صحیح یہ ہے کہ جو بھی اس فعل کا مرتکب ہو اس کے لیے یہ حکم ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ "قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری جاتی رہی تو انہوں نے ان چرواہوں کو مار ڈالا اور اونٹ لے کر چلتے بنے، حضور ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لائیں، چنانچہ یہ گرفتار کیے گئے اور حضور ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے"۔ مسلم میں ہے یا تو یہ لوگ عکل کے تھے یا عرینہ کے۔ یہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا گیا [1] نہ ان کے زخم دھوئے گئے۔ انہوں نے چوری بھی کی تھی، قتل بھی کیا تھا، ایمان کے بعد کفر بھی کیا تھا اور اللہ رسول سے لڑے بھی تھے۔ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں بھی پھیری تھیں، مدینے کی آب و ہوا اس وقت درست نہ تھی، برسام کی بیماری تھی، حضور ﷺ نے ان کے پیچھے بیس انصاری گھوڑ سوار بھیجے تھے اور ایک کھوجی تھا، جو نشان قدم دیکھ کر رہبری کرتا جاتا تھا۔ موت کے وقت ان کی پیاس کے مارے یہ حالت تھی کہ زمین چاٹ رہے تھے، انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ [2] ایک مرتبہ حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ سب سے بڑی اور سب سے سخت سزا جو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو دی ہو، تم بیان کرو تو آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بحرین سے آئے تھے، بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور پیٹ بڑھ گئے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ جاؤ اونٹوں میں رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ حجاج نے تو اس روایت کو اپنے مظالم کی دلیل بنا لی تب تو مجھے سخت ندامت ہوئی کہ میں نے اس سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ [3] اور روایت میں ہے کہ ان میں سے چار شخص تو عرینہ قبیلے کے تھے اور تین عکل کے تھے، یہ سب

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوضوء (۲۳۳) و کتاب الجهاد (۳۰۱۸) و کتاب التفسیر (۴۶۱۰) و کتاب الحدود (۶۸۰۲) صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب حکم المحاربین والمرتدین (۱۶۷۱) نسائی : کتاب التحریم (۴۰۳۶) ابوداؤد : کتاب الحدود : باب ماجاء فی المحاربة (۴۳۶۴) مسند احمد (۳/۱۹۸)]

[2] [صحیح : ترمذی : کتاب الطهارة : باب ماجاء فی بول مایؤکل لحمه (۷۲) و کتاب الاطعمة (۱۸۴۵) و کتاب الطب (۲۰۴۲) ابوداود : کتاب الحدود (۴۳۶۷) نسائی : کتاب المحاربة (۴۰۲۹)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی (۶۲)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [اسناده ضعیف وله شاهد : اس کی سند میں سلام بن ابی الصہباء راوی قوی نہیں جبکہ اس کا شاہد صحیح بخاری (۵۶۸۵) میں موجود ہے۔]

تندرست ہوگئے تو یہ مرتد بن گئے۔ [1] ایک اور روایت میں ہے کہ راستے بھی انہوں نے بند کر دیئے تھے اور زنا کار بھی تھے۔ [2] جب یہ آئے تو اب سب کے پاس بوجہ فقیری پہننے کے کپڑے تک نہ تھے' یہ قتل وغارت کر کے بھاگ کر اپنے شہر کو جا رہے تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے پاس پہنچنے ہی والے تھے جو ہم نے انہیں جا لیا۔ وہ پانی مانگتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے' اب تو پانی کے بدلے جہنم کی آگ ملے گی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا اللہ کو ناپسند آیا' یہ حدیث ضعیف اور غریب ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لشکر ان مرتدوں کے گرفتار کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا' ان کے سردار حضرت جریر رضی اللہ عنہ تھے۔ ہاں اس روایت میں یہ فقرہ بالکل منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا مکروہ رکھا۔ [3] اس لیے کہ صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا' پس یہ اس کا بدلہ اور ان کا قصاص تھا جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا وہی ان کے ساتھ کیا گیا واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ بنو فزارہ کے تھے' اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سزا کسی کو نہیں دی۔ [4] ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک غلام تھا' جس کا نام یسار تھا چونکہ یہ بڑے اچھے نمازی تھے' اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور اپنے اونٹوں میں انہیں بھیج دیا تھا کہ یہ ان کی نگرانی رکھیں' انہی کو ان مرتدوں نے قتل کیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ کر اونٹ لے کر بھاگ گئے' جو لشکر انہیں گرفتار کر کے لایا تھا' ان میں ایک شاہ زور حضرت کرز بن جابر فہری تھے۔ [5] حافظ ابوبکر بن مردویہ رحمہ اللہ نے اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا ہے اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ ابوحمزہ عبدالکریم رحمہ اللہ سے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ ان محاربین کا قصہ بیان فرماتے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینے کی آب وہوا کی ناموافقت کی شکایت کی تھی' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی دغا بازی اور قتل وغارت اور ارتداد کا علم ہوا' تو آپ نے منادی کرائی کہ اللہ کے لشکریو اٹھ کھڑے ہو' یہ آواز سنتے ہی مجاہدین کھڑے ہو گئے' بغیر اس کے کہ کوئی کسی کا انتظار کرے ان مرتد ڈاکوؤں اور باغیوں کے پیچھے دوڑے' خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو روانہ کر کے ان کے پیچھے چلے' وہ لوگ اپنی جائے امن میں پہنچنے ہی کو تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں گھیر لیا اور ان میں سے جتنے گرفتار ہو گئے' انہیں لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر دیا اور یہ آیت اتری' ان کی جلاوطنی یہی تھی کہ انہیں حکومت اسلام کی حدود سے خارج کر دیا گیا۔ پھر ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں' اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے بھی اعضاء بدن سے جدا نہیں کرائے بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے' جانوروں کو بھی اس طرح کرنا منع ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قتل کے بعد انہیں جلا دیا

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۸۱۸)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۸۲۰)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۸۱۵)]

[4] [**ضعیف** : عبد الرزاق (۱۸۵٤۱)] اس کی سند میں ابراہیم اسلمی راوی سخت ضعیف ہے۔]

[5] [**ضعیف** : طبرانی کبیر (٦٢٢٣)] اس کی سند میں موسیٰ بن محمد تیمی راوی ضعیف ہے۔]

گیا'[1] بعض کہتے ہیں یہ بنوسلیم کے لوگ تھے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے جو سزا انہیں دی وہ اللہ کو پسند نہ آئی اور اس آیت سے اسے منسوخ کر دیا۔ ان کے نزدیک گویا اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو اس سزا سے روکا گیا ہے۔ جیسے آیت ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ [2] میں اور بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مثلہ کرنے سے یعنی ہاتھ پاؤں کان ناک کاٹنے سے جو ممانعت فرمائی ہے' اس حدیث سے یہ سزا منسوخ ہوگئی لیکن یہ ذرا غور طلب ہے پھر یہ بھی سوال طلب امر ہے کہ ناسخ کی تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں حدود اسلام مقرر ہوں اس سے پہلے کا یہ واقعہ ہے لیکن یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا' بلکہ حدود کے تقرر کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کا اسلام سورۂ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنی چاہی تھیں لیکن یہ آیت اتری اور آپ اپنے ارادے سے باز رہے' لیکن یہ بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ بخاری و مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔ محمد بن عجلان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جو سخت سزا انہیں دی' اس کے انکار میں یہ آیتیں اتری ہیں اور ان میں صحیح سزا بیان کی گئی ہے جو قتل کرنے اور ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنے اور وطن سے نکال دینے کے حکم پر شامل ہے چنانچہ دیکھ لیجیے کہ اس کے بعد پھر کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ثابت نہیں'[3] لیکن ''اوزاعی'' کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں کہ اس آیت میں حضور ﷺ کے اس فعل پر آپ کو ڈانٹا گیا ہو' بات یہ ہے کہ انہوں نے جو کیا تھا اس کا وہی بدلہ مل گیا' اب آیت نازل ہوئی جس نے ایک خاص حکم ایسے لوگوں کا بیان فرمایا اور اس میں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم نہیں دیا''۔ اس آیت سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہروں میں لڑنا دونوں برابر ہے کیونکہ لفظ ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ کے ہیں۔ مالک' اوزاعی' لیث' شافعی' احمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ باغی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ مچائیں یا بیرون شہر' ان کی سزا یہی ہے بلکہ امام مالک رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دہی سے مار ڈالے تو اسے پکڑ لیا جائے گا اور اس کا تمام مال واسباب جو اس کے پاس ہے لے لیا جائے اور اسے قتل کر دیا جائے گا اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے گا' نہ کہ مقتول کے اولیاء کے ہاتھ میں یہ کام ہوں بلکہ اگر وہ درگزر کرنا چاہیں تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم بے واسطہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ نہیں' وہ کہتے ہیں کہ ''محاربہ اسی وقت مانا جائے گا جبکہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے' کیونکہ شہر میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے' راستوں میں یہ بات ناممکن سی ہے''۔ جو سزا ان محاربین کی بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے' راستوں کو پرخطر بنا دے' امام المسلمین کو ان تینوں سزاؤں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کا اختیار ہے''۔ یہی قول اور بھی بہت سوں کا ہے اور اس طرح کا اختیار ایسی ہی اور آیتوں کے احکام میں بھی موجود ہے جیسے محرم اگر شکار کھیلے

---

[1] [ضعیف : تفسیر ابن جریر طبری (۱۱۸۱۴)]
[2] [سورۃ التوبہ: آیت ۴۳]
[3] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۸۲۲)]

تو اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا مساکین کا کھانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے' بیماری یا سر کی تکلیف کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوانے اور خلاف احرام کام کرنے والے کے فدیے میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا حکم ہے۔ قسم کے کفارے میں درمیانی درجہ کا کھانا دس مسکینوں کا یا ان کا کپڑا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے' اسی طرح ایسے محارب' مرتد لوگوں کی سزا بھی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں الٹی طرح سے کاٹنا ہے یا جلاوطن کرنا۔ اور جمہور کا قول ہے کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے' جب ڈاکو قتل و غارت دونوں کے مرتکب ہوئے ہوں تو قابل دار اور گردن زدنی ہیں اور جب صرف قتل سرزد ہوا ہو تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور اگر فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر راستے پر خطر کر دیئے ہوں' لوگوں کو خوف زدہ کر دیا ہو اور کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اور گرفتار کر لیے جائیں تو صرف جلاوطنی ہے۔ اکثر سلف اور ائمہ کا یہی مذہب ہے پھر بزرگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا سولی پر لٹکا کر یونہی چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مر جائے؟ یا نیزے وغیرہ سے قتل کر دیا جائے؟ یا پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو؟ اور کیا تین دن تک سولی پر رہنے دے کر پھر اتار لیا جائے؟ یا یونہی چھوڑ دیا جائے لیکن تفسیر کا یہ موضوع نہیں کہ ہم ایسے جزئی اختلافات میں پڑیں اور ہر ایک دلیلیں وغیرہ وارد کریں۔ ہاں ایک حدیث میں کچھ تفصیل سزا ہے' اگر اس کی سند صحیح ہو تو وہ یہ کہ حضور ﷺ نے جب ان محاربین کے بارے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "جنہوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنا دیا ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجیے اور جس نے قتل اور دہشت گردی پھیلائی اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے' اسے سولی چڑھا دو۔

فرمان ہے کہ زمین سے الگ کر دیئے جائیں یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے یا وہ دار الاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں یا یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے شہر انہیں بھیج دیا جاتا رہے یا یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل ہی خارج کر دیا جائے"۔ شعبی رحمہ اللہ تو نکال ہی دیتے تھے۔ اور عطا خراسانی کہتے ہیں ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں پہنچا دیا جائے یونہی کئی سال تک مارا مارا پھرایا جائے لیکن دار الاسلام سے باہر نہ کیا جائے۔ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں "اسے جیل خانے میں ڈال دیا جائے"۔ ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ "اسے اس کے شہر سے نکال کر کسی دوسرے شہر کے جیل خانے میں ڈال دیا جائے"۔ "ایسے لوگ دنیا میں ذلیل و رذیل اور آخرت میں بڑے بھاری عذابوں میں گرفتار ہوں گے"۔ آیت کا یہ ٹکڑا تو ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے اور مسلمانوں کے بارے میں وہ صحیح حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ہم سے ویسے ہی عہد لیے جیسے عورتوں سے لیے تھے کہ "ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں' چوری نہ کریں' زنا نہ کریں' اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں' ایک دوسرے کی نافرمانی نہ کریں جو اس وعدے کو نبھائے' اسکا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو ان میں سے کسی گناہ کے ساتھ آلودہ ہو جائے پھر اگر اسے سزا ہو گئی تو وہ سزا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی تو اس امر کا اللہ ہی مختار ہے اگر چاہے عذاب کرے' اگر

چاہے چھوڑ دے''۔ [1] اور حدیث میں ہے ''جس کسی نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ڈھانپ لیا اور اس سے چشم پوشی کر لی تو اللہ کی ذات اور اس کا رحم و کرم اس سے بہت بلند و بالا ہے' معاف کیے ہوئے جرائم کو دوبارہ کرنے پہ اسے دنیوی سزا ملے گی' اگر بے توبہ مر گئے تو آخرت کی وہ سزائیں باقی ہیں جن کا اس وقت صحیح تصور بھی محال ہے ہاں توبہ نصیب ہو جائے تو اور بات ہے''۔ [2] پھر توبہ کرنے والوں کی نسبت جو فرمایا ہے ''اس کا اظہار اس صورت میں تو صاف ہے کہ اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں نازل شدہ مانا جائے۔ لیکن جو مسلمان مغرور ہوں اور وہ قبضے میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل اور سولی اور پاؤں کاٹنا تو ہٹ جاتا ہے لیکن ہاتھ کا کٹنا بھی ہٹ جاتا ہے یا نہیں' اس میں علماء کے دو قول ہیں' آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہٹ جائے' صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چنانچہ حارثہ بن بدر تیمی بصری نے زمین میں فساد کیا' مسلمانوں سے لڑا' اس بارے میں چند قریشیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سفارش کی' جن میں حضرت حسن بن علی' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم بھی تھے لیکن آپ نے اسے امن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آیا' آپ نے اپنے گھر میں اسے ٹھہرایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا بتایئے تو جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے اور زمین میں فساد کی سعی کرے پھر ان آیتوں کی ﴿قَبْلَ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ﴾ تک تلاوت کی تو آپ نے فرمایا میں تو ایسے شخص کو امن لکھ دوں گا' حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ جاریہ بن بدر ہے' چنانچہ جاریہ نے اس کے بعد ان کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں۔

قبیلہ مراد کا ایک شخص حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ کی مسجد میں جہاں کے یہ گورنر تھے' ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا اے امیر کوفہ فلاں بن فلاں مرادی قبیلے کا ہوں' میں نے اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی لڑی' زمین میں فساد کی کوشش کی لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پائیں' اس سے پہلے میں تائب ہو گیا اب میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس توبہ کے بعد اس سے کسی طرح کی برائی نہ کرے' اگر یہ سچا ہے تو الحمد للہ اور یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اسے ہلاک کر دیں گے۔ یہ شخص ایک مدت تک تو ٹھیک ٹھیک رہا لیکن پھر بغاوت کر گیا' اللہ نے بھی اس کے گناہوں کے بدلے اسے غارت کر دیا اور یہ مار ڈالا گیا۔ علی نامی ایک اسدی شخص نے بھی گزرگاہوں میں دہشت پھیلا دی' لوگوں کو قتل کیا' مال لوٹا' بادشاہ لشکر اور رعایا نے ہر چند اسے گرفتار کرنا چاہا' لیکن یہ ہاتھ نہ لگا۔ ایک

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الحدود: باب الحدود کفارات لاهلها (۱۷۰۹)]

[2] [ضعیف: ترمذی: کتاب الایمان: باب ماجاء لایزنی الزانی وهو مؤمن (۲۶۲۶) ابن ماجه: کتاب الحدود: باب الحد کفارة (۲۶۰٤) مسند احمد (۹۹/۱) دارقطنی (۲۱۵/۳) حاکم (٤٤٥/۲)] امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (۷۷۵)] تاہم شیخ البانی رحمہ اللہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف الجامع (۵٤۲۳) الروض النضیر (۷۰۵)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں ابواسحاق راوی مدلس ہے اور تصریح بالسماع نہیں۔]

مرتبہ یہ جنگل میں تھا' ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا﴾ [1] الخ ' یہ اسے سن کر رک گیا اور اس سے کہا اے اللہ کے بندے یہ آیت مجھے دوبارہ سنا' اس نے پھر پڑھی اللہ کی اس آواز کو سن کر کہ وہ فرماتا ہے اے میرے گنہگار بندو تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ' میں سب گناہوں کو بخشنے پر قادر ہوں میں غفور و رحیم ہوں۔ اس شخص نے جھٹ سے اپنی تلوار میان میں کر لی' اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور صبح کی نماز سے پہلے مدینے پہنچ گیا' غسل کیا اور مسجد نبوی میں نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے' ان ہی میں ایک طرف یہ بھی بیٹھ گیا۔ جب دن کا اجالا ہوا تو لوگوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی' بہت بڑا مجرم اور مفرور شخص علی اسدی ہے' سب نے چاہا کہ اسے گرفتار کر لیں۔ اس نے کہا سنو بھائیو! تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے' اس لیے کہ مجھ پر تمہارے قابو پانے سے پہلے ہی میں تو توبہ کر چکا ہوں بلکہ توبہ کے بعد خود تمہارے پاس آ گیا ہوں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے چلے' یہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینے کے گورنر تھے، وہاں پہنچ کر فرمایا کہ یہ علی اسدی ہیں' یہ توبہ کر چکے ہیں' اس لیے اب تم انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ کسی نے اس کے ساتھ کچھ نہ کیا' جب مجاہدین کی ایک جماعت رومیوں سے لڑنے کے لیے چلی تو ان مجاہدوں کے ساتھ یہ بھی ہو لئے' سمندر میں ان کی کشتی جا رہی تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آ گئیں' یہ اپنی کشتی میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے کے لیے ان کی کشتی میں کود گئے' ان کی آبدار خارا شگاف تلوار کی چمک کی تاب رومی نہ لا سکے اور نامردی سے ایک طرف کو بھاگے' یہ بھی ان کے پیچھے اسی طرف چلے چونکہ سارا بوجھ ایک طرف ہو گیا' اس لیے کشتی الٹ گئی' جس سے وہ سارے رومی کفار ہلاک ہو گئے اور حضرت علی اسدی رحمہ اللہ بھی ڈوب کر شہید ہو گئے [2] (اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو ○ یقین مانو کہ کافروں کے لیے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی جتنا اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذابوں کے بدلے فدیے میں دینا چاہئیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا یہ فدیہ قبول کر لیا جائے۔ ان کے

---

[1] [سورۃ الزمر: آیت ۵۳]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰/۲۸۴)]

لیے دردناک عذاب ہی ہیں ○ یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے ان کے لیے تو دوامی عذاب ہیں ○

تقویٰ نجات کا ذریعہ: تقوے کا حکم ہو رہا ہے اور وہ بھی اطاعت سے ملا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے منع کردہ کاموں سے جو شخص رکا رہے اس کی طرف قربت یعنی نزدیکی تلاش کرے۔ وسیلے کے یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں۔ حضرت مجاہد، حضرت ابووائل، حضرت حسن، حضرت ابن زید اور بہت سے مفسرین رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال کرنے سے اس سے قریب ہوتے جاؤ۔ ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ﴾ [1] جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان ائمہ نے وسیلے کے جو معنی اس آیت میں کیے ہیں اس پر سب مفسرین کا گویا اجماع ہے، اس میں کسی ایک کو بھی اختلاف نہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس پر ایک عربی شعر بھی وارد کیا ہے، جس میں وسیلہ معنی قربت اور نزدیکی کے مستعمل ہوا ہے۔ وسیلے کے معنی اس چیز کے ہیں جس سے مقصود کے حاصل کرنے کی طرف پہنچا جائے اور وسیلہ جنت کی اس اعلیٰ اور بہترین منزل کا نام ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ہے۔ عرش سے بہت زیادہ قریب یہی درجہ ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے "جو شخص اذان سن کر ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ﴾ الخ، پڑھے اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے"۔ [2] مسلم کی حدیث میں ہے "جب تم اذان سنو تو جو موذن کہہ رہا ہو وہی تم بھی کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، ایک درود کے بدلے تم پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو وہ جنت کا ایک درجہ ہے، جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا، مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لیے وسیلہ طلب کیا، اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی"۔ [3] مسند احمد میں ہے "جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لیے وسیلہ مانگو، پوچھا گیا کہ وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت کا سب سے بلند درجہ جسے صرف ایک شخص ہی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں"۔ [4] طبرانی میں ہے "تم اللہ سے دعا کرو کہ اللہ مجھے وسیلہ عطا فرمائے

---

[1] [سورة الاسراء : آيت ٥٧]

[2] [**صحيح :** صحيح بخاری : كتاب الاذان : باب الدعاء عند النداء (٦١٤) ، (٤٧١٩) ابوداؤد : كتاب الصلاة : باب ماجآء فی الدعاء عند الاذان (٥٢٩) نسائی : كتاب الاذان : باب الدعاء عند الاذان (٦٨١) ابن ماجه : كتاب الاذان : باب مايقول اذا اذن المؤذن (٧٢٢) ترمذی : كتاب الصلاة : باب منه آخر (٢١١) مسند احمد (٣٥٤/٣)]

[3] [**صحيح :** صحيح مسلم : كتاب الصلاة : باب استحباب القول مثل قول المؤذن (٣٨٤) نسائی : كتاب الاذان : باب الصلاة على النبی بعد الاذان (٦٧٩) ابو داؤد (٥٢٣) ترمذی : كتاب المناقب (٣٦١٤) مسند احمد (١٦٨/٢)]

[4] [**صحيح بالشواهد :** ترمذی : كتاب المناقب (٣٦١٢) مسند احمد (٣٦٥/٢) مسند ابويعلى (٦٤١٤) عبد الرزاق (٣١٢٠)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المشكاة (٥٧٦٧) صحيح ترمذی (٢٨٥٧)]

جو شخص دنیا میں میرے لیے یہ دعا کرے گا میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی قیامت کے دن بن جاؤں گا"۔ [1] اور حدیث میں ہے "وسیلے سے بڑا درجہ جنت میں کوئی نہیں۔ لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلے کے ملنے کی دعا کرو"۔ [2] ایک غریب اور منکر حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اس وسیلے میں آپ کے ساتھ اور کون ہوں گے؟ تو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن حسین رضی اللہ عنہما کا نام لیا۔ [3] ایک اور بہت غریب روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا کہ جنت میں دو موتی ہیں' ایک سفید ایک زرد' زرد تو عرش تلے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا ہے' جس میں ستر ہزار بالا خانے ہیں' جن میں سے ہر ہر گھر تین میل کا ہے۔ اس کے دریچے دروازے تخت وغیرہ سب کے سب گویا ایک ہی جڑ سے ہیں۔ اسی کا نام وسیلہ ہے' یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت کے لیے ہے۔ [4]

تقویٰ کا یعنی ممنوعات سے رکنے کا اور حکم احکام کے بجالانے کا حکم دے کر پھر فرمایا کہ "اس کی راہ میں جہاد کرو' مشرکین و کفار کو جو اس کے دشمن ہیں اس کے دین سے الگ ہیں' اس کی سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں' انہیں قتل کرو۔ ایسے مجاہدین با مراد ہیں' فلاح وصلاح سعادت وشرافت انہی کے لیے ہے' جنت کے بلند بالا خانے اور اللہ کی بے شمار نعمتیں انہی کے لیے ہیں' یہ اس جنت میں پہنچائے جائیں گے جہاں موت وفوت نہیں' جہاں کمی اور نقصان نہیں' جہاں ہمیشگی کی جوانی اور ابدی صحت اور دوامی عیش وعشرت ہے"۔

اپنے دوستوں کا نیک انجام بیان فرما کر اب اپنے دشمنوں کا برا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے کہ "ایسے سخت اور بڑے عذاب انہیں ہو رہے ہوں گے کہ اگر اس وقت روئے زمین کے مالک ہوں بلکہ اتنا ہی اور بھی ہو تو ان عذابوں سے بچنے کے لیے بطور بدلے کے سب دے ڈالیں لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو بھی ان سے اب فدیہ قبول نہیں بلکہ جو عذاب ان پر ہیں' وہ دائمی اور ابدی اور دوامی ہیں"۔ جیسے اور جگہ ہے کہ "جہنمی جب جہنم میں سے نکلنا چاہئیں گے تو پھر دوبارہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے الخ۔ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے ساتھ اوپر آ جائیں گے کہ داروغے انہیں لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر پھر قعر جہنم میں گرا دیں گے۔ غرض ان دائمی عذابوں سے چھٹکارا محال ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "ایک جہنمی کو لایا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم کہو تمہاری جگہ کیسی

---

[1] [حسن : طبرانی اوسط (۶۳۷) مجمع الزوائد (۳۳۸/۱) الترغیب والترھیب (۲۵۸/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح الترغیب (۲۵۲)]

[2] [صحیح : طبرانی اوسط (۲۶۰)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح الجامع الصغیر (۷۱۵۱) السلسلة الصحیحة (۳۵۷۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ جبکہ شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (۱۱۷۸۳)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف جدا : اس کی سند میں حارث اعور اور عبدالحمید راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

[4] [موقوف ضعیف : اس کی سند میں سعد بن طریف راوی ضعیف ہے۔ [میزان (۳۱۱۸)]

ہے؟ وہ کہے گا بدترین اور سخت ترین۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ اس سے چھوٹنے کے لیے تو کیا کچھ خرچ کر دینے پر راضی ہے؟ وہ کہے گا ساری زمین بھر کا سونا دے کر بھی میں یہاں سے چھوٹوں تو بھی سستا چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جھوٹا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہی کم مانگا تھا لیکن تو نے کچھ بھی نہ کیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا"۔ [1] (مسلم) ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بیان کیا کہ ایک قوم جہنم میں سے نکال کر جنت میں پہنچائی جائے گی۔ اس پر ان کے شاگرد حضرت یزید فقیر رحمہ اللہ نے پوچھا کہ پھر اس آیت قرآنی کا کیا مطلب ہے؟ کہ ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا﴾ الخ، یعنی وہ جہنم سے آزاد ہونا چاہیں گے لیکن وہ آزاد ہونے والے نہیں تو آپ نے فرمایا اس سے پہلے کی آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ الخ، پڑھو جس سے صاف ہو جاتا ہے۔ کہ یہ کافر لوگ ہیں یہ کبھی نہ نکلیں گے [2] (مسند وغیرہ) دوسری روایت میں ہے کہ یزید رحمہ اللہ کا خیال یہی تھا کہ جہنم میں سے کوئی بھی نہ نکلے گا اس لیے یہ سن کر انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے اور لوگوں پر تو افسوس نہیں ہاں آپ صحابیوں پر افسوس ہے کہ آپ بھی قرآن کے الٹ کہتے ہیں اس وقت مجھے بھی غصہ آ گیا تھا اس پر ان کے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ بہت ہی حلیم الطبع تھے انہوں نے سب کو روک دیا اور مجھے سمجھایا کہ قرآن میں جن کا جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر ہے وہ کفار ہیں۔ تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں مجھے سارا قرآن یاد ہے؟ کہا پھر کیا یہ آیت قرآن میں نہیں ہے؟ ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ [3] الخ، اس میں مقام محمود کا ذکر ہے یہی مقام شفاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو جہنم میں ان کی خطاؤں کی وجہ سے ڈالے گا اور جب تک چاہے انہیں جہنم میں ہی رکھے گا پھر جب چاہے گا انہیں اس سے آزاد کر دے گا۔ حضرت یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرا خیال ٹھیک ہو گیا۔ [4] حضرت طلق بن حبیب رحمہ اللہ کہتے ہیں میں بھی منکر شفاعت تھا یہاں تک کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں جن جن آیتوں میں جہنم کے ہمیشہ رہنے والوں کا ذکر ہے سب پڑھ ڈالیں تو آپ نے سن کر فرمایا! اے طلق کیا تم اپنے تئیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے علم میں مجھ سے افضل جانتے ہو؟ سنو جتنی آیتیں تم نے پڑھی ہیں وہ سب اہل جہنم کے بارے میں ہیں یعنی مشرکوں کے لیے۔ لیکن جو لوگ نکلیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو مشرک نہ تھے لیکن گنہگار تھے گناہوں کے بدلے سزا بھگت لی پھر جہنم سے نکال دیئے گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ سب فرما کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ دونوں بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ نہ سنا ہو کہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی لوگ اس میں سے نکالے جائیں گے اور وہ جہنم سے

---

[1] [صحیح: صحيح بخاری: كتاب الرقاق: باب من نوقش الحساب عذب (٦٥٣٨) صحيح مسلم: كتاب صفات المنافقين: باب طلب الكافر فداء بملء الارض ذهبا (٢٨٠٥) مسند احمد (٢١٨/٣)]

[2] [صحیح: صحيح مسلم: كتاب الايمان: باب ادنى اهل الجنة منزلة فيها (١٩١) مسند احمد (٣٥٥/٣)]

[3] [سورۃ الاسراء: آیت ٧٩]

[4] [ضعیف: اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں مبارک بن فضالہ راوی قوی نہیں۔]

آزاد کر دیئے جائیں گے قرآن کی یہ آیتیں جس طرح تم پڑھتے ہو ہم بھی پڑھتے ہی ہیں۔ [1]

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

چوری کرنے والے مرد وعورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو بدلہ اس کا جو انہوں نے کیا یہ تنبیہ اللہ کی طرف سے اور اللہ قوت وحکمت والا ہے ○ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مہربانی کرنے والا ہے ○ کیا تجھے معلوم نہیں؟ کہ اللہ ہی کے لیے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے، جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف فرما دے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

چوری کی حد کا بیان: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں ﴿فَاقْطَعُوْٓا اَيْمَانَهُمَا﴾ ہے لیکن یہ قرات شاذ ہے گو عمل اسی پر ہے لیکن وہ عمل اس قرات کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے دلائل کی بنا پر ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا اسلام نے اسے تفصیل وار اور منظم کر دیا اسی طرح قسامت دیت فرائض کے مسائل بھی پہلے تھے لیکن غیر منظم اور ادھورے۔ اسلام نے انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے دویک نامی ایک خزاعی شخص کے ہاتھ چوری کے الزام میں قریش نے کاٹے تھے اس نے کعبے کا غلاف چرایا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوروں نے اس کے پاس رکھ دیا تھا۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ چوری کی چیز کی کوئی حد نہیں تھوڑی ہو یا بہت محفوظ جگہ سے لی ہو یا غیر محفوظ جگہ سے بہر صورت ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت عام ہے تو ممکن ہے اس قول کا یہی مطلب ہو اور دوسرے مطالب بھی ممکن ہیں۔ ایک دلیل ان حضرات کی یہ حدیث بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ انڈا چراتا ہے اور ہاتھ کٹواتا ہے رسی چرائی ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے' [2] جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے۔ گو اس کی حد کے تقرر میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں تین درہم سکے والے خالص یا ان کی قیمت یا زیادہ کی کوئی چیز چنانچہ صحیح بخاری مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے اور اس کی قیمت

---

[1] [ضعیف : الادب المفرد (۸۱۸) مشکل الآثار (۵٦٦٨)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند سعید بن مہلب کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔[الموسوعة الحديثية (۲۲/۴۰۵)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب لعن السارق (٦٧٨٣) صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب حد السرقة ونصابها (١٦٨٧) ابن ماجه : کتاب الحدود : باب حد السارق (٢٥٨٣) نسائی : کتاب قطع السارق : باب تعظیم السرقة (٤٨٧٧) مسند احمد (٢/٢٥٣)]

اتنی ہی تھی۔ (1) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اترنج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے جبکہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پھل کے چور کے ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے۔ حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے پاؤ یا دینار کے تقرر میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اس سے زیادہ۔ ان کی دلیل بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں پھر جو اس سے اوپر ہو اس میں کاٹنا چاہیے۔ (2) مسلم کی ایک حدیث میں ہے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار پھر اس سے اوپر میں۔ (3) پس یہ حدیث اس مسئلے کا صاف فیصلہ کر دیتی ہے اور جس حدیث میں تین درہم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ کاٹنے کو فرمانا مروی ہے وہ اس کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا۔ پس اصلی چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، لیث بن سعد، اوزاعی، شافعی، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داود بن علی ظاہری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک روایت میں امام اسحق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ خواہ ربع دینار ہو خواہ تین درہم دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو اس سے کم میں نہیں۔ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا۔ (4) نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔ (5) پس ان تمام احادیث سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دس درہم شرط لگانی کھلی غلطی ہے واللہ اعلم۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ جس ڈھال کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی قیمت نو درہم تھی چنانچہ ابوبکر بن شیبہ میں یہ موجود ہے (6) اور

---

(1) [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب الحدود: باب قول الله والسارق والسارقة فقطعوا ایدیهما (٦٧٩٥) صحیح مسلم: کتاب الحدود: باب حد السرقة و نصابها (١٦٨٦) نسائی: کتاب قطع السارق (٤٩١٢) ابوداؤد: کتاب الحدود: باب مایقطع فیه السارق (٤٣٨٥)]

(2) [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب الحدود: باب قول الله تعالی والسارق والسارقة (٦٧٨٩) صحیح مسلم: کتاب الحدود: باب حد السرقة و نصابها (١٦٨٤) ابن ماجه: کتاب الحدود: باب حد السارق (٢٥٨٥) مسند احمد (٦/١٦٣)]

(3) [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب الحدود: باب حد السرقة و نصابها (١٦٨٤)]

(4) [**صحیح**: مسند احمد (٦/٨٠)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [ارواء الغلیل (٢٤٠٢)]

(5) [**صحیح لغیرہ**: نسائی: کتاب قطع السارق: باب ذکر اختلاف ابی بکر بن محمد (٤٩٣٩)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔ [صحیح نسائی (٤٥٨٣)] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔

(6) [**ضعیف**: ابن ابی شیبة (٦/٤٦٥) مسند ابو یعلی (٢٤٩٥) دارقطنی (٣/١٩٢) مستدرك حاکم (٤/٣٧٨)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود (٩٤٤) ضعیف نسائی (٣٦١)]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ۔عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم مخالفت کرتے رہے ہیں اور حدود کے بارے میں احتیاط پر عمل کرنا چاہیے اور احتیاط زیادتی میں ہے اس لیے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے۔بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے علی' ابن مسعود رضی اللہ عنہما' ابراہیم نخعی' ابوجعفر باقر رحمہم اللہ سے یہی مروی ہے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں پانچوں نہ کاٹی جائیں مگر پانچ دینار یا پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ظاہریہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کٹے گا انہیں جمہور نے یہ جواب دیا کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن یہ جواب ٹھیک نہیں اس لیے کہ تاریخ نسخ کا کوئی یقینی علم نہیں۔دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد لوہے کا انڈا ہے اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی رسے ہیں۔[1] تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہے یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے آخر قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بہ طور واقعہ کے بیان ہو۔ایام جاہلیت میں ہر چھوٹی سی چیز کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بطور افسوس کے اور چور کو نادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا ذلیل اور بے خوف انسان ہے کہ معمولی چیز کے لیے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے۔مذکور ہے کہ ابوالعلاء معری جب بغداد میں آیا تو اس نے اس بارے میں بڑے اعتراض شروع کیے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہو سکتا تو اس نے ایک شعر کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت میں پانچ سو دلوائیں اور پھر اسی ہاتھ کو پاؤ دینار کی چوری پر کٹوا دیں یہ ایسا تناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں خاموش ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مولا ہمیں جہنم سے بچائے۔لیکن جب اس کی یہ بکواس مشہور ہوئی تو علماء کرام نے اسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا پھر جواب بھی مشہور کر دیئے گئے۔قاضی عبدالوہاب نے جواب دیا تھا کہ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ثمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہو گیا اس نے چوری کر لی تو اس کی قیمت گھٹ گئی۔بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن وامان قائم ہوتا ہے' جو کسی کا ہاتھ بے وجہ کاٹ ڈالے' اس پر بڑا جرمانہ رکھا تاکہ لوگ اس برے فعل سے بچیں وہاں یہی حکم مناسب تھا' چوری میں تھوڑی سی چیز پر اسے کاٹ دینے کا حکم دیا تاکہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہو جائے۔پس یہ تو عین حکمت ہے اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا انسداد نہ ہوتا۔یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا۔مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے' اسی عضو پر سزا ہو۔تاکہ انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو بھی تنبیہ ہو جائے۔

اللہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے احکام میں حکیم ہے۔جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اللہ کی طرف جھک جائے' اللہ اسے اپنا گناہ معاف فرما دیا کرتا ہے۔ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ وہ اس شخص کا حق ہے' لہٰذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ مال جس کا ہے اسے نہ پہنچائے یا اس کے

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم (۱۶۸۷)]

بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے‘ صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو چکا ہے تو اس کا بدلہ دینا اس پر ضروری نہیں“۔ دارقطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ”ایک چور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا‘ جس نے چادر چرائی تھی‘ آپ نے اس سے فرمایا میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہوگی‘ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے چوری کی ہے تو آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ کے پاس واپس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو‘ انہوں نے توبہ کی‘ آپ نے فرمایا اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی“۔ [1] ابن ماجہ میں ہے کہ ”حضرت عمر بن سمرہ رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہتے ہیں کہ مجھ سے چوری ہوگئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجئے‘ فلاں قبیلے والوں کا اونٹ میں نے چرا لیا ہے۔ آپ نے اس قبیلے والوں کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اونٹ تو ضرور گم ہو گیا ہے۔ آپ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگے اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا‘ تو نے تو میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا چاہا تھا“۔ [2] ابن جریر میں ہے کہ ”ایک عورت نے کچھ زیور چرا لیے‘ ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسے پیش کیا‘ آپ نے اس کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا‘ جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا تم تو ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی ہو“۔ اس پر آیت ﴿فَمَنْ تَابَ﴾ الخ نازل ہوئی۔ [3] مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں لیکن آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ [4] یہ عورت مخزومیہ قبیلے کی تھی اور اس کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑے گھرانے کی عورت تھی‘ لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں‘ یہ واقعہ غزوۂ فتح میں ہوا تھا‘ بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت پیارے ہیں‘ وہ ان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں‘ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب اس کی سفارش کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناگوار گذرا اور غصے سے فرمایا! اسامہ رضی اللہ عنہ تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی‘ میرے لیے آپ استغفار کیجیے۔ شام کے وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری

---

[1] [ضعیف: دار قطنی (۳/۱۰۲) مستدرك حاكم (٤/٣٨١) شرح معانی الآثار (۳/۱٦۸) بیهقی (٨/٢٧٥)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ارواء الغليل (٨/١٢٠)]

[2] [ضعیف: ابن ماجه: كتاب الحدود: باب السارق يعترف (٢٥٨٨)] اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ بوصیری رحمہ اللہ اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (٢/٣١٧) ضعيف ابن ماجه (٥٦٢)] مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف: تفسير ابن جرير الطبرى (١١٩٢٢)] یہ روایت ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[4] [ضعیف: مسند احمد (٢/١٧٧)] یہ بھی ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہو گئے کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کریں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر اس بیوی صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا' پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کے لیے آتی تھیں اور میں اس کی حاجت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر دیا کرتی تھی۔ (۱) "مسلم میں ہے کہ ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی' پھر انکار کر جایا کرتی تھی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا"۔ (۲) اور روایت میں ہے یہ زیور ادھار لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہوا تھا۔ (۳) کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو چوری سے تعلق رکھتی ہیں۔ فالحمدللہ۔ جمیع مملوک کا مالک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ' سچا حاکم اللہ ہی ہے۔ جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا' جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا' جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ ہر ہر چیز پر وہ قادر ہے اس کی قدرت کامل اور اس کا قبضہ سچا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا ۛ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوا ۚ وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۴۱) سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ

مع — الوقف علی الاول اجوز

---

(۱) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب فضائل الصحابة: باب ذكر اسامة بن زيد (۳۷۳۲) صحيح مسلم: كتاب الحدود: باب قطع السارق الشريف (۱۶۸۸) نسائی: کتاب قطع السارق (۴۸۹۹) ابن ماجه: کتاب الحدود (۲۵۴۷) ابوداؤد: کتاب الحدود: باب فی الحد يشفع فيه (۴۳۷۳) ترمذی: کتاب الحدود: باب ماجاء فی کراهية ان يشفع فی الحدود (۱۴۳۰)]

(۲) [صحیح: صحیح مسلم (۱۶۸۸)]

(۳) [صحیح: نسائی: کتاب قطع السارق: باب مایکون حرزا وما لایکون (۴۸۹۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغليل (۲۴۰۵)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

بَیۡنَہُمۡ بِالۡقِسۡطِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُقۡسِطِیۡنَ ﴿۴۲﴾ وَ کَیۡفَ یُحَکِّمُوۡنَکَ وَ عِنۡدَہُمُ
التَّوۡرٰىۃُ فِیۡہَا حُکۡمُ اللّٰہِ ثُمَّ یَتَوَلَّوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ ؕ وَ مَاۤ اُولٰٓئِکَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۳﴾
اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىۃَ فِیۡہَا ہُدًی وَّ نُوۡرٌ ۚ یَحۡکُمُ بِہَا النَّبِیُّوۡنَ الَّذِیۡنَ اَسۡلَمُوۡا
لِلَّذِیۡنَ ہَادُوۡا وَ الرَّبّٰنِیُّوۡنَ وَ الۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ کِتٰبِ اللّٰہِ وَ کَانُوۡا
عَلَیۡہِ شُہَدَآءَ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَ اخۡشَوۡنِ وَ لَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ
وَ مَنۡ لَّمۡ یَحۡکُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾

اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ان لوگوں کے پیچھے اپنا دل نہ کڑھا جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل باایمان نہیں' اور خواہ وہ یہودیوں میں سے ہوں' جو غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جو اب تک آپ کے پاس نہیں آئے' باتوں کے اصلی موقعہ کو چھوڑ کر انہیں بے اسلوب اور متغیر کر دیا کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لینا' اور اگر یہ حکم نہ دیئے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا' جس کا خراب کرنا اللہ ہی کو منظور ہو تو تو اس کے لیے اللہ کی ہدایت میں سے کسی چیز کا مختار نہیں' اللہ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں' ان کے لیے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑی سخت سزا ہے ○ یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور جی بھر بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں' اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کر خواہ ان کو ٹال دے۔ اگر تو ان سے منہ بھی پھیرے گا تو بھی یہ تجھے ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے' اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان میں عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کر' عدل والوں سے اللہ محبت کرتا ہے ○ تعجب کی بات ہے کہ اپنے پاس تورات ہوتے ہوئے جس میں احکام اللہ ہیں تجھے حکم بناتے ہیں پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں دراصل یہ ایمان و یقین والے ہیں ہی نہیں ○ ہم نے ہی تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے' یہودیوں میں اسی تورات کے ساتھ اللہ کے ماننے والے انبیاء اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے۔ اب تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بیچو' جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ پورے اور پختہ کافر ہیں ○

غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے والے کافر، فاسق، ظالم: ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے' جو رائے' قیاس اور خواہش نفسانی کو اللہ کی شریعت پر مقدم رکھتے ہیں۔ اللہ و رسول کی اطاعت سے نکل کر کفر کی طرف دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں۔ گو یہ لوگ زبانی ایمان کے دعوے کریں لیکن ان کا دل ایمان سے خالی ہے۔ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان کے کھرے' دل کے کھوٹے اور یہی خصلت یہودیوں کی ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں۔ یہ جھوٹ کو مزے مزے سے سنتے ہیں اور دل کھول کر قبول کرتے ہیں۔ لیکن سچ سے بھاگتے ہیں' بلکہ نفرت کرتے ہیں اور جو لوگ آپ کی مجلس میں نہیں آتے یہ یہاں کی وہاں پہنچاتے ہیں۔ ان کی طرف سے جاسوسی کرنے کو آتے ہیں۔ پھر نالائقی یہ کرتے ہیں کہ یہ بات کو بدل ڈالا کرتے ہیں مطلب کچھ ہو'

لے کچھ اڑتے ہیں' ارادے یہی ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق کہے تو مان لو' طبیعت کے خلاف ہو تو دور رہو۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں اتری تھی جن میں ایک کو دوسرے نے قتل کر دیا تھا' اب کہنے لگے چلو حضور ﷺ کے پاس چلیں اگر آپ دیت جرمانے کا حکم دیں تو منظور کر لیں گے اور اگر قصاص بدلے کو فرمائیں گے تو نہیں مانیں گے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک زنا کار کو لے کر آئے تھے۔ ان کی کتاب توراۃ میں دراصل حکم تو یہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے۔ لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا تھا اور سو کوڑے مار کر' منہ کالا کر کے' الٹا گدھے پر سوار کر کے رسوائی کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ جب ہجرت کے بعد ان میں سے کوئی زنا کاری کے جرم میں پکڑا گیا تو یہ کہنے لگے آؤ حضور ﷺ کے پاس چلیں اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کریں' اگر آپ بھی وہی فرمائیں گے جو ہم کرتے ہیں تو اسے قبول کر لیں گے اور اللہ کے ہاں بھی یہ ہماری سند ہو جائے گی اور اگر رجم کو فرمائیں گے تو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ یہ آئے اور حضور ﷺ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک مرد عورت نے بدکاری کی ہے' ان کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہارے ہاں توراۃ میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم تو اسے رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا' جھوٹ کہتے ہیں' تورات میں سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ لاؤ تورات پیش کرو' انہوں نے تورات کھولی لیکن آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی سب عبارت پڑھ سنائی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ کو تو ہٹا' ہاتھ ہٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت موجود تھی' اب تو انہیں بھی اقرار کرنا پڑا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے دیکھا کہ وہ زانی عورت کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس کے آڑے آ جاتا تھا''۔ [1] (بخاری و مسلم) اور سند سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا ''ہم تو اسے کالا منہ کر کے کچھ مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں''۔ اور آیت کے ظاہر ہونے کے بعد انہوں نے کہا ہے تو یہی حکم لیکن ہم نے تو اسے چھپا لیا تھا' جو پڑھ رہا تھا اسی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا' جب اس کا ہاتھ اٹھوایا تو آیت پر اچٹتی ہوئی نظر پڑ گئی۔ ان دونوں کے رجم کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمی بھیج کر آپ کو بلوایا تھا' اپنے مدرسے میں گدی پر آپ کو بٹھایا تھا اور جو تورات آپ کے سامنے پڑھ رہا تھا' وہ ان کا بہت بڑا عالم تھا۔ [2] ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے قسم دے کر پوچھا تھا کہ تم تورات میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا پاتے ہو؟ تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا' لیکن ایک نوجوان کچھ نہ بولا' خاموش ہی کھڑا رہا' آپ نے اس کی طرف دیکھ کر خاص اسے دوبارہ قسم دی اور جواب

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب احکام اهل الزمة واحصانهم (٦٨٤١) صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب رجم الیهود اهل الزمة فی الزنی (١٦٩٩) ابوداؤد : کتاب الحدود : باب فی رجم الیهودیین (٤٤٤٦)]

[2] [حسن : ابوداؤد: کتاب الحدود : باب فی رجم الیهودیین (٤٤٤٩)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (٥/٩٤)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

مانگا' اس نے کہا جب آپ ایسی قسمیں دے رہے ہیں تو میں جھوٹ نہ بولوں گا' واقعی تورات میں ان لوگوں کی سزا سنگساری ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا پھر یہ بھی سچ سچ بتاؤ کہ پہلے پہل اس رجم کو تم نے کیوں اور کس پر سے اڑایا؟ اس نے کہا حضرت ہمارے کسی بادشاہ کے رشتے دار بڑے آدمی نے زنا کاری کی۔ اس کی عظمت اور بادشاہ کی ہیبت کے مارے اسے رجم نہ کیا۔ پھر ایک عام آدمی نے بدکاری کی تو اسے رجم کرنا چاہا لیکن اس کی ساری قوم چڑھ دوڑی کہ یا تو اس اگلے شخص کو بھی رجم کرو ورنہ اسے بھی چھوڑو۔ آخر ہم نے مل ملا کر یہ طے کیا کہ بجائے رجم کے اس قسم کی کوئی سزا مقرر کر دی جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے توراۃ کے حکم کو جاری کیا اور اسی بارے میں آیت ﴿اِنَّـــا اَنْـزَلْنَـــا﴾ ' الخ' اتری۔ پس آنحضرت ﷺ بھی ان احکام کے جاری کرنے والوں میں سے ہیں۔[1] (احمد ابوداود) مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص کو یہودی کالا منہ کیے لے جا رہے تھے اور اسے کوڑے بھی مار رکھے تھے' تو آپ نے بلا کر ان سے ماجرا پوچھا انہوں نے کہا اس نے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا زانی کی یہی سزا تمہارے ہاں ہے؟ کہا ہاں۔ آپ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر اسے سخت قسم دے کر پوچھا تو اس نے کہا کہ اگر آپ ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا' بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زنا کاری کی سزا سنگساری ہے لیکن چونکہ امیر امراء اور شرفاء لوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی' اور انہیں اس قسم کی سزا دینی ہم نے مناسب نہ جانی' اس لیے انہیں تو چھوڑ دیتے تھے اور اللہ کا حکم مارا نہ جائے اس لیے غریب غرباء' کم حیثیت لوگوں کو رجم کرا دیتے تھے پھر ہم نے رائے زنی کی کہ آؤ کوئی ایسی سزا تجویز کرو کہ شریف وغیر شریف' امیر غریب پر سب یکساں جاری ہو سکے چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ منہ کالے کر دیں اور کوڑے لگائیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو سنگسار کرو چنانچہ انہیں رجم کر دیا گیا اور آپ نے فرمایا اے اللہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے ایک مردہ حکم کو زندہ کیا۔ اس پر آیت ﴿يَـآ اَيُّهَـا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ﴾ سے ﴿هُمُ الْكَـافِرُوْنَ﴾ (المائدہ / ۴۱۔۴۴) تک نازل ہوئی۔

انہی یہودیوں کے بارے میں اور آیت میں ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں اور آیت میں ہے فاسق ہیں۔[2] (مسلم وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ "واقعہ زنا فدک میں ہوا تھا اور وہاں کے یہودیوں نے مدینے شریف کے یہودیوں کو لکھ کر حضور ﷺ سے پچھوایا تھا جو عالم ان کا آیا اس کا نام ابن صوریا تھا یہ آنکھ کا بھینگا تھا' اور اس کے ساتھ ایک دوسرا عالم بھی تھا۔ حضور ﷺ نے جب انہیں قسم دی تو دونوں نے قبول کیا تھا' آپ نے انہیں کہا تھا' تمہیں اس اللہ کی قسم جس نے بنو اسرائیل کے لیے پانی میں راہ کر دی تھی اور ابر کا سایہ ان پر کیا تھا اور فرعونیوں سے بچا لیا تھا اور من وسلویٰ اتارا تھا۔ اس قسم سے وہ چونک گئے اور آپس میں کہنے

---

[1] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الحدود : باب رجم الیهودیین (۴۴۵۰) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۱۹۲۸)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود (۹۵۹) ارواء الغلیل (۹۵/۵)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب رجم الیهود اهل الزمة فی الزنی (۱۷۰۰) ابوداؤد : کتاب الحدود : باب فی رجم الیهودیین (۴۴۴۷ـ۴۴۴۸) مسند احمد (۲۸۶/۴)]

لگے بڑی زبردست قسم ہے‘ اس موقع پر جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں تو کہا حضور ﷺ تورات میں یہ ہے کہ بری نظر سے دیکھنا بھی مثل زنا کے ہے اور گلے لگانا بھی اور بوسہ لینا بھی‘ پھر اگر چار گواہ اس بات کے ہوں کہ انہوں نے دخول خروج دیکھا ہے جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں جاتی آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہی مسئلہ ہے پھر حکم دیا اور انہیں رجم کرادیا گیا‘۔ اس پر آیت ﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ﴾ الخ ‘ اتری۔ [1] (ابوداؤد وغیرہ) ایک روایت میں جو دو عالم سامنے لائے گئے تھے‘ یہ دونوں صوریا کے لڑکے تھے۔ ترک حد کا سبب اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم میں سلطنت نہ رہی تو ہم نے اپنے آدمیوں کی جان لینی مناسب نہ سمجھی پھر آپ نے گواہوں کو بلوا کر گواہی لی جنہوں نے بیان دیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں اس برائی میں دیکھا ہے‘ جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ [2] دراصل توراۃ وغیرہ کا منگوانا ان کے عالموں کو بلوانا‘ یہ سب انہیں الزام دینے کے لیے نہ تھا‘ نہ اس لیے تھا کہ وہ اسی کے ماننے کے مکلّف ہیں‘ نہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان واجب العمل ہے‘ اس سے مقصد ایک تو حضور ﷺ کی سچائی کا اظہار تھا کہ اللہ کی وحی سے آپ نے یہ معلوم کر لیا کہ ان کی تورات میں بھی حکم رجم موجود ہے اور یہی نکلا‘ دوسرے ان کی رسوائی کہ انہیں پہلے کے انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ فرمان الٰہی کو چھپا لینے والے اور اپنی رائے قیاس پر عمل کرنے والے ہیں اور اس لیے بھی کہ یہ لوگ سچے دل سے حضور ﷺ کے پاس کچھ اس لیے نہیں آئے تھے کہ آپ کی فرماں برداری کریں بلکہ محض اس لیے آئے تھے کہ اگر آپ کو بھی اپنے اجماع کے موافق پائیں گے تو اتحاد کر لیں گے ورنہ ہرگز قبول نہ کریں گے‘ اسی لیے فرمان ہے کہ ”جنہیں اللہ گمراہ کر دے تو ان کو کسی قسم سے راہ راست آنے کا اختیار نہیں ہے ان کے گندے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ کا ارادہ نہیں ہے‘ یہ دنیا میں ذلیل وخوار ہوں گے اور آخرت میں داخل نار ہوں گے۔ یہ باطل کو کان لگا کر مزے لے کر سننے والے ہیں اور رشوت جیسی حرام چیز کو دن دہاڑے کھانے والے ہیں‘ بھلا ان کے نجس دل کیسے پاک ہوں گے؟ اور ان کی دعائیں اللہ کیسے سنے گا؟ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے کہ ان کے فیصلے کر یا نہ کر اگر تو ان سے منہ پھیر لے جب بھی یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ان کا قصد اتباع حق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی پیروی ہے“۔

بعض بزرگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے ﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ﴾ (المائدہ / ۴۹) پھر فرمایا ”اگر تو ان میں فیصلے کرے تو عدل و انصاف کے ساتھ کر‘ گو یہ خود ظالم ہیں اور عدل سے ہٹے ہوئے ہیں اور مان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔

پھر ان کی خباثت بد باطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ ”ایک طرف تو اس کتاب اللہ کو چھوڑ رکھا ہے‘ جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں‘ دوسری طرف اس جانب جھک رہے ہیں‘ جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ

---

[1] [صحیح: ابوداؤد: کتاب الحدود: باب رجم الیھودیین (۴۴۵۲) ابن ماجہ: کتاب الاحکام: باب بما یستحلف اھل الکتاب (۲۳۲۸) شیخ البانیؒ نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود (۳۷۴۰)]

[2] [أیضا]

مشہور کر رکھا ہے' پھر اس میں بھی نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے گا تو لے لیں گے۔ ورنہ چھوڑ چھاڑ دیں گے''۔ تو فرمایا کہ یہ کیسے تیری فرماں برداری کریں گے؟ انہوں نے تو تورات کو بھی چھوڑ رکھا ہے' جس میں اللہ کے احکامات ہونے کا اقرار انہیں بھی ہے لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اس سے پھر جاتے ہیں۔ پھر اس تورات کی مدحت وتعریف بیان فرمائی جو اس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہما السلام پر نازل فرمائی تھی کہ اس میں ہدایت ونورانیت تھی۔ انبیاء جو اللہ کے زیر فرمان تھے' اسی پر فیصلہ کرتے رہے' یہودیوں میں اسی کے احکام جاری کرتے رہے' تبدیلی اور تحریف سے بچے رہے' ربانی یعنی عابد' علماء اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر رہے۔ کیونکہ انہیں یہ پاک کتاب سونپی گئی تھی اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور اس پر گواہ وشاہد تھے۔ اب تمہیں چاہیے کہ بجز اللہ کے کسی اور سے نہ ڈرو۔ ہاں قدم قدم اور لحمہ لحمہ پر خوف رکھو اور میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ اللہ کی وحی کا حکم جو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو ابھی بیان ہوں گے ان شاء اللہ۔ ان آیتوں کا ایک شان نزول بھی سن لیجیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں تو کافر کہا دوسری میں ظالم تیسری میں فاسق۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے' ایک غالب تھا، دوسرا مغلوب۔ ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب' ذی عزت فرقے کا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقے کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس وسق دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزیز کو قتل کر دے تو ایک سو وسق دیت دے۔ یہی رواج ان میں چلا آرہا تھا۔ جب حضور ﷺ مدینے میں آئے' اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے والے یہودیوں میں سے کسی نے کسی اونچے یہودی کو مار ڈالا۔ یہاں سے آدمی گیا کہ لاؤ سو وسق دلواؤ' وہاں سے جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے' ایک ہی دین کے' ایک ہی نسب کے' ایک ہی شہر کے پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ؟ ہم چونکہ اب تک تمہارے دبے ہوئے تھے' اس ناانصافی کو بادل ناخواستہ برداشت کرتے رہے لیکن اب جبکہ حضرت محمد (ﷺ) جیسے عادل بادشاہ یہاں آ گئے ہیں ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دو۔ اس بات پر ادھر ادھر سے آستینیں چڑھ گئیں' پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت محمد (ﷺ) کریں گے۔ لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے آپس میں جب مشورہ کیا تو ان کے سمجھداروں نے کہا دیکھو اس سے ہاتھ دھو رکھو کہ حضور ﷺ کوئی ناانصافی پہ مبنی حکم کریں۔ یہ تو صریح زیادتی ہے کہ ہم آدھی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دب کر اسے منظور کیا تھا جو تم نے آنحضرت ﷺ کو حکم اور ثالث مقرر کیا ہے تو یقیناً تمہارا یہ حق مارا جائے گا کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کرو' کسی کو حضور ﷺ کے پاس چپکے سے بھیج دو' وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے؟ اگر ہماری حمایت میں ہوا تو بہت اچھا چلو اور ان سے حق حاصل کر آؤ اور اگر خلاف ہوا تو پھر الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے چند منافقوں کو انہوں نے جاسوس بنا کر حضرت ﷺ کے پاس بھیجا اس سے پہلے کہ وہ یہاں پہنچیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتار کر اپنے رسول ﷺ کو ان دونوں فرقوں کے بدکرداروں

سے مطلع فرما دیا۔ [1] (ابوداود) ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنونضیر اور بنوقریظہ تھے۔ بنونضیر کی پوری دیت تھی اور بنوقریظہ کی آدھی۔ حضور ﷺ نے دونوں کی دیت یکساں دینے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ قرظی اگر کسی نضری کو قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیتے تھے لیکن اس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں سو وسق دیت تھی۔ [2]

یہ بہت ممکن ہے کہ ادھر یہ واقعہ ہوا ادھر زنا کا قصہ واقع ہوا جس کا تفصیلی بیان گذر چکا ہے اور ان دونوں پر یہ آیتیں نازل ہوئیں واللہ اعلم۔

ہاں ایک بات اور ہے جس سے اس دوسری شان نزول کی تقویت ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا﴾ الخ، یعنی ہم نے یہودیوں پر تورات میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض جان، آنکھ کے عوض آنکھ الخ واللہ اعلم۔ پھر انہیں کافر کہا گیا جو اللہ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلہ اور حکم نہ کریں گو یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے بقول مفسرین اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص کو شامل ہے۔ بنو اسرائیل کے بارے میں اتری اور اس امت کا بھی یہی حکم ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے وحی الٰہی کے خلاف عمداً فتویٰ دیا جاننے کے باوجود اس کے خلاف کیا وہ کافر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس نے اللہ کے فرمان سے انکار کیا اس کا یہ حکم ہے اور جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق نہ کہا وہ ظالم اور فاسق ہے۔ خواہ اہل کتاب ہو خواہ کوئی اور ہو۔ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "مسلمانوں میں جس نے کتاب کے خلاف فتویٰ دیا وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرانیوں میں دیا ہو تو فاسق ہے"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "اس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے"۔ طاؤس فرماتے ہیں "اس کا کفر اس کے کفر جیسا نہیں جو سرے سے ہی اللہ رسول قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو"۔ عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں "کفر کفر سے کم ہے اسی طرح ظلم و فسق کے بھی ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملت اسلام سے پھر جانے والا ہو جاتا ہے"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف تم جا رہے ہو"۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِۦ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُۥ ۚ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الظَّٰلِمُونَ ﴿٤٥﴾

---

[1] [حسن صحيح الاسناد: مسند احمد (٢٤٦/١) ابوداؤد: كتاب القضاء: باب في القاضي يخطي (٣٥٧٦) طبراني كبير (١٠٧٣٢) مجمع الزوائد (١٦/٧)] شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابوداود (٣٠٥٣) السلسلة الصحيحة (٢٥٥٢)] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (٢٢١٢)]

[2] [حسن: مسند احمد (٣/١) ابوداؤد: كتاب القضاء: باب الحكم بين اهل الذمة (٣٥٩١) نسائي: كتاب القسامة: باب تأويل قول الله تعالى وان حكمت فاحكم بينهم بالقسط (٤٧٣٧)] شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابوداود] تاہم حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

ہم نے (یہودیوں کے ذمہ تورات میں) یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک ناک کے بدلے اور کان کان کے بدلے اور دانت دانت کے بدلے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔ پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے وہی لوگ ظالم ہیں ○

قصاص کا بیان: یہودیوں کو اور سرزنش کی جا رہی ہے کہ ان کی کتاب میں صاف لفظوں میں جو حکم تھا یہ کھلم کھلا اس کا بھی خلاف کر رہے ہیں اور سرکشی اور بے پرواہی سے اسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ نضری یہودیوں کو تو قرظی یہودیوں کے بدلے قتل کرتے ہیں لیکن قریظہ کے یہود کو بنونضیر کے عوض قتل نہیں کرتے بلکہ دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا ہے اور صرف کالا منہ کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی لیے وہاں تو انہیں کافر کہا یہاں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے انہیں ظالم کہا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ﴿ والعین ﴾ پڑھنا بھی مروی ہے۔[1] (ابوداؤد وغیرہ) علماء کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت جا ہے ہمارے سامنے بطور تقریر بیان کی جائے اور منسوخ نہ ہو تو وہ ہمارے لیے بھی شریعت ہے۔ جیسے یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں ایک تو وہی ہے جو بیان ہوا' ایک اس کے بالکل برعکس ایک یہ کہ صرف ابراہیمی شریعت جاری اور باقی ہے اور کوئی نہیں۔ اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مرد عورت کے بدلے بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ یہاں لفظ نفس ہے جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مرد عورت کے خون کے بدلے قتل کیا جائے گا[2] اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے خون آپس میں مساوی ہیں۔[3] بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ "مرد جب کسی عورت کو قتل کر دے تو اسے اس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا بلکہ صرف دیت لی جائے گی"۔ لیکن یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ "ذمی کافر کے قتل کے بدلے بھی مسلمان قتل کر دیا جائے گا اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا"۔ لیکن یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا[4] اور سلف کے

---

[1] **[ضعیف :** مسند احمد (۳/۲۱۵) مستدرك حاكم (۲/۲۳۶) ابو داؤد : كتاب الحروف والقراءات (۳۹۷۶) ترمذی : كتاب القرأت (۲۹۲۹)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود] اس کی سند میں ابوعلی بن یزید راوی مجہول ہے۔]

[2] **[ضعیف :** نسائی: كتاب القسامة : باب ذكر حديث عمرو بن حزم في العقول (۴۸۵۷) مستدرك حاكم (۱/۳۹۵)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعيف الجامع (۲۳۳۳)]

[3] **[صحیح :** ابوداؤد : كتاب الجهاد : باب في السرية ترد على اهل العسكر (۲۷۵۱) ابن ماجه : كتاب الديات : باب المسلمون تتكافأ دماؤهم (۲۶۸۵) مسند احمد (۲/۱۹۱)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ابن ماجه (۲۱۷۲) المشكاة (۳۴۷۵)]

[4] **[صحیح :** صحيح بخاری : كتاب العلم : باب كتابة العلم (۱۱۱) ترمذی : كتاب الديات : باب ماجاء لايقتل مسلم بكافر (۱۴۱۲) ابن ماجه : كتاب الديات : باب لا يقتل مسلم بكافر (۲۶۵۸)]

بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں کہ وہ غلام کا قصاص آزاد سے نہیں لیتے تھے اور آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں لیکن صحت کو نہیں پہنچیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف اجماع ہے لیکن ان باتوں سے اس قول کا بطلان لازم نہیں آتا تاوقتیکہ آیت کے عموم کو خاص کرنے والی کوئی زبردست صاف ثابت دلیل نہ ہو۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے' اب لوگوں نے اس سے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس معاملہ آیا آپ نے بدلہ لینے کا حکم دے دیا' اس پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا اس عورت کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اے انس اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم موجود ہے۔ یہ سن کر فرمایا نہیں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اس کے دانت ہرگز نہ توڑے جائیں گے' چنانچہ ہوا بھی یہی کہ وہ لوگ رضامند ہو گئے اور قصاص چھوڑ دیا بلکہ معاف کر دیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا ''بعض بندگان رب ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری ہی کر دے''۔ [1] دوسری روایت میں ہے کہ ''پہلے انہوں نے نہ تو معافی دی نہ دیت لینی منظور کی''۔ نسائی وغیرہ میں ہے' ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مالدار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے' ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آ کر عرض کی کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں' مال ہمارے پاس نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی جرمانہ نہ رکھا۔ [2] ہوسکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ آپ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان سے سفارش کر کے معاف کرا لیا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی' آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی' ناک کاٹنے والے کا ناک کاٹ دیا جائے گا' دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ [3] اس میں آزاد مسلمان سب کے سب برابر ہیں۔ مرد عورت ایک ہی حکم میں ہیں۔ جبکہ یہ کام قصداً کیے گئے ہوں۔ اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں' ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔

قاعدہ: اعضاء کا کٹنا تو کبھی جوڑ سے ہوتا ہے اس میں تو قصاص واجب ہے۔ جیسے ہاتھ' پیر' قدم' ہتھیلی وغیرہ۔ لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہوں بلکہ ہڈی پر آئے ہوں' ان کی بابت حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ان میں بھی قصاص ہے مگر ران میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لیے کہ وہ خوف وخطر کی جگہ ہے''۔ ان کے برخلاف ابو

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصلح : باب الصلح فی الدیة (٢٧٠٣)، (٢٨٠٦) صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب اثبات القصاص فی الاسنان (١٦٧٥) ابوداؤد : کتاب الدیات : باب القصاص من السن (٤٥٩٥) مسند احمد (١٢٨/٣)]

[2] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الدیات : باب جنایة العبد یکون للفقراء (٤٥٩٠) نسائی : کتاب القسامة (٤٧٥٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٦٠/١٠)]

حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں، بجز دانت کے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں ۔ یہی مروی ہے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اور یہی کہتے ہیں عطا، شعبی، حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہم بھی اور اسی کی طرف گئے ہیں سفیان ثوری اور لیث بن سعد رحمہ اللہ علیہما بھی ۔ امام احمد سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے ۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل وہی حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ ہے ۔ لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا ۔ کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ بغیر ٹوٹنے کے جھڑ گئے ہوں ۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے ۔ ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ ”ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے نیچے ایک تلوار ماردی، جس سے اس کی کلائی کٹ گئی، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ آیا، آپ نے حکم دیا کہ دیت ادا کرو، اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اسی کو لے لے اللہ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ نے قصاص کو نہیں فرمایا“ ۔ [1] لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف اور گری ہوئی ہے، اس کے راوی دھشم بن قران اعرابی ضعیف ہیں، ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی، دوسرے راوی نمران بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہیں ۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ دلوایا نہ جائے گا ۔ اس کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوایئے، آپ نے دلوا دیا، اس کے بعد وہ پھر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو لنگڑا ہوگیا، آپ نے فرمایا میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا، اب تیرے اس لنگڑے پن کا بدلہ کچھ نہیں ۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے کو منع فرما دیا ۔ [2]

اگر کسی نے دوسرے کو زخمی کیا اور بدلہ اس سے لے لیا گیا، اس میں یہ مر گیا تو اس پر کچھ نہیں ۔ مالک، شافعی، احمد رحمہ اللہ علیہم اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ علیہم کا یہی قول ہے ۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس پر دیت واجب ہے، اسی کے مال میں سے ۔ بعض اور بزرگ فرماتے ہیں ”اس کے ماں باپ کی طرف کے رشتہ داروں کے مال پر وہ دیت واجب ہے“ ۔ بعض اور حضرات کہتے ہیں ”بقدر اس کے بدلے کے تو ساقط ہے باقی اسی کے مال میں سے واجب ہے“ ۔

پھر فرماتا ہے ”جو شخص قصاص سے درگذر کرے اور بطور صدقے کے اپنے بدلے کو معاف کر دے تو زخمی کرنے والے کا کفارہ ہوگیا اور جو زخمی ہوا ہے، اسے ثواب ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے“ ۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ”وہ زخمی کے لیے کفارہ ہے یعنی اس کے گناہ اسی زخم کی مقدار سے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے“ ۔ ایک مرفوع حدیث

---

[1] [ضعیف : ابن ماجہ : کتاب الدیات : باب مالا قود فیہ (٢٦٣٦)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے ۔ [ضعیف ابوداود ، ارواء الغلیل (٢٢٣٥)]

[2] [صحیح بالشواھد : مسند احمد (٢/٢١٧) مجمع الزوائد (٦/٢٩٥) بیھقی (٦٧/٨)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے شواہد کی بنا پر اسے صحیح کہا ہے ۔ [ارواء الغلیل (٢٢٣٧)]

میں یہ آیا ہے کہ ''اگر چوتھائی دیت کے برابر کی چیز ہے اور اس نے درگذر کر لیا تو اس کے چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ثلث ہے تو تہائی گناہ' آدھی ہے تو آدھے گناہ اور پوری ہے تو پورے گناہ''۔ (۱) ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دے دیا جس سے اس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ گیا اور جب وہ بہت سر ہو گیا تو آپ نے فرمایا' اچھا جا تجھے اختیار ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ وہیں تھے فرمانے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ''جس مسلمان کے جسم میں کوئی ایذاء پہنچائی جائے اور وہ صبر کر لے بدلہ نہ لے تو اللہ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے' اس انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا' کیا سچ مچ آپ نے خود ہی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں میرے ان کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے' اس نے کہا پھر گواہ رہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے انعام دیا''۔ (ابن جریر) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے (۲) لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔ ابوسفر راوی کا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت نہیں (۳) اور روایت میں ہے کہ تین گنی دیت وہ دینا چاہتا تھا لیکن یہ راضی نہیں ہوا تھا' اس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ''جو شخص خون یا اس سے کم کو معاف کر دے' وہ اس کی پیدائش سے لے کر موت تک کا کفارہ ہے''۔ (۴) مسند میں ہے کہ ''جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف فرما دیتا ہے''۔ (۵) مسند میں یہ بھی حدیث ہے ''اللہ کے حکم کے مطابق حکم نہ کرنے والے ظالم ہیں''۔ پہلے گذر چکا ہے کہ کفر کفر سے کم ہے' ظلم میں بھی تفاوت ہے اور فسق میں بھی درجے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠
وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ
وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ؀ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ
وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ؀

---

(۱) [**ضعیف**: الدر المنثور للسیوطی (۲/۵۱۰)] اس کی سند میں معلی بن ہلال راوی متروک ہے۔]

(۲) [**ضعیف**: تفسیر ابن جریر طبری (۱۲۰۸۵) ابن ماجہ: کتاب الدیات: باب العفو فی القصاص (۲۶۹۳) ترمذی: کتاب الدیات: باب ماجاء فی العفو (۱۳۹۳)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الجامع الصغیر (۵۱۷۷) السلسلة الضعیفة (٤٤٨٢)]

(۳) [**صحیح لغیرہ مرفوعا وھذا اسناد ضعیف**: مسند احمد (٦/٤٤٨)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرفوعا صحیح لغیرہ ہے' البتہ یہ سند ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (٢٧٥٣٤)]

(۴) [**ضعیف و منقطع**: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰/۳٦۸) الدر المنثور للسیوطی (۲/۵۱۱)] اس کی سند میں عمران بن ظبیان راوی ضعیف ہے۔ اور عدی بن ثابت کی معاویہ سے ملاقات ثابت نہیں۔]

(۵) [**صحیح بالشواھد**: مسند احمد (۵/۳۱٦) نسائی فی التفسیر (۱٦٦) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۰۸٦)] شیخ شعیب ارناؤوط نے شواہد کی بنا پر اسے صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (۲۲۷۵۳)]

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کو بھیجا جو اپنے سے آگے کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم ہی نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت و نصیحت تھی پارسا لوگوں کے لیے ○ انجیل والوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں' جو اللہ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ بدکار فاسق ہیں ○

حق چھوڑ کر باطل اختیار کرنے والے: انبیاء بنی اسرائیل کے پیچھے ہم عیسیٰ علیہ السلام نبی کو لائے جو توراۃ پر ایمان رکھتے تھے' اس کے احکام کے مطابق لوگوں میں فیصلے کرتے تھے' ہم نے انہیں بھی اپنی کتاب انجیل دی' جس میں حق کی ہدایت تھی اور شبہات اور مشکلات کی توضیح تھی اور پہلی الہامی کتابوں کی تصدیق تھی' ہاں چند مسائل جن میں یہودی اختلاف کرتے تھے' ان کے صاف فیصلے اس میں موجود تھے۔ جیسے قرآن میں اور جگہ ہے کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' میں' تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کروں گا جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں''۔ اسی لیے علماء کا مشہور مقولہ ہے کہ انجیل نے تورات کے بعض احکام منسوخ کر دیئے ہیں۔ انجیل سے پارسا لوگوں کی رہنمائی اور وعظ و پند ہوتی تھی کہ وہ نیکی کی طرف رغبت کریں اور برائی سے بچیں۔ ﴿اَهۡلَ الۡاِنۡجِيۡلِ﴾ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں ﴿وَالۡيَحۡكُمۡ﴾ میں لام کَیْ کے معنی میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اس لیے دی تھی کہ وہ اپنے زمانے کے اپنے ماننے والوں کو اسی کے مطابق چلائیں اور اس لام کو امر کا لام سمجھا جائے اور مشہور قراۃ ﴿وَلۡيَحۡكُمۡ﴾ پڑھی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انہیں چاہیے کہ انجیل کے کل احکام پر ایمان لائیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کریں۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿قُلۡ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَسۡتُمۡ عَلٰى شَىۡءٍ﴾ [1] الخ' یعنی اے اہل کتاب جب تک تم تورات و انجیل پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے اترا ہے' اگر اس پر قائم نہیں ہوتو تم کسی چیز پر نہیں ہو۔ اور آیت میں ہے ﴿اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ﴾ [2] الخ' جو لوگ اس رسول نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کرتے ہیں' جس کی صفت اپنے ہاں توراۃ میں لکھی ہوئی پاتے ہیں الخ وہ لوگ جو کتاب اللہ اور اپنے نبی کے فرمان کے مطابق حکم نہ کریں وہ اللہ کی اطاعت سے خارج' حق کے تارک اور باطل کے عامل ہیں' یہ آیت نصرانیوں کے حق میں ہے۔ روشن آیت سے بھی یہ ظاہر ہے اور پہلے بیان بھی گذر چکا ہے۔

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ‌ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ‌ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الۡحَـقِّ‌ؕ لِكُلٍّ جَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ شِرۡعَةً وَّمِنۡهَاجًا‌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَجَـعَلَـكُمۡ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰـكِنۡ لِّيَبۡلُوَكُمۡ فِىۡ مَاۤ اٰتٰٮكُمۡ‌ فَاسۡتَبِقُوا الۡخَـيۡرٰتِ‌ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرۡجِعُكُمۡ جَمِيۡعًا فَيُنَبِّئُكُمۡ بِمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۙ‏ وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ

[1] [سورۃ المائدہ: آیت ٦٨] [2] [سورۃ الاعراف: آیت ١٥٧]

وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ یَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَیۡكَ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ اَنۡ یُّصِیۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ ؕ وَ اِنَّ كَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِیَّةِ یَبۡغُوۡنَ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ یُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾

ع ۱۱

ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے سو تو ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کر اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ لگ' تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے' اگر منظور مولیٰ ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزما لے تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو' تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز جتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے ○ آپ ان کے باہمی معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے' ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے ان سے ہوشیار رہ کہ کہیں یہ تجھے اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کر دیں' اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو تو یقین کر لے کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی لے۔ اکثر لوگ بے حکم ہی ہوتے ہیں ○ کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے ○

ہر ایک کے لیے شریعت اور منہاج: تورات وانجیل کی ثناء وصفت اور تعریف ومدحت کے بعد اب قرآن عظیم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ''ہم نے اسے حق وصداقت کے ساتھ نازل فرمایا ہے یہ بالیقین اللہ واحد کی طرف سے ہے اور اسی کا کلام ہے۔ یہ تمام پہلی الٰہی کتابوں کو سچا مانتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت وثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسول ﷺ پر اترے گی' پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ﴾ [1] الخ' جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا' جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا وعدہ سچا ہے اور وہ سچا ثابت ہو چکا ہے' اس نے اگلے رسولوں کی زبانی جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی اور آخری رسول رسولوں کے سرتاج رسول آ ہی گئے اور یہ کتاب ان پہلی کتابوں کی امین ہے۔ یعنی اس میں جو کچھ ہے' وہی پہلی کتابوں میں بھی تھا' اب اس کے خلاف کوئی کہے کہ فلاں پہلی کتاب میں یوں ہے تو یہ غلط ہے۔ یہ ان کی سچی گواہ اور انہیں گھیر لینے والی اور سمیٹ لینے والی ہے۔ جو جو اچھائیاں پہلے کی تمام کتابوں میں جمع تھیں' وہ سب اس آخری کتاب میں یکجا موجود ہیں' اسی لیے یہ سب پر حاکم اور سب پر مقدم ہے اور اس کی حفاظت کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسے فرمایا ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ [2]

---

[1] [سورہ بنی اسرائیل: آیت ۱۰۷ـ۱۰۸] [2] [سورۃ الحجر: آیت ۹]

بعض نے کہا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ حضور ﷺ اس کتاب پر امین ہیں۔ واقع میں تو یہ قول بہت صحیح ہے لیکن اس آیت کی تفسیر یہ کرنی ٹھیک نہیں بلکہ عربی زبان کے اعتبار سے بھی یہ غور طلب امر ہے۔ صحیح تفسیر پہلی ہی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے اس قول کو نقل کر کے فرمایا ہے "یہ بہت دور کی بات ہے بلکہ ٹھیک نہیں ہے اس لیے ﴿ مهيمن ﴾ کا عطف مصدق پر ہے، پس یہ بھی اسی چیز کی صفت ہے جس کی صفت مصدق کا لفظ تھا"۔ اگر حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے معنی صحیح مان لیے جائیں تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہیے تھی۔

پس اے نبی ﷺ! آپ ان سب میں خدا کی اس کتاب کے احکام پھیلایئے۔ خواہ عرب ہوں، خواہ عجم ہوں، خواہ لکھے پڑھے ہوں، خواہ ان پڑھ ہوں۔ اللہ کی طرف سے نازل کردہ سے مراد وحی اللہ ہے خواہ وہ اس کتاب کی صورت میں ہو، خواہ جو پہلے احکام اللہ نے مقرر کر رکھے ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے تو آپ کو آزادی دی گئی تھی، اگر چاہیں ان میں فیصلے کریں چاہیں نہ کریں، لیکن اس آیت نے حکم دیا کہ وحی الٰہی کے ساتھ ان میں فیصلے کرنے ضروری ہیں" [1] ان بدنصیب جاہلوں نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ لیے ہیں اور ان کی وجہ سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے، خبردار اے نبی ﷺ تو ان کی چاہتوں کے پیچھے لگ کر حق کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے۔ کسی چیز کی طرف ابتداء کرنے کو شرعۃ کہتے ہیں، منہاج لغت میں کہتے ہیں واضح اور آسان راستے کو۔ پس ان دونوں لفظوں کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔ پہلی تمام شریعتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں، وہ سب توحید پر متفق تھیں، البتہ چھوٹے موٹے احکام میں قدرے ہیر پھیر تھا۔ جیسے حدیث شریف میں ہے "ہم سب انبیاء علاتی بھائی ہیں، ہم سب کا دین ایک ہی ہے" [2] ہر نبی توحید کے ساتھ بھیجا جاتا رہا اور ہر آسمانی کتاب میں توحید کا بیان اس کا ثبوت اور اسی کی طرف دعوت دی جاتی رہی"۔ جیسے قرآن فرماتا ہے کہ "تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے ان سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو"۔ اور آیت میں ہے ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا ﴾ [3] الخ ہم نے ہر امت کو بزبان رسول کہلوا دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو۔ ہاں احکام کا اختلاف ضرور رہا، کوئی چیز کسی زمانے میں حرام تھی پھر حلال ہوگئی یا اس کے برعکس۔ یا کسی حکم میں تخفیف تھی اب تاکید ہوگئی یا اس کے خلاف اور یہ بھی حکمت اور مصلحت اور حجت ربانی کے ساتھ پس توراۃ مثلاً ایک شریعت ہے، انجیل ایک شریعت ہے، قرآن ایک مستقل شریعت ہے تاکہ ہر زمانے کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے۔ البتہ توحید سب زمانوں میں یکساں رہی اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے امت محمد ﷺ! تم میں سے ہر شخص کے لیے ہم نے اپنی اس کتاب قرآن کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے، تم سب کو اس کی اقتدا اور تابعداری

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰/ ۳۳۲)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالی واذکر فی الکتاب مریم (۳۴۴۳) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فضائل عیسی (۲۳۶۵) مسند احمد (۲/ ۳۱۹)]

[3] [سورۃ النحل: آیت ۳۶]

کرنی چاہیے۔ اس صورت میں ((جَعَلْنَا)) کے بعد ضمیر ((ہٗ)) کی محذوف ماننی پڑے گی۔ پس بہترین مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ صرف قرآن کریم ہی ہے اور بس۔ لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہی فرمان ہوا ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔ پس معلوم ہوا کہ اگلا خطاب صرف اس امت سے ہی نہیں بلکہ سب امتوں سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور کامل قدرت کا بیان ہے کہ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی شریعت اور دین پر کر دیتا کوئی تبدیلی کسی وقت نہ ہوتی۔ لیکن رب کی حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہوا کہ علیحدہ علیحدہ شریعتیں مقرر کرے' ایک کے بعد دوسرا نبی بھیجے اور بعض احکام اگلے نبی کے پچھلے نبی سے بدلوا دے' یہاں تک کہ اگلے دین حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے منسوخ ہو گئے اور آپ تمام روئے زمین کی طرف بھیجے گئے اور خاتم الانبیاء بنا کر بھیجے گئے۔ یہ مختلف شریعتیں صرف تمہاری آزمائش کے لیے ہوئیں تاکہ تابعداروں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا ملے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ تمہیں آزمائے' اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے یعنی کتاب۔ پس تمہیں خیرات اور نیکیوں کی طرف سبقت اور دوڑ کرنی چاہیے۔ اللہ کی اطاعت' اس کی شریعت کی فرمانبرداری کی طرف آگے بڑھنا چاہیے اور اس آخری شریعت' آخری کتاب اور آخری پیغمبر ﷺ کی بہ دل وجان فرماں برداری کرنی چاہیے۔ لوگو! تم سب کا مرجع وماویٰ اور لوٹنا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے' وہاں وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی اصلیت بتا دے گا۔ سچوں کو ان کی سچائی کا اچھا پھل دے گا اور بروں کو ان کی کج بحثی' سرکشی اور خواہش نفس کی پیروی کی سزا دے گا۔

جو حق کو ماننا تو ایک طرف بلکہ حق سے چڑتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں۔ ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں مراد امت محمد ﷺ ہے' مگر اول ہی اولیٰ ہے۔ پھر پہلی بات کی اور تاکید ہو رہی ہے اور اس کے خلاف سے روکا جاتا ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ ''دیکھو کہیں اس خائن' مکار' کذاب' کفار یہود کی باتوں میں آ کر اللہ کے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ ہو جانا۔ اگر وہ تیرے احکام سے روگردانی کریں اور شریعت کے خلاف کریں تو تو سمجھ لے کہ ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اللہ کا کوئی عذاب ان پر آنے والا ہے۔ اسی لیے توفیق خیر ان سے چھین لی گئی ہے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اطاعت حق سے خارج۔ اللہ کے دین کے مخالف' ہدایت سے دور ہیں''۔ جیسے فرمایا ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ [1] یعنی گو تو حرص کر کے چاہے لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہیں۔ اور فرمایا ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ [2] اگر تو زمین والوں کی اکثریت کی مانے گا تو وہ تجھے بھی راہ حق سے بہکا دیں گے۔ یہودیوں کے چند بڑے بڑے رئیسوں اور عالموں نے آپس میں ایک میٹنگ کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں اگر ہم آپ کو مان لیں تو تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کر لیں گے اور ہم آپ کو ماننے کے لیے تیار ہیں' آپ صرف اتنا کیجیے کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے' اس کا فیصلہ ہمارے مطابق کر دیجیے' آپ نے انکار کر دیا اور اسی پر یہ آیتیں اتریں۔ [3] اس کے بعد

---

[1] [سورہ یوسف: آیت ۱۰۳] [2] [سورۃ الانعام: آیت ۱۱٦]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۱۵٦) بیھقی فی دلائل النبوۃ (۲/۵۳٦)] اس کی سند میں محمد بن ابی محمد راوی مجہول ہے۔]

جناب باری تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جو اللہ کے حکم سے ہٹ جائیں' جس میں تمام بھلائیاں موجود اور تمام برائیاں دور ہیں۔ایسے پاک حکم سے ہٹ کر رائے قیاس کی طرف' خواہش نفسانی کی طرف اور ان احکام کی طرف جھکے جو لوگوں نے از خود اپنی طرف سے بغیر دلیل شرعی کے گھڑ لیے ہیں جیسے کہ اہل جاہلیت اپنی جہالت وضلالت اور اپنی رائے اور اپنی مرضی کے مطابق حکم احکام جاری کر لیا کرتے تھے اور جیسے کہ تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خان کے احکام کی پیروی کرتے تھے جو الیاسق نے گھڑ دیئے تھے۔وہ بہت سے احکام کے مجموعے کے دفاتر تھے جو مختلف شریعتوں اور مذہبوں سے چھانٹے گئے تھے۔یہودیت' نصرانیت' اسلامیت وغیرہ سب کے احکام کا وہ مجموعہ تھا اور پھر اس میں بہت سے احکام وہ بھی تھے' جو صرف اپنی عقل اور مصلحت وقت کے پیش نظر ایجاد کیے گئے تھے' جن میں اپنی خواہش کی ملاوٹ بھی تھی۔پس وہی مجموعے ان کی اولاد میں قابل عمل ٹھہر گئے اور اسی کو کتاب وسنت پر فوقیت اور تقدیم دے لی۔درحقیقت ایسا کرنے والے کافر ہیں اور ان سے جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی طرف آجائیں اور کسی چھوٹے یا بڑے اہم یا غیر اہم معاملہ میں سوائے کتاب وسنت کے کوئی حکم کسی کا نہ لیں۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ جاہلیت کے احکام کا ارادہ کرتے ہیں اور حکم رب سے سرک رہے ہیں؟ یقین والوں کے لیے اللہ سے بہتر حکمران اور کارفرما کون ہوگا؟ اللہ سے زیادہ عدل وانصاف والے احکام کس کے ہوں گے؟ ایماندار اور یقین کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اس احکم الحاکمین اور الرحم الراحمین سے زیادہ اچھے' صاف، سہل اور عمدہ احکام وقواعد مسائل وضوابط کسی کے بھی نہیں ہو سکتے۔وہ اپنی مخلوق پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے' وہ پورے اور پختہ علم والا کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل وانصاف والا ہے۔حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اللہ کے فیصلے کے بغیر جو فتویٰ دے اس کا فتویٰ جاہلیت کا حکم ہے''۔ایک شخص نے حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے پوچھا کیا میں اپنی اولاد میں سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے بڑا اللہ کا دشمن وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اور حیلہ تلاش کرے اور بے وجہ کسی کی گردن مارنے کے درپے ہو جائے۔یہ حدیث بخاری میں بھی قدرے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ہے۔[1]

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَ النَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ
وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿51﴾
فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا
دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ﴿52﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ
جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿53﴾

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الدیات : باب من طلب دم امری بغیر حق (٦٨٨٢) طبرانی کبیر (١٠٧٤٩)]

اے ایمان والو تم یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں‘ تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ انہی میں سے ہے‘ ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا ○ تو دیکھے گا کہ جن کے دل میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے‘ بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر بے طرح نادم ہونے لگیں گے ○ اور ایماندار کہنے لگیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں‘ ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے ○

یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت: دشمنان اسلام یہود ونصاریٰ سے دوستیاں کرنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ ممانعت فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ ”وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہارے دین سے انہیں بغض وعداوت ہے۔ ہاں اپنے والوں سے ان کی دوستیاں اور محبتیں ہیں۔ میرے نزدیک تو جو بھی ان سے دلی محبت رکھے وہ ان ہی میں سے ہے“۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر پوری تنبیہ کی اور یہ آیت پڑھ سنائی۔ [1] حضرت عبداللہ بن عتبہ نے فرمایا لوگو تمہیں اس سے بچنا چاہیے کہ تمہیں خود تو معلوم نہ ہو اور تم اللہ کے نزدیک یہودو نصرانی بن جاؤ‘ ہم سمجھ گئے کہ آپ کی مراد اسی آیت کے مضمون سے ہے۔ [2] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرب نصرانیوں کے ذبیحہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔ جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ تو لپک لپک کر پوشیدہ طور پر ان سے ساز باز اور محبت ومودت کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے اگر مسلمانوں پر یہ لوگ غالب آ گئے تو پھر ہماری تباہی کر دیں گے‘ اس لیے ہم ان سے میل ملاپ رکھتے ہیں‘ ہم کیوں کسی سے بگاڑیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ممکن ہے اللہ مسلمانوں کو صاف طور پر غالب کر دے‘ مکہ بھی ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے‘ فیصلے اور حکم ان ہی کے چلنے لگیں‘ حکومت ان کے قدموں میں سر ڈال دے۔ یا اللہ تعالیٰ اور کوئی چیز اپنے پاس سے لائے یعنی یہود ونصاریٰ کو مغلوب کر کے انہیں ذلیل کر کے ان سے جزیہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دے دے پھر تو یہ منافقین جو آج لپک لپک کر ان سے گہری دوستی کرتے پھرتے ہیں‘ بڑے بھنانے لگیں گے اور اپنی اس چالا کی پر خون کے آنسو بہانے لگیں گے۔ ان کے پردے کھل جائیں گے اور یہ جیسے اندر تھے ویسے ہی باہر سے نظر آئیں گے۔ اس وقت مسلمان ان کی مکاریوں پر تعجب کریں گے اور کہیں گے اے لو یہی وہ لوگ ہیں‘ جو بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں۔ انہوں نے جو پایا تھا وہ کھو دیا تھا اور برباد ہو گئے۔ ﴿وَيَقُوْلُ﴾ تو جمہور کی قرات ہے۔ ایک قرات بغیر واؤ کے بھی ہے اہل مدینہ کی یہی قرات ہے۔ ﴿يَقُوْلُ﴾ تو مبتدا ہے اور دوسری قرات اس کی ﴿يَقُوْلَ﴾ ہے تو یہ ﴿فَعَسٰى﴾ الخ پر عطف ہوگا گویا ﴿وَاَنْ يَّقُوْلَ﴾ ہے اہل مدینہ کے نزدیک۔

---

[1] [حسن: الدرالمنثور (۳/۱۰۰) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۱۵۶/٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱۱۵۶/٤)]

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تا کہ موقع پر مجھے نفع پہنچے' دوسرے نے کہا' میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں' اس سے دوستی کر کے اس کی مدد کروں گا۔اس پر یہ آیتیں اتریں۔عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ابولبابہ بن عبدالمنذر کے بارے میں یہ آیتیں اتریں جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بنو قریظہ کی طرف بھیجا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ تو آپ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کرا دیں گے''۔ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں اتری ہیں۔حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ بہت سے یہودیوں سے میری دوستی ہے مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں' مجھے اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کافی ہے۔اس پر اس منافق نے کہا میں دور اندیش ہوں' دور کی سوچنے کا عادی ہوں' مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا' نہ جانے کس وقت کیا موقعہ پڑ جائے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ تو عبادہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں بہت ہی گھاٹے میں رہا' اس پر یہ آیتیں اتریں۔ [1] ایک روایت میں ہے کہ ''جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ یہی تمہاری حالت ہو'اس سے پہلے ہی تم اس دین برحق کو قبول کر لو انہوں نے جواب دیا کہ چند قریشیوں پر جو لڑائی کے فنون سے بے بہرہ ہیں' فتح مندی حاصل کر کے کہیں تم مغرور نہ ہو جانا' ہم سے اگر پالا پڑا تو ہم تمہیں بتا دیں گے کہ لڑائی اسے کہتے ہیں۔اس پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی کا وہ مکالمہ ہوا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ [2] جب یہودیوں کے اس قبیلہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور بفضل رب یہ غالب آ گئے تو اب عبداللہ بن ابی آپ سے کہنے لگا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے دوستوں کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجئے' یہ لوگ خزرج کے ساتھی تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کوئی جواب نہ دیا' اس نے پھر کہا' آپ نے منہ موڑ لیا' یہ آپ کے دامن سے چپک گیا' آپ نے غصہ سے فرمایا کہ چھوڑ دے' اس نے کہا نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ چھوڑوں گا' یہاں تک کہ آپ ان کے بارے میں احسان کریں' ان کی بڑی پوری جماعت ہے اور آج تک یہ لوگ میرے طرفدار رہے اور ایک ہی دن میں یہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔مجھے تو آنے والی مصیبتوں کا کھٹکا ہے۔آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ''جاؤ وہ سب تیرے لیے ہیں''۔ [3] ایک روایت میں ہے کہ ''جب بنو قینقاع کے یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کی اور اللہ نے انہیں نیچا دکھایا تو عبداللہ بن ابی ان کی حمایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کرنے لگا اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے باوجودیکہ یہ بھی ان کے حلیف تھے لیکن انہوں نے ان سے صاف براءت ظاہر کی''۔اس پر یہ آیتیں ﴿هُمُ الْغَالِبُوْنَ﴾ تک اتریں۔ [4] مسند احمد میں ہے کہ ''اس منافق عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا' میں نے تو تجھے بارہا ان یہودیوں کی محبت سے

---

[1] [**مرسل وضعیف** : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۱۶۲) اس کی سند میں عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔]

[2] [**مرسل وضعیف** : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۱۶۳)]

[3] [**مرسل وضعیف** : بیهقی فی دلائل النبوة (۱۷۴/۳)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۱۶٤) سیرة ابن هشام (۵۲/۳)]

روکا تو اس نے کہا اسعد بن زرارہ تو ان سے دشمنی رکھتا تھا وہ بھی مر گیا"۔ (1)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ
وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ
يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ
يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿٥٥﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ
وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿٥٦﴾

ع ۱۲

اے ایمان والو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے یہ ہے اللہ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے ○ مسلمانو تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں اور وہ خشوع و خضوع کرنے والے ہیں ○ جو شخص اللہ سے اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی ○

حقیقی اللہ کے ولی اہل ایمان: اللہ رب العزت جو قادر و غالب ہے خبر دیتا ہے کہ اگر کوئی اس پاک دین سے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کی قوت گھٹا نہیں دے گا، اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بدلے ان لوگوں کو اس سچے دین کی خدمت پر مامور کرے گا، جو ان سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَإِنْ تَتَوَلَّوْا﴾ (2) الخ اور آیت میں ہے ﴿إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ﴾ (3) اور جگہ فرمایا ﴿وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ (4) الخ، مطلب ان سب آیتوں کا وہی ہے جو بیان ہوا۔ ارتداد کہتے ہیں، حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جانے کو۔ محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت سرداران قریش کے بارے میں اتری ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے، ان کا حکم اس آیت میں ہے۔ جس قوم کو ان کے بدلے لانے کا وعدہ دے رہا ہے وہ اہل قادسیہ ہیں یا قوم سبا ہے۔ یا اہل یمن ہیں جو کندہ اور سکون قبیلہ کے ہیں"۔ ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ پچھلی بات بیان ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے

---

(1) [**ضعیف** : ابو داؤد: كتاب الجنائز : باب في العيادة (٣٠٩٤) مسند احمد (٥/٢٠١)] اس کی سند میں ابن اسحاق راوی مدلس ہے اور تصریح بالسماع نہیں۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود (٦٨١)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

(2) [سورہ محمد : آیت ٣٨]

(3) [سورۃ النساء : آیت ١٣٣]

(4) [سورہ ابراھیم : آیت ١٩]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ اس کی قوم ہے۔ [1] اب ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہو رہی ہے کہ ''یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تو بچھ جانے والے' جھک جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تن جانے والے' ان پر بھاری پڑنے والے اور ان پر تیز ہونے والے ہوتے ہیں''۔ جیسے فرمایا ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ [2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتوں میں ہے کہ آپ خندہ مزاج بھی تھے اور قتال بھی یعنی دوستوں کے سامنے ہنس مکھ خندہ رو اور دشمنان دین کے مقابلہ میں سخت اور جنگجو۔

سچے مسلمان راہ حق کے جہاد سے نہ منہ موڑتے ہیں' نہ پیٹھ دکھاتے ہیں' نہ تھکتے ہیں' نہ بزدلی اور آرام طلبی کرتے ہیں' نہ کسی کی مروت میں آتے ہیں' نہ کسی کی ملامت کا خوف کرتے ہیں' وہ برابر اطاعت الٰہی میں اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں بھلائی کا حکم کرنے میں اور برائیوں سے روکنے میں مشغول رہتے ہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کا حکم دیا ہے۔ مسکینوں سے محبت رکھنے' ان کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے اور دنیوی امور میں اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھنے اور اپنے سے بڑھے ہوؤں کو نہ دیکھنے' صلہ رحمی کرتے رہنے' گو دوسرے نہ کرتے ہوں اور کسی سے کچھ بھی نہ مانگنے' حق بات بیان کرنے کا گو وہ سب کو کڑوی لگے اور دین کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا اور بہ کثرت ((لا حول ولا قوة الا بالله)) پڑھنے کا' کیونکہ یہ کلمہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے''۔ [3] (مسند احمد) ایک روایت میں ہے ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ مرتبہ بیعت کی ہے اور سات باتوں کی آپ نے مجھے یاد دہانی کی ہے اور سات مرتبہ اپنے اوپر اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اللہ کے دین کے بارے میں کسی بدگو کی بدگوئی کی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ مجھے بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا مجھ سے جنت کے بدلے میں بیعت کرے گا؟ میں نے منظور کر کے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے شرط کی کہ کسی سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ میں نے کہا بہت اچھا' فرمایا اگرچہ کوڑا ہی ہو۔ یعنی اگر وہ بھی گر پڑے تو خود سواری سے اتر کر لے لینا''۔ [4] (مسند احمد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لوگوں کی ہیبت میں آ کر حق گوئی سے نہ رکنا' یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے' نہ رزق کو دور کر سکتا ہے''۔ ملاحظہ ہو امام احمد رحمہ اللہ کی مسند۔ [5] ''فرماتے ہیں خلاف شرع امر دیکھ کر' سن کر اپنے آپ کو کمزور جان کر' خاموش نہ ہو جانا۔ ورنہ اللہ کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی' اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے چپکا ہو گیا تو جناب باری تعالیٰ فرمائے گا'

---

[1] [صحيح : مستدرك حاكم (٢/٣١٣) تفسير ابن جرير الطبرى (١٢١٩٤) بيهقى فى دلائل النبوة (٣٥١/٥)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (٣٣٦٨)]

[2] [سورة الفتح : آیت ٢٩]

[3] [صحيح : مسند احمد (١٥٩/٥) مجمع الزوائد (٢٦٣/١٠)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (٢١٦٦)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[4] [ضعيف : مسند احمد (١٧٢/٥)] اس کی سند میں ابو مثنیٰ راوی مجہول ہے۔]

[5] [ضعيف : مسند احمد (٣/٥٠، ٨٧) طبرانی اوسط (٢٨٢٥)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (١١٤٧٤)]

میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا''۔ [1] (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کرے گا کہ تو نے لوگوں کو خلاف شرع کام کرتے دیکھ کر اس سے روکا کیوں نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اسے جواب سمجھائے گا اور یہ کہے گا پروردگار میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا۔ [2] (ابن ماجہ) ایک اور صحیح حدیث میں ہے ''مومن کو نہ چاہیے کہ اپنے آپ کو ذلت میں ڈالے' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا' یہ کس طرح؟ فرمایا ان بلاؤں کو اپنے اوپر لے لے' جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ [3] پھر فرمایا اللہ کا فضل ہے' جسے چاہے دے۔ یعنی کمال ایمان کی یہ صفتیں خاص اللہ کا عطیہ ہیں' اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے' اس کا فضل بہت ہی وسیع ہے اور وہ کامل علم والا ہے' خوب جانتا ہے کہ اس بہت بڑی نعمت کا مستحق کون ہے؟

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دوست کفار نہیں بلکہ حقیقتاً تمہیں اللہ سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں سے دوستیاں رکھنی چاہئیں۔ مومن بھی وہ جن میں یہ صفتیں ہوں کہ وہ نماز کے پورے پابند ہوں' جو اسلام کا اعلیٰ اور بہترین رکن ہے اور صرف اللہ کا حق ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو اللہ کے ضعیف مسکین بندوں کا حق ہے''۔ اور آخری جملہ جو ہے اس کی نسبت بعض لوگوں کو وہم سا ہو گیا ہے کہ یہ ﴿يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر اسے مان لیا جائے تو یہ تو نمایاں طور پر ثابت ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل ہی نہیں' ان وہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نماز کے رکوع میں تھے جو ایک سائل آ گیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی' [4] ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے مراد بقول عتبہ جملہ مسلمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی انگوٹھی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں' رجال ایک کے بھی ثقہ اور ثابت نہیں' پس یہ واقعہ بالکل غیر ثابت شدہ ہے اور صحیح نہیں۔ [5] ٹھیک وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب آیتیں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ انہوں نے کھلے لفظوں میں یہود کی دوستی توڑی اور اللہ اور اس کے رسول اور ایمان دار لوگوں کی دوستی پر راضی ہو گئے' اسی لیے ان تمام آیتوں کے آخر میں فرمان ہوا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (۳/۴۷) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهی عن المنکر (۴۰۰۸)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابن ماجه ، التعلیق الرغیب (۳/۱۶۹)]

[2] [صحیح : ابن ماجه : کتاب الفتن : باب قوله تعالی یایها الذین امنوا علیکم انفسکم (۴۰۱۷) مسند احمد (۳/۲۷۔۷۷)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابن ماجه ، الصحیحة (۹۲۹)]

[3] [صحیح : ابن ماجه : کتاب الفتن : باب قوله تعالی یایها الذین امنو علیکم انفسکم (۴۰۱٦) ترمذی : کتاب الفتن : باب لا یتعرض من البلاء لما لا یطیق (۲۲۵۴) مسند احمد (۵/۴۰۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (٦۱۳)]

[4] [ضعیف : اس کی سند میں موسیٰ بن قیس راوی سخت ضعیف ہے۔]

[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۲۱۹)]

سے دوستی رکھے وہ اللہ کے لشکر میں داخل ہے اور یہی اللہ کا لشکر غالب ہے۔ جیسے فرمان باری ہے ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ [1] الخ، یعنی اللہ تعالیٰ یہ دیکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ﷺ ہی غالب رہیں گے اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی پسند نہ آئے گا چاہے وہ باپ بیٹے بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگوں میں سے ہی کیوں نہ ہو' یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے' انہیں اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا' جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے' رب ان سے راضی ہے' یہ اللہ سے خوش ہیں' یہی اللہ کے لشکر ہیں اور اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔ پس جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کی دوستیوں پر راضی اور رضا مند ہو جائے' وہ دنیا میں فاتح ہے اور آخرت میں فلاح پانے والا ہے۔ اسی لیے اس آیت کو بھی اس جملے پر ختم کیا۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿۵۸﴾

مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے خواہ کفار ہوں اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ○ جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں' یہ اس واسطے کہ یہ بے عقل ہیں ○

اذان اور دشمنان دین: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محبت سے نفرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ''کیا تم ان سے دوستیاں کرو گے جو تمہارے طاہر و مطہر دین کی ہنسی اڑاتے ہیں اور اسے ایک بازیچہ اطفال بنائے ہوئے ہیں''۔ ﴿من﴾ بیان جنس کے لیے جیسے ﴿مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ میں۔ [2] بعض نے ﴿وَالْكُفَّارِ﴾ پڑھا ہے اور عطف ڈالا ہے اور بعض نے ﴿وَالْكُفَّارَ﴾ پڑھا ہے اور ﴿لَا تَتَّخِذُوْا﴾ کا نیا معمول بنایا ہے تو تقدیر عبارت ﴿وَلَا الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ﴾ ہو گی' کفار سے مراد مشرکین ہیں' ابن مسعود کی قرات میں ﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ ہے۔ [3] اللہ سے ڈرو اور ان سے دوستیاں نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو۔ یہ تو تمہارے دین کے' اللہ کی شریعت کے دشمن ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [4] الخ' مومن مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں نہ کریں اور جو ایسا کرے وہ اللہ کے ہاں کسی بھلائی میں نہیں ہاں ان سے بچاؤ مقصود ہو تو اور بات ہے' اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اسی طرح یہ کفار اہل کتاب اور مشرک اس وقت بھی مذاق

---

[1] [سورة المجادلہ: آیت ۲۱، ۲۲] [2] [سورة الحج : آیت ۳۰]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰/ ٤٣٠)] [4] [سورہ آل عمران : آیت ۲۸]

اڑاتے ہیں جب تم نمازوں کے لیے لوگوں کو پکارتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پیاری عبادت ہے' لیکن یہ بیوقوف اتنا بھی نہیں جانتے' اس لیے کہ یہ متبع شیطان ہیں' اس کی یہ حالت ہے کہ اذان سنتے ہی بدبو چھوڑ کر دم دبائے بھاگتا ہے اور وہاں جا کر ٹھہرتا ہے' جہاں اذان کی آواز نہ سن پائے۔ اس کے بعد آ جاتا ہے پھر تکبیر سن کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی آ کر اپنے بہکاوے میں لگ جاتا ہے' انسان کو ادھر ادھر کی بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ نماز کی کتنی رکعت پڑھیں؟ جب ایسا ہو تو وہ سجدہ سہو کر لے۔ (متفق علیہ) [1] امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اذان کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے پھر یہی آیت تلاوت کی''۔ [2] ایک نصرانی مدینے میں تھا، اذان میں جب ﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلَ اللّٰهِ﴾ سنتا تو کہتا کذاب جل جائے۔ ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی' کوئی پتنگا اڑا جس سے گھر میں آگ لگ گئی' وہ شخص اس کا گھر بار سب جل کر ختم ہو گیا۔ فتح مکہ والے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبے میں اذان کہنے کا حکم دیا' قریب ہی ابوسفیان بن حرب' عتاب بن اسید' حارث بن ہشام بیٹھے تھے' عتاب نے تو اذان سن کر کہا میرے باپ پر تو اللہ کا فضل ہوا کہ وہ اس غصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا۔ حارث کہنے لگا اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی نہ لیتا۔ ابوسفیان نے کہا بھئی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا' ڈر ہے کہ کہیں یہ کنکریاں اسے خبر نہ کر دیں۔ انہوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے اور فرمانے لگے اس وقت تم نے یہ یہ باتیں کیں ہیں' یہ سنتے ہی عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں' ورنہ ہم یہ گمان کر سکتے تھے کہ اس نے جا کر آپ سے کہہ دیا ہوگا۔ [3] (سیرۃ محمد بن اسحٰق)

حضرت عبداللہ بن محیریز رحمہ اللہ جب شام کے سفر کو جانے لگے تو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے جن کی گود میں انہوں نے ایام یتیمی بسر کیے تھے' کہا آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجیے۔ فرمایا ہاں سنو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین سے واپس آ رہے تھے راستے میں' ہم لوگ ایک جگہ رکے' تو نماز کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن نے اذان کہی' ہم نے اس کا مذاق اڑانا شروع کیا' کہیں آپ کے کان میں بھی آوازیں پڑ گئیں۔ سپاہی آیا اور ہمیں آپ کے پاس لے گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا تو آپ نے اور سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا ''اٹھو اذان کہو'' واللہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اور آپ کی فرماں برداری سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس تھا' کھڑا ہو گیا' اب خود آپ نے مجھے اذان سکھائی اور جو آپ سکھاتے رہے' میں کہتا رہا' پھر اذان پوری بیان کی' جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپ نے مجھے ایک تھیلی دی' جس میں چاندی تھی' پھر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے۔

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب السهو: باب اذا لم یدر کم صلی ثلاثا (۱۲۳۱) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب السهو فی الصلاة (۳۸۹)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (۱۱٦٤/٤)] [3] [دلائل النبوة (۷۸/۵)]

پھر فرمایا اللہ تجھ میں اور تجھ پر اپنی برکت نازل کرے۔ اب تو اللہ کی قسم میرے دل سے رسول ﷺ کی عداوت بالکل جاتی رہی' ایسی محبت حضور ﷺ کی دل میں پیدا ہوگئی' میں نے آرزو کی کہ مکے کا موذن حضور ﷺ مجھ کو بنا دیں۔ آپ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور میں مکے میں چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے مل کر اذان پر مامور ہو گیا۔ [1] حضرت ابو محذورہ کا نام سمرہ بن معیر بن لوذان تھا' حضور ﷺ کے چار موذنوں میں سے ایک آپ تھے اور لمبی مدت تک آپ اہل مکہ کے موذن رہے۔ رضی اللہ عنه وارضاہ۔

قُلْ يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ هَلْ تَنقِمُونَ مِنَّآ إِلَّآ أَنْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَمَآ أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَٰسِقُونَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِّن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ ٱللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ ٱللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ ٱلْقِرَدَةَ وَٱلْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ ٱلطَّٰغُوتَ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَآءِ ٱلسَّبِيلِ ﴿٦٠﴾ وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُوا۟ بِٱلْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا۟ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا۟ يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْإِثْمِ وَٱلْعُدْوَٰنِ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَىٰهُمُ ٱلرَّبَّٰنِيُّونَ وَٱلْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ ٱلْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ ٱلسُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا۟ يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾

کہہ دے کہ اے یہودیو اور نصرانیو! تم ہم سے صرف اسی وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لیے بھی کہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں ○ کہہ کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برے بدلے والا اللہ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصے ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیئے اور وہ جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی' یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں ○ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لیے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی' یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ خوب دانا ہے ○ تو دیکھے گا کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم و زیادتی کی طرف اور مال حرام کے کھانے کی طرف لپک رہے ہیں' جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ یقیناً نہایت برے کام ہیں ○ انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بیشک بہت برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں ○

---

[1] [صحيح : صحيح مسلم : كتاب الصلاة : باب صفة الاذان (٣٨٩) ابوداؤد : كتاب الصلاة : باب كيف الاذان (٥٠٠ ـ ٥٠١) نسائي : كتاب الاذان : باب خفض الصوت في الترجيع (٦٣٠) ابن ماجه : كتاب الاذان : باب الترجيع في الاذان (٧٠٨ ـ ٧٠٩) ترمذي : كتاب الصلاة : باب ماجآء في الترجيع (١٩١ ـ ١٩٢) مسند احمد (٤٠٩/٣)]

بدترین لوگ اور اہل علم کو امر بالمعروف کی نصیحت : حکم ہوتا ہے کہ جو اہل کتاب تمہارے دین پر مذاق اڑاتے ہیں' ان سے کہو کہ تم نے جو دشمنی ہم سے کر رکھی ہے، اس کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس دراصل نہ تو یہ کوئی وجہ بغض ہے' نہ سبب مذمت بہ استثناء منقطع ہے اور آیت میں ہے ﴿وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ﴾ [1] الخ' یعنی فقط اس وجہ سے انہوں نے ان سے دشمنی کی تھی کہ وہ اللہ عزیز وحمید کو مانتے تھے۔ اور جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَمَا نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ [2] یعنی انہوں نے صرف اس کا انتقام لیا ہے کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور رسول ﷺ نے مال دے کر غنی کر دیا ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے ''ابن جمیل اسی کا بدلہ لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ نے اسے غنی کر دیا'' [3] اور یہ کہ تم میں سے اکثر صراط مستقیم سے الگ اور خارج ہو چکے ہیں۔ تم جو ہماری نسبت گمان رکھتے ہو آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں سے بدلہ پانے میں کون بدتر ہے؟ اور وہ تم ہو کیونکہ یہ خصلتیں تم میں ہی پائی جاتی ہیں۔ یعنی جسے اللہ نے لعنت کی ہو' اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہو' اس پر غضبناک ہوا ہو' ایسا جس کے بعد رضا مند نہیں ہوگا اور جن میں سے بعض کی صورتیں بگاڑ دی ہوں' بندر اور سور بنا دیئے ہوں''۔ اس کا پورا بیان سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ کیا یہ بندر و سور وہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا جس قوم پر اللہ کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہے' ان کی نسل ہی نہیں ہوتی' ان سے پہلے بھی سور اور بندر تھے۔ یہ روایت مختلف الفاظ میں صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ [4] مسند میں ہے کہ ''جنوں کی ایک قوم سانپ بنا دی گئی تھی۔ جیسے کہ بندر اور سور بنا دیئے گئے''۔ [5] یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ انہی میں سے بعض کو غیر اللہ کے پرستار بنا دیئے۔ ایک قرات میں اضافت کے ساتھ طاغوت کی زیر سے بھی ہے۔ یعنی انہیں بتوں کا غلام بنا دیا۔ حضرت بریدہ اسلمی رحمہ اللہ اسے ﴿عَابِدُ الطَّاغُوتِ﴾ پڑھتے تھے۔ حضرت ابو جعفر قاری رحمہ اللہ سے ﴿وَعُبِدَ الطَّاغُوتُ﴾ بھی منقول ہے جو بعید از معنی ہو جاتا ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ تم ہی وہ ہو' جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی۔ الغرض اہل کتاب کو الزام دیا جاتا ہے کہ ہم پر تو عیب گیری کرتے ہو' حالانکہ ہم موحد ہیں' صرف ایک اللہ برحق کے ماننے والے ہیں اور تم تو وہ ہو کہ مذکورہ سب برائیاں تم میں پائی گئیں۔ اسی لیے خاتمے پر فرمایا کہ یہی لوگ باعتبار قدر ومنزلت کے بہت برے ہیں اور باعتبار گمراہی کے انتہائی غلط راہ پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس افعل التفضیل میں دوسری جانب کچھ مشارکت نہیں اور یہاں تو سرے سے ہے ہی نہیں۔ جیسے اس آیت میں ﴿أَصْحَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُسْتَقَرًّا

---

[1] [سورة البروج: آیت ۸] [2] [سورة التوبہ: آیت ۷۴]

[3] **[صحیح :** صحیح بخاری : کتاب الزکاۃ : باب قول الله تعالی وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل الله (۱٤٦۸) صحیح مسلم : کتاب الزکاۃ : باب فی تقدیم الزکاۃ (۹۸۳)]

[4] **[صحیح :** صحیح مسلم : کتاب القدر : باب بیان ان الآجال والارزاق وغیرها (۲٦٦۳)]

[5] **[صحیح :** مسند احمد (۱/۳٤۸) مسند بزار (۱۲۳۲) طبرانی کبیر (۱۱٤٦)] شیخ البانیؒ اور شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (۱۸۲٤) الموسوعة الحديثية (۳۰۵/۱۰)]

﴿وَاَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾ [1] پھر منافقوں کی ایک اور بدخصلت بیان کی جارہی ہے کہ "ظاہر میں تو وہ مومنوں کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے باطن کفر سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ تیرے پاس کفر کی حالت میں آتے ہیں اور اسی حالت میں تیرے پاس سے جاتے ہیں تو تیری باتیں' تیری نصیحتیں ان پر کچھ اثر نہیں کرتیں۔ بھلا یہ پردہ داری انہیں کیا کام آئے گی' جس سے ان کا معاملہ ہے' وہ تو عالم الغیب ہے' دلوں کے بھید اس پر روشن ہیں۔ وہاں جا کر پورا پورا بدلہ بھگتنا پڑے گا۔ تو دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ گناہوں پر' حرام پر اور باطل کے ساتھ لوگوں کے مال پر کس طرح چڑھ دوڑتے ہیں؟ ان کے اعمال نہایت ہی خراب ہو چکے ہیں۔ ان کے اولیاء اللہ یعنی عابد و عالم اور ان کے علماء انہیں ان باتوں سے کیوں نہیں روکتے ؟ دراصل ان کے علماء اور پیروں کے اعمال بدترین ہو گئے ہیں"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "علماء اور فقراء کی ڈانٹ کے لیے اس سے زیادہ سخت آیت کوئی نہیں"۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا "لوگو تم سے اگلے لوگ اسی بنا پر ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ برائیاں کرتے تھے تو ان کے عالم اور اللہ والے خاموش رہتے تھے' جب یہ عادت ان میں پختہ ہوگئی تو اللہ نے انہیں قسم قسم کی سزائیں دیں۔ پس تمہیں چاہیے کہ بھلائی کا حکم کرو' برائی سے روکو' اس سے پہلے کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائیں جو تم سے پہلے والوں پر آئے' یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم برائی سے ممانعت نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا' نہ تمہاری موت قریب کر دے گا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جس قوم میں کوئی اللہ کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور غلبے کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا"۔ [2] (مسند احمد) ابوداود میں ہے کہ "یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آئے گا"۔ [3] ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔ [4]

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰي يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا

---

[1] [سورة الفرقان: آيت ٢٤]

[2] [حسن : مسند احمد (٣/٣٦٣)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (١٩٢١٦)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [حسن : ابوداؤد: كتاب الملاحم : باب في الامر والنهي (٤٣٣٩)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [صحیح ابوداود] حافظ زبیر علی زئی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[4] [صحيح : ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر (٤٠٠٩) مسند احمد (٤/٣٦٤) صحيح ابن حبان (٣٠٠)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحيح ابن ماجه ، التعليق الرغيب (٣/١٧٠)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَـكَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰٮةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ لَاَكَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ ؕ مِنۡهُمۡ اُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ سَآءَ مَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۶﴾

ع ۹
۱۴

یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا رہتا ہے۔ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں سے اکثر کو تو اور سرکشی اور کفر میں بڑھا دیتا ہے ہم نے ان کی آپس میں ہی قیامت تک کے لیے عداوت و بغض ڈال دیا ہے وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے یہ ملک بھر میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا ○ اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی تمام برائیاں معاف فرما دیتے اور ضرور انہیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے ○ اور اگر یہ لوگ تورات و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ان پر پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے ایک جماعت تو ان میں سے درمیانہ روش کی ہے۔ باقی ان میں سے اکثر لوگوں کے بڑے برے اعمال ہیں ○

بخل اور فضول خرچی سے بچنے کی تلقین: ملعون یہودیوں کا ایک خبیث قول اللہ بیان فرما رہا ہے کہ یہ اللہ کو بخیل کہتے تھے یہی لوگ اللہ کو فقیر بھی کہتے ہیں۔ اللہ کی ذات ان کے اس ناپاک مقولے سے بہت بلند و بالا ہے۔ پس اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں مطلب ان کا یہ نہ تھا کہ ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں بلکہ مراد اس سے بخل تھا۔ یہی محاورہ قرآن میں اور جگہ بھی ہے فرماتا ہے ﴿وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُوۡلَةً اِلٰى عُنُقِكَ﴾ [1] الخ یعنی اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ بھی نہ لے اور نہ حد سے زیادہ پھیلا دے کہ پھر تھکان اور ندامت کے ساتھ بیٹھ رہنا پڑے پس بخل سے اور اسراف سے اللہ نے اس آیت میں روکا۔ پس ملعون یہودیوں کی بھی ہاتھ باندھا ہوا ہونے سے یہی مراد تھی۔ فنحاص نامی یہودی نے یہ کہا تھا اور اسی ملعون کا وہ دوسرا قول بھی تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ جس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے پیٹا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ شاس بن قیس نے یہی کہا تھا جس پر یہ آیت اتری۔ اور ارشاد ہوا کہ بخیل اور کنجوس ذلیل اور بزدل یہ لوگ خود ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اگر یہ بادشاہ بن جائیں تو کسی کو کچھ بھی نہ دیں۔ بلکہ یہ تو اوروں کی نعمتیں دیکھ کر جلتے ہیں۔ یہ ذلیل تر لوگ ہیں۔ بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہیں وہ سب کچھ خرچ کرتا رہتا ہے اس کا فضل وسیع ہے اس کی بخشش عام ہے ہر چیز کے خزانے اس کے ہاتھوں میں ہیں۔ ہر نعمت اس کی طرف سے ہے۔ ساری مخلوق دن رات ہر وقت ہر جگہ اسی کی محتاج ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَاٰتٰىكُمۡ

---

[1] [سورۃ الاسراء: آیت ۲۹]

﴿مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ [1] تم نے جو مانگا' اللہ نے دیا' اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بے حد ناشکرا ہے''۔ مسند میں حدیث ہے کہ ''اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ اوپر ہے' دن رات کا خرچ اس کے خزانے کو گھٹاتا نہیں' شروع سے لے کر آج تک جو کچھ بھی اس نے اپنی مخلوق کو عطا فرمایا' اس نے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی ۔ اس کا عرش پہلے پانی پر تھا' اسی کے ہاتھ میں فیض ہی فیض ہے' وہی بلند اور پست کرتا ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ لوگو تم میری راہ میں خرچ کرو گے تم تو دیئے جاؤ گے''۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔ [2] پھر فرمایا ''اے نبی ﷺ! جس قدر اللہ کی نعمتیں تم پر زیادہ ہوں گی' اتنا ہی ان شیاطین کا کفر حسد اور جلاپا بڑھے گا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح مومنوں کا ایمان اور ان کی تسلیم واطاعت بڑھتی ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ [3] الخ' ایمان والوں کے لیے تو یہ ہدایت وشفا ہے اور بے ایمان اس سے اندھے بہرے ہوتے ہیں۔ یہی ہیں جو دروازے سے پکارے جاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ [4] الخ ہم نے وہ قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا تو نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ان کے دلوں میں سے خود آپس کا بغض و بیر بھی قیامت تک نہیں مٹے گا' ایک دوسرے کا آپس میں ہی خون پینے والے لوگ ہیں۔ ناممکن ہے کہ یہ حق پر جم جائیں' یہ اپنے ہی دین میں فرقہ فرقہ ہو رہے ہیں' ان کے جھگڑے اور عداوتیں آپس میں جاری ہیں اور جاری ہی رہیں گی۔ یہ لوگ بسا اوقات لڑائی کے سامان کرتے ہیں' تیرے خلاف چاروں طرف ایک آگ بھڑکانا چاہتے ہیں' لیکن ہر مرتبہ منہ کی کھاتے ہیں' ان کا مکر انہی پر لوٹ جاتا ہے' یہ مفسد لوگ ہیں اور اللہ کے دشمن ہیں' کسی مفسد کو اللہ اپنا دوست نہیں بناتا۔ اگر یہ باایمان اور پرہیزگار بن جائیں تو ہم ان سے تمام ڈر دور کر دیں اور اصل مقصد حیات سے انہیں ملا دیں۔ اگر یہ تورات وانجیل اور اس قرآن کو مان لیں کیونکہ توراۃ انجیل کا ماننا' قرآن کے ماننے کو لازم کر دے گا' ان کتابوں کی صحیح تعلیم یہی ہے کہ یہ قرآن سچا ہے اس کی اور نبی آخر الزمان ﷺ کی تصدیق پہلے کی کتابوں میں موجود ہے تو اگر یہ اپنی ان کتابوں کو بغیر تحریف وتبدیل اور تاویل وتفسیر کے مانیں تو وہ انہیں اسی اسلام کی ہدایت دیں گی' جو آنحضرت ﷺ بتاتے ہیں۔ اس صورت میں اللہ انہیں دنیا کے کئی فائدے دے گا' آسمان سے پانی برسائے گا' زمین سے پیداوار اگائے گا' نیچے اوپر کی یعنی زمین وآسمان کی برکتیں انہیں مل جائیں گی۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ [5] الخ یعنی اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان

---

[1] [سورۂ ابراهیم: آیت ٣٤]

[2] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب التوحید : باب و کان عرشه علی الماء (٧٤١٩) صحیح مسلم : کتاب الزکاة : باب الحث علی النفقة (٩٩٣) مسند احمد (٢/٣١٣)]

[3] [سوره فصلت: آیت ٤٤]

[4] [سورة الاسراء: آیت ٨٢]

[5] [سورة الاعراف : آیت ٩٦]

وز مین سے برکتیں نازل فرماتے۔ اور آیت میں ہے ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ [1] لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ہے' اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ بغیر مشقت و مشکل کے ہم انہیں بکثرت بابرکت روزیاں دیتے ہیں' بعض نے اس جملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایسا کرتے تو بھلائیوں سے مستفید ہو جاتے۔ لیکن یہ قول اقوال سلف کے خلاف ہے۔ ابن ابی حاتم نے اس جگہ ایک اثر وارد کیا ہے کہ ''حضور ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ علم اٹھا لیا جائے۔ یہ سن کر حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم اٹھ جائے' ہم نے قرآن سیکھا' اپنی اولادوں کو سکھایا۔ آپ نے فرمایا افسوس میں تو تمام مدینے والوں سے زیادہ تم کو سمجھدار جانتا تھا لیکن کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہود ونصاریٰ کے ہاتھوں میں بھی تورات وانجیل ہے۔ لیکن کس کام کی؟ جبکہ انہوں نے اللہ کے احکام چھوڑ دیئے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی''۔ [2] یہ حدیث مسند میں بھی ہے کہ حضور ﷺ نے کسی چیز کا بیان فرمایا کہ یہ بات علم کے جاتے رہنے کے وقت ہوگی' اس پر حضرت ابن لبید رضی اللہ عنہ نے کہا علم کیسے جاتا رہے گا؟ ہم نے قرآن پڑھے ہوئے ہیں اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں' وہ اپنی اولاوں کو پڑھائیں گے' یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا' اس پر آپ نے فرمایا جو اوپر بیان ہوا۔ [3]

پھر فرمایا ان میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے مگر اکثر بد اعمال ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ﴾ [4] موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرنے والا اور اسی کے ساتھ عدل وانصاف کرنے والا بھی تھا۔ اور قوم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے ﴿فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ﴾ [5] الخ' ان میں سے ایمان دار لوگوں کو ہم نے ان کے ثواب عنایت فرمائے' یہ نکتہ خیال میں رہے کہ ان کا بہترین درجہ بیچ کا درجہ بیان فرمایا اور اس امت کا یہ درجہ دوسرا درجہ ہے' جس پر ایک تیسرا اونچا درجہ بھی ہے۔ جیسے فرمایا ﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا﴾ [6] الخ' یعنی پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا' ان میں سے بعض تو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں' بعض میانہ رو ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں' یہی بہت بڑا فضل ہے الخ۔ پس یہ تینوں قسمیں اس امت کی داخل جنت ہونے والی ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے حضور ﷺ نے فرمایا ''موسیٰ علیہ السلام کی امت کے اکہتر گروہ ہو گئے' جن میں سے ایک تو جنتی ہے' باقی ستر دوزخی۔ عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے ایک جنتی باقی اکہتر دوزخی میری یہ امت دونوں سے بڑھ جائے گی۔ ان کا بھی ایک گروہ تو جنت میں جائے گا' باقی

---

[1] [سورة الروم: آیت ٤١]

[2] [مرسل: طبرانی کبیر (١٨/٧٥) مجمع الزوائد (٢٠٠/١)]

[3] [صحیح: ابن ماجه : كتاب الفتن : باب ذهاب القرآن والعلم (٤٠٤٨) مسند احمد (١٦٠/٤)] شیخ البانی ؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابن ماجه، المشكاة (٢٧٧، ٢٤٥)]

[4] [سورة الاعراف : آیت ١٥٩]

[5] [سورة الحدید: آیت ٢٧]

[6] [سورہ فاطر: آیت ٣٢]

بہتر گروہ جہنم میں جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا جماعتیں جماعتیں"۔ یعقوب بن زید کہتے ہیں جب حضرت علی بن ابوطالب یہ حدیث بیان کرتے تو قرآن کی آیت ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا ﴾ الخ' اور ﴿ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴾ [1] بھی پڑھتے اور فرماتے اس سے مراد امت محمد ﷺ ہے۔ [2] لیکن یہ حدیث ان لفظوں اور اس سند سے بے حد غریب ہے اور ستر سے اوپر اوپر فرقوں کی حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے جسے ہم نے اور جگہ بیان کر دیا ہے فالحمدللہ۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ
رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

اے رسول پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے' اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے رسالت اللہ ادا نہیں کی' تجھے اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا' بیشک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کی رہبری نہیں کرتا ○

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکام کی تبلیغ کا حکم: اپنے نبی ﷺ کو رسول کے پیارے خطاب سے آواز دے کر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچا دو۔ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ صحیح بخاری میں ہے "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو تجھ سے کہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم کو چھپالیا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے، اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ پھر اسی آیت کی تلاوت آپ نے کی"۔ یہ حدیث یہاں مختصر ہے اور جگہ پر مطول بھی ہے۔ [3] بخاری و مسلم میں ہے "اگر حضور ﷺ اللہ کے کسی فرمان کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپالیتے ﴿ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ ﴾ [4] یعنی تو اپنے دل میں وہ چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور لوگوں سے جھینپ رہا تھا حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے"۔ [5] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا کہ لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ تمہیں کچھ باتیں حضور ﷺ نے ایسی بتائی ہیں جو اور لوگوں سے چھپائی جاتی تھیں تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا قسم اللہ کی ہمیں حضور ﷺ نے کسی ایسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا۔ (ابن ابی حاتم) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور وحی

---

[1] [سورۃ الاعراف: آیت ۱۸۱]

[2] [**ضعیف**: مسند ابویعلی (۳٦٦۸) مجمع الزوائد (۷/۲٦۱)] اس کی سند میں ابومعشر سندی راوی ضعیف ہے۔ [دیکھئے: میزان الاعتدال (۹۰۱۷)]

[3] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب یایھا الرسل بلغ ما انزل الیك من ربك (٤٦۱۲) و کتاب التفسیر (٤۸۵۵) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب معنی قول اللّٰہ عزوجل ولقد راہ نزلۃ اخری (۱۷۷) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ الانعام (۳۰٦۸)]

[4] [سورۃ الاحزاب: آیت ۳۷]

[5] [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب معنی قول اللہ عزوجل ولقدراہ نزلۃ اخری (۱۷۷)]

بھی ہے؟ آپ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے دانے کو اگایا ہے اور جانوں کو پیدا کیا ہے کہ کچھ نہیں بجز اس فہم و روایت کے جو اللہ کسی شخص کو دے اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے' اس نے پوچھا صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے مسائل ہیں' قیدیوں کو چھوڑ دینے کے احکام ہیں اور یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قصاصاً قتل نہ کیا جائے"۔ [1] صحیح بخاری شریف میں حضرت زہری رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر کے ذمے تبلیغ ہے اور ہمارے ذمہ قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ [2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی سب باتیں پہنچا دیں' اس کی گواہ آپ کی تمام امت ہے کہ فی الواقع آپ نے امانت کی پوری ادائیگی کی اور سب سے بڑی مجلس جو تھی' اس میں سب نے اس کا اقرار کیا یعنی حجۃ الوداع خطبے میں' جس وقت آپ کے سامنے چالیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا گروہ عظیم تھا"۔ صحیح مسلم میں ہے کہ "آپ نے اس خطبے میں لوگوں سے فرمایا تم میرے بارے میں اللہ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہماری گواہی ہے کہ آپ نے تبلیغ کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور ہماری پوری خیر خواہی کی' آپ نے اپنے ہاتھ اور سر آسمان کی طرف اٹھا کر لوگوں کی طرف جھکا کر فرمایا اے اللہ کیا میں نے تیرے تمام احکام کو پہنچا دیا، اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟"۔ [3] مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس خطبے میں پوچھا کہ لوگو یہ کون سا دن ہے؟ سب نے کہا حرمت والا' پوچھا یہ کون سا شہر ہے' جواب دیا' حرمت والا' فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ جواب ملا حرمت والا' فرمایا پس تمہارے مال اور خون و آبرو آپس میں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرمت والے ہیں جیسے اس دن کی اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت ہے۔ پھر بار بار اسی کو دوہرایا۔ پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا'۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ کی قسم یہ آپ کے رب کی طرف آپ کی وصیت تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو ہر حاضر شخص غیر حاضر کو یہ بات پہنچا دے۔ دیکھو میرے پیچھے کہیں کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔ [4] امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر تو نے میرے فرمان میرے بندوں تک نہ پہنچائے تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا' پھر اس کی جو سزا ہے وہ ظاہر ہے' اگر ایک آیت بھی چھپا لی تو حق رسالت ادا نہ ہو۔ [5] حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترا ہے سب پہنچا دو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں' میں کس طرح کروں تو دوسرا جملہ اترا کہ اگر تو نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچا لینا میرے ذمہ ہے۔ تیرا حافظ و ناصر میں ہوں' بے خطر رہ' وہ کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اس آیت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چوکنے رہتے تھے' لوگ نگہبانی پر مقرر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب فکاك الاسیر (٣٠٤٧)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التوحید : باب قول الله تعالیٰ یاایها الرسول بلغ ما انزل الیك تعلیقاً (٧٥٣)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب حجة النبی (١٢١٨)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب الخطبة ایام منی (١٧٣٩)]

[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٠/٤٦٨)]

ہیں کہ ایک رات کو حضور بیدار تھے انہیں نیند نہیں آ رہی تھی میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آج کیا بات ہے؟ فرمایا کاش کہ میرا کوئی نیک بخت صحابی آج پہرہ دیتا' یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی آپ نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں سعد بن مالک ہوں' فرمایا کیسے آئے؟ جواب دیا اس لیے کہ رات بھر حضور ﷺ کی چوکیداری کروں۔ اس کے بعد حضور ﷺ با آرام سو گئے' یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ [1] (بخاری ومسلم) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ۲ھ کا ہے۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ نے خیمے سے سر نکال کر چوکیداروں سے فرمایا" جاؤ اب میں اللہ کی پناہ میں آ گیا' تمہاری چوکیداری کی ضرورت نہیں رہی"۔ [2] ایک روایت میں ہے کہ ابو طالب آپ کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی آدمی کو رکھتے' جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمایا بس چچا! اب میرے ساتھ کسی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں' میں اللہ کے بچاؤ میں آ گیا ہوں۔ [3] لیکن یہ روایت غریب اور منکر ہے یہ واقعہ ہو تو مکہ کا ہو اور یہ آیت تو مدنی ہے' مدینہ کی بھی آخری مدت کی آیت ہے' اس میں شک نہیں کہ مکے میں بھی اللہ کی حفاظت اپنے رسول ﷺ کے ساتھ رہی باوجود دشمن جاں ہونے کے اور ہر ہر اسباب اور سامان سے لیس ہونے کے سرداران مکہ اور اہل مکہ آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے' ابتداء رسالت کے زمانہ میں اپنے چچا ابو طالب کی وجہ سے جو کہ قریشیوں کے سردار اور بارسوخ شخص تھے' آپ کی حفاظت ہوتی رہی' ان کے دل میں اللہ نے آپ کی محبت اور عزت ڈال دی' یہ محبت طبعی تھی شرعی نہ تھی۔ اگر شرعی ہوتی تو قریش حضور ﷺ کے ساتھ ہی ان کی بھی جان کے خواہاں ہو جاتے۔ ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے انصار کے دلوں میں حضور ﷺ کی شرعی محبت پیدا کر دی اور آپ انہی کے ہاں چلے گئے۔ اب تو مشرکین بھی اور یہود بھی مل ملا کر نکل کھڑے ہوئے' بڑے بڑے ساز و سامان لشکر کے چڑھ دوڑے' لیکن بار بار کی ناکامیوں نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح خفیہ سازشیں بھی جتنی کیں' قدرت نے وہ بھی انہی پر الٹ دیں۔ ادھر وہ جادو کرتے' ادھر سورۂ معوذتین نازل ہوتی ہے اور ان کا جادو اتر جاتا ہے۔ ادھر ہزاروں جتن کر کے بکری کے شانے میں زہر ملا کر حضور ﷺ کی دعوت کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں' ادھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ان کی دھوکہ دہی سے آگاہ فرما دیتا ہے اور یہ ہاتھ کاٹتے رہ جاتے ہیں اور بھی ایسے واقعات آپ کی زندگی میں بہت سارے نظر آتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ "ایک سفر میں آپ ایک درخت تلے' جو صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی عادت کے مطابق ہر منزل میں تلاش کر کے آپ کے لیے چھوڑ دیتے تھے' دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے تو ایک اعرابی اچانک آ نکلا' آپ کی تلوار جو اسی درخت میں لٹک رہی تھی' اتار لی اور میان سے باہر نکال لی اور ڈانٹ کر آپ سے کہنے لگا' اب بتا کون ہے جو تجھے بچا لے؟

---

[1] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله (۲۸۸۵)، (۷۲۳۱) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب فی فضل سعد بن ابی وقاص (۲۴۱۰)]

[2] [**صحیح** : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة المائدہ (۳۰۴۶) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۲۷۹)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[السلسلة الصحیحة (۲۴۸۹)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[3] [**ضعیف** : طبرانی کبیر (۱۱۶۶۳)] اس کی سند میں محمد بن مفضل راوی مجہول ہے۔]

آپ نے فرمایا اللہ مجھے بچائے گا' اسی وقت اس اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگتا ہے اور تلوار اسکے ہاتھ سے گر جاتی ہے اور وہ درخت سے ٹکراتا ہے۔ جس سے اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ آیت اتارتا ہے"۔ (۱) ابن ابی حاتم میں ہے کہ" جب حضور ﷺ نے بنوانمار سے غزوہ کیا۔ ذات الرقاع کھجور کے باغ میں آپ ایک کنوئیں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے' جو بنونجار کے ایک شخص حارث نامی نے کہا دیکھو میں محمد (ﷺ) کو قتل کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی حیلے سے آپ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وار کر کے پار کر دوں گا۔ یہ آپ کے پاس آیا اور ادھر ادھر کی باتیں بنا کر آپ سے تلوار دیکھنے کو مانگی' آپ نے اسے دے دی لیکن تلوار کے ہاتھ میں آتے ہی اس پر اس بلا کا لرزہ چڑھا کہ آخر تلوار سنبھل نہ سکی اور ہاتھ سے گر پڑی تو آپ نے فرمایا تیرے اور تیرے بد ارادے کے درمیان اللہ حائل ہو گیا اور یہ آیت اتری۔ (۲) غوث بن حارث کا بھی ایسا قصہ مشہور ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ" صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ سفر میں جس جگہ ٹھہرتے' آنحضرت ﷺ کے لیے گھنا سایہ دار بڑا درخت چھوڑ دیتے کہ آپ اسی کے تلے آرام فرمائیں' ایک دن آپ اسی طرح ایسے درخت تلے سو گئے اور آپ کی تلوار اس درخت میں لٹک رہی تھی' ایک شخص آ گیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا' اب بتا کہ میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ بچائے گا' تلوار رکھ دے اور وہ اس قدر ہیبت میں آ گیا کہ تعمیل حکم کرنا ہی پڑا اور تلوار آپ کے سامنے ڈال دی"۔ اور اللہ نے یہ آیت اتاری کہ ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (۳) مسند میں ہے کہ" حضور ﷺ نے ایک موٹے آدمی کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اگر یہ اس کے سوا میں ہوتا تو تیرے لیے بہتر تھا۔ ایک شخص کو صحابہ رضی اللہ عنہم پکڑ کر آپ کے پاس لائے اور کہا یہ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا' وہ کانپنے لگا' آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں چاہے تو ارادہ کر لے لیکن اللہ اسے پورا نہیں ہونے دے گا"۔ (۴) پھر فرماتا ہے تیرے ذمہ صرف تبلیغ ہے' ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے' وہ کافروں کو ہدایت نہیں دے گا۔ تو پہنچا دے' حساب کا لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۶۸ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۶۹

---

(۱) [**ضعیف** : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۲۸۱)] اس کی سند میں ابو معشر سندی راوی ضعیف ہے۔]

(۲) [**ضعیف** : اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔ لیکن نزول آیت کے ذکر کے بغیر یہ روایت صحیح ہے۔ دیکھئے: صحیح بخاری (۲۹۱۳) صحیح مسلم (۸۴۳)]

(۳) [**حسن** : ابن حبان (۱۷۳۹)] شیخ عبدالرزاق مہدی اسے حسن کہتے ہیں۔]

(۴) [**ضعیف** : مسند احمد (۴۷۱/۳) مجمع الزوائد (۲۲۷/۸)] اس میں ابو اسرائیل ضعیف ہے۔]

کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم دراصل کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ توراۃ انجیل پر اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ ہو جاؤ' جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے اترا ہے وہ ان میں سے اکثر کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھائے گا ہی' تو تو ان کافروں پر غمگین نہ ہو ○ مسلمان یہودی ستارہ پرست نصرانی کوئی ہو جو بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا ○

نزول قرآن کے ساتھ اہل کتاب کی سرکشی میں اضافہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کسی دین پر نہیں' جب تک کہ اپنی کتابوں پر اور اللہ کی اس کتاب پر ایمان نہ لائیں لیکن ان کی حالت تو یہ ہے کہ جیسے جیسے قرآن اترتا ہے یہ لوگ سرکشی اور کفر میں بڑھتے جاتے ہیں۔ پس اے نبی ﷺ تو ان کافروں کے لیے حسرت وافسوس کر کے کیوں اپنی جان کو روگ لگاتا ہے۔ صابی' نصرانیوں اور مجوسیوں کی بے دین جماعت کو کہتے ہیں اور صرف مجوسیوں کو بھی علاوہ ازیں ایک اور گروہ تھا' یہود اور نصاریٰ دونوں مثل مجوسیوں کے تھے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ زبور پڑھتے تھے غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے اور فرشتوں کو پوجتے تھے۔ وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کو ایک جانتے تھے' اپنی شریعت کے حامل تھے' ان میں کفر کی ایجاد نہیں ہوئی تھی' یہ عراق کے متصل آباد تھے' بکوثی کہے جاتے تھے' نبیوں کو مانتے تھے' ہر سال میں تیس روزے رکھتے تھے اور یمن کی طرف منہ کر کے دن بھر میں پانچ نمازیں بھی پڑھتے تھے اس کے سوا اور قول بھی ہیں۔ ان تمام لوگوں سے جناب باری فرماتا ہے کہ "امن وامان والے بے ڈر اور بے خوف وہ ہیں جو اللہ پر اور قیامت پر سچا ایمان رکھیں اور نیک اعمال کریں اور یہ ناممکن ہے' جب تک اس آخری رسول ﷺ پر ایمان نہ ہو جو کہ تمام جن وانس کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پس آپ پر ایمان لانے والے آنے والی زندگی کے خطرات سے بے خوف ہیں اور یہاں چھوڑ کر جانے والی چیزوں کی انہیں کوئی تمنا اور حسرت نہیں''۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس جملے کے مفصل معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

ہم نے بالیقین بنو اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا' جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشا کے خلاف تھے تو انہوں نے ان کی ایک جماعت کی تو تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا ○ اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی سزا نہ ہو گی پس اندھے' بہرے بن بیٹھے پھر اللہ ان پر متوجہ ہوا' اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر اندھے' بہرے ہو گئے' اللہ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے ○

یہود و نصاریٰ انبیاء کے قاتل: اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے وعدے لیے تھے کہ وہ اللہ کے احکام کے عامل اور

وحی کے پابند رہیں گے۔ لیکن انہوں نے وہ میثاق توڑ دیا۔ اپنی رائے اور خواہش کے پیچھے لگ گئے کتاب اللہ کی جو بات ان کی منشاء اور رائے کے مطابق تھی مان لی جس میں اختلاف نظر آیا ترک کر دی' نہ صرف اتنا ہی کیا بلکہ رسولوں کے مخالف ہو کر بہت سے رسولوں کو جھوٹا بتایا اور بہتیروں کو قتل بھی کر دیا کیونکہ ان کے لائے ہوئے احکام ان کی رائے اور قیاس کے خلاف تھے۔ اتنے بڑے گناہ کے بعد بھی بے فکر ہو کر بیٹھے رہے اور سمجھ لیا کہ ہمیں کوئی سزا نہ ہو گی لیکن انہیں زبردست روحانی سزا دی گئی یعنی وہ حق سے دور پھینک دیئے گئے اور اس سے اندھے اور بہرے بنا دیئے گئے نہ حق کو سنیں اور نہ ہدایت کو دیکھ سکیں لیکن پھر بھی اللہ نے ان پر مہربانی کی افسوس اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر حق سے نابینا اور حق کے سننے سے محروم ہی ہو گئے اللہ ان کے اعمال سے باخبر ہے وہ جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے' یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ اس پر قطعاً جنت کو حرام کر دیتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے' گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ○ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے' دراصل سوا ایک اللہ کے اور کوئی معبود نہیں' اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر رہیں انہیں المناک عذاب ضرور پہنچیں گے ○ یہ لوگ کیوں اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں اس سے استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے ○ مسیح بن مریم سوا پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں' اس کی ماں ایک ذکیہ عورت تھیں' دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے دیکھ تو کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے جاتے ہیں پھر غور کر لے کہ کس طرح پلٹائے جاتے ہیں ○

عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہنے والے کافر: نصرانیوں کے فرقوں کی یعنی ملکیہ' یعقوبیہ' نسطوریہ کی کفر کی حالت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مسیح ہی کو اللہ کہتے ہیں اور مانتے ہیں۔ اللہ ان کے قول سے پاک' منزہ اور مبرا ہے۔ مسیح تو اللہ کے غلام

تھے سب سے پہلا کلمہ ان کا دنیا میں قدم رکھتے ہی گہوارے میں ہی یہ تھا کہ ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ﴾ [1] میں اللہ کا غلام ہوں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں بلکہ اپنی غلامی کا اقرار کیا تھا اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ ہی ہے اسی کی عبادت کرتے رہو سیدھی اور صحیح راہ یہی ہے اور یہی بات اپنی جوانی کے بعد کی عمر میں بھی کہی کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کرنے والے پر جنت حرام ہے اور اس کے لیے جہنم واجب ہے۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا۔ جہنمی جب جنتیوں سے کھانا پانی مانگیں گے تو اہل جنت کا یہی جواب ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں کفار پر حرام ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بذریعہ منادی کے مسلمانوں میں آواز لگوائی تھی کہ جنت میں فقط ایمان و اسلام والے ہی جائیں گے۔ [2] سورۂ نساء کی آیت ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ﴾ [3] الخ، کی تفسیر میں وہ حدیث بھی بیان کردی گئی ہے جس میں ہے کہ گناہ کے تین دیوان ہیں جس میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ نے کبھی نہیں بخشنا اور وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم میں یہی وعظ بیان کیا اور فرمادیا کہ ایسے ناانصاف مشرکین کا کوئی مددگار بھی کھڑا نہ ہوگا۔

اب ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ کو تین میں سے ایک مانتے تھے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور اللہ کو تین میں کا ایک مانتے تھے لیکن یہ آیت صرف نصرانیوں کے بارے میں ہے وہ باپ بیٹا اور اس کلمے کو جو باپ کی طرف سے بیٹے کی جانب تھا اللہ مانتے تھے پھر ان تینوں کے مقرر کرنے میں بھی بڑا اختلاف تھا اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا تھا اور حق تو یہ ہے کہ سبھی سب کافر تھے حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ان کی ماں کو اور اللہ کو ملا کر اللہ مانتے تھے اسی کا بیان اس سورت کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو بھی اللہ مانو؟ وہ اس سے صاف انکار کریں گے اور اپنی لاعلمی اور بے گناہی ظاہر کریں گے۔ زیادہ ظاہر قول بھی یہی ہے واللہ اعلم۔ دراصل لائق عبادت سوائے اس ذات واحد کے اور کوئی نہیں تمام کائنات اور کل موجودات کا معبود برحق وہی ہے۔ اگر یہ اپنے اس کافرانہ نظریہ سے باز نہ آئے تو یقیناً یہ المناک عذابوں کا شکار ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم وجود کو، بخشش و انعام اور لطف و رحمت کو بیان فرما رہا ہے اور باوجود ان کے اس قدر سخت جرم، اتنی اشد بے حیائی اور کذب و افترا کے انہیں اپنی رحمت کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اب بھی میری طرف جھک جاؤ ابھی سب معاف فرمادوں گا اور دامن رحمت تلے لے لوں گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہی تھے۔ ان جیسے رسول ان سے پہلے بھی ہوئے ہیں جیسے فرمایا ﴿اِنْ ھُوَ اِلَّا عَبْدٌ﴾ [4] الخ، وہ ہمارے ایک غلام ہی تھے ہاں ہم نے ان پر رحمت نازل فرمائی تھی اور بنی اسرائیل کے لیے قدرت کی ایک نشانی بنائی۔ والدہ عیسیٰ مومنہ اور سچ والی تھیں اس لیے معلوم ہوا کہ نبیہ نہ تھیں کیونکہ یہ مقام وصف ہے تو بہترین وصف جو آپ کا

---

[1] [سورۃ مریم: آیت ۳۰]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۶۳۸۲)] اس کی اصل دیکھیں: صحیح مسلم (۱۱٤)]

[3] [سورۃ النساء: آیت ٤۸]   [4] [الزخرف: ۵۹]

تھا وہ بیان کر دیا اگر نبوت والی ہوتیں تو اس موقعہ پر اس کا بیان نہایت ضروری تھا۔ ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ کا خیال ہے کہ ام اسحٰق اور ام موسیٰ اور ام عیسیٰ رضی اللہ عنہا نبیہ تھیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت سارہ اور حضرت مریم سے خطاب اور کلام کیا اور والدہ موسیٰ رضی اللہ عنہا کی نسبت فرمان ہے ﴿ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوۡسٰٓى ﴾ [1] الخ، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کی کہ تو انہیں دودھ پلایا۔ لیکن جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نبوت مردوں میں ہی رہی۔ جیسے قرآن کا فرمان ہے ﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا ﴾ [2] الخ، تجھ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں سے مردوں ہی کی طرف رسالت انعام فرمائی ہے شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ماں بیٹا تو دونوں کھانے پینے کے محتاج تھے اور ظاہر ہے کہ جو اندر جائے گا وہ باہر بھی آئے گا پس ثابت ہوا کہ وہ بھی مثل اوروں کے بندے ہی تھے اللہ کی صفات ان میں نہ تھیں دیکھ تو ہم کس طرح کھول کھول کر ان کے سامنے اپنی حجتیں پیش کر رہے ہیں؟ پھر یہ بھی دیکھ کہ باوجود اس کے یہ کس طرح ادھر ادھر بھٹکتے اور بھاگتے پھرتے ہیں؟ کیسے گمراہ مذہب قبول کر رہے ہیں؟ اور کیسے ردی اور بے دلیل اقوال کو گرہ میں باندھے ہوئے ہیں؟

قُلۡ اَتَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمۡلِكُ لَـكُمۡ ضَرًّا وَّلَا نَفۡعًا ‌ؕ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ۝٧٦ قُلۡ يٰۤـاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ غَيۡرَ الۡحَـقِّ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِيۡلِ ۝٧٧ ع

کہہ دے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک نہ کسی نفع کے اللہ ہی ہے خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ○ کہہ دے کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں ○

باطل معبود: معبودان باطل کی جو اللہ کے سوا ہیں عبادت کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے کہ ان تمام لوگوں سے کہہ دو کہ جو تم سے ضرر کو دفع کرنے کی اور نفع کے پہنچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے آخر تم کیوں انہیں پوجے چلے جا رہے ہو؟ تمام باتوں کے سننے والے تمام چیزوں سے باخبر اللہ سے ہٹ کر بے سمع و بصر، بے ضرر و بے نفع و بے قدر اور بے قدرت چیزوں کے پیچھے پڑ جانا یہ کون سی عقلمندی ہے؟ اے اہل کتاب اتباع حق کی حدوں سے آگے نہ بڑھو جس کی توقیر کرنے کا جتنا حکم ہو اتنی ہی اس کی توقیر کرو۔ انسانوں کو جنہیں اللہ نے نبوت دی ہے نبوت کے درجے سے معبود کے درجے تک نہ پہنچاؤ۔ جیسے کہ تم جناب مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلطی کر رہے ہو اور اس کی اور کوئی وجہ نہیں بجز اس کے کہ تم اپنے پیروں مرشدوں استادوں اور اماموں کے پیچھے لگ گئے ہو وہ تو خود ہی گمراہ ہیں بلکہ گمراہ کن ہیں۔ استقامت اور عدل کے راستے کو چھوڑے ہوئے انہیں زمانہ گذر گیا۔ ضلالت اور بدعتوں میں مبتلا

[1] [القصص : ٧] [2] [یوسف : ١٠٩]

ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص ان میں بڑا پابند دین حق تھا ایک زمانہ کے بعد شیطان نے اسے بہکا دیا کہ جو اگلے کر گئے وہی تم بھی کر رہے ہو اس میں کیا رکھا ہے؟ اس کی وجہ سے نہ تو لوگوں میں تمہاری قدر ہوگی نہ شہرت تمہیں چاہیے کہ کوئی نئی بات ایجاد کرواسے لوگوں میں پھیلاؤ پھر دیکھو کہ کیسی شہرت ہوتی ہے؟ اور کس طرح جگہ بہ جگہ تمہارا ذکر ہونے لگتا ہے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس کی بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور زمانہ اس کی تقلید کرنے لگا۔ اب تو اسے بڑی ندامت ہوئی سلطنت وملک چھوڑ دیا اور تنہائی میں اللہ کی عبادتوں میں مشغول ہو گیا لیکن اللہ کی طرف سے اسے جواب ملا کہ میری خطا ہی صرف ہوتی تو میں معاف کر دیتا لیکن تو نے تو عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے غلط راہ پر لگا دیا۔ جس راہ پر چلتے چلتے وہ مر بھی گئے ان کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ٹلے گا؟ میں تو تیری توبہ قبول نہیں فرماؤں گا پس ایسوں ہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰي كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داود اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی' اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے ○ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں کے جو وہ کرتے تھے' روکتے نہ تھے' جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا ○ ان میں کے اکثر لوگوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں' جو کچھ انہوں نے اپنے لیے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے کہ اللہ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ○ اگر انہیں اللہ پر اور نبی پر جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے لیکن ان میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں ○

امر بالمعروف سے گریز اللہ کی لعنت وعذاب کا سبب: ارشاد ہے کہ بنو اسرائیل کے کافر پرانے ملعون ہیں' حضرت داود علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی انہی کے زمانہ میں ملعون قرار پا چکے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ کے نافرمان تھے اور اللہ کی مخلوق پر ظالم تھے' توراۃ' انجیل' زبور اور قرآن سب کتابیں ان پر لعنت برساتی آئیں۔ یہ اپنے زمانہ میں بھی ایک دوسرے کو برے کاموں پر دیکھتے تھے لیکن چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے' حرام کاریاں اور گناہ کھلے عام ہوتے تھے اور کوئی کسی کو روکتا نہ تھا۔ یہ تھا ان کا بدترین فعل۔ مسند احمد میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "بنو اسرائیل میں پہلے پہل جب گناہوں کا سلسلہ چلا تو ان کے علماء نے انہیں روکا۔ لیکن جب دیکھا کہ باز نہیں آتے تو انہوں نے انہیں الگ نہیں کیا بلکہ انہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے رہے' جس کی وجہ سے دونوں گروہوں کے دلوں کو

آپس میں ٹکرادیا اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے دل بھڑا دیئے اور حضرت داود علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان پر اپنی لعنت نازل فرمائی ۔ کیونکہ وہ نافرمان اور ظالم تھے ۔ اس کے بیان کے وقت حضور ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن اب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے ۔ اور فرمایا نہیں نہیں اللہ کی قسم تم پر ضروری ہے کہ لوگوں کو خلاف شرع باتوں سے روکو اور انہیں شریعت کی پابندی پر لاؤ'' ۔ [1]

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ''سب سے پہلی برائی بنی اسرائیل میں یہی داخل ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو خلاف شرع کوئی کام کرتے دیکھتا تو اسے روکتا' اسے کہتا کہ اللہ سے ڈر اور اس برے کام کو چھوڑ دے یہ حرام ہے ۔ لیکن دوسرے روز جب وہ نہ چھوڑتا تو یہ اس سے کنارہ کشی نہ کرتا بلکہ اس کا ہم نوالہ ہم پیالہ رہتا اور میل جول باقی رکھتا' اس وجہ سے سب میں ہی سنگدلی آ گئی ۔ پھر آپ نے اس پوری آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ تم پر فرض ہے کہ بھلی باتوں کا ہر ایک کو حکم کرو' برائیوں سے روکو' ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو اور اسے تنگ کرو کہ حق پر آ جائے'' ۔ [2] ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے ۔ [3] ابوداؤد وغیرہ میں اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں کو بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا دے گا اور تم پر اپنی پھٹکار نازل فرمائے گا جیسی ان پر نازل فرمائی ۔ [4] اس بارے میں اور بہت سی حدیثیں ہیں کچھ سن بھی لیجیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث تو آیت ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ [5] الخ' کی تفسیر میں گذر چکی اور ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ [6] الخ کی تفسیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں آئیں گی' ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ مسند اور ترمذی میں ہے کہ ''یا تو تم بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے گا پھر تم اس سے دعائیں بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا۔ [7] ''ابن

---

[1] [منقطع : مسند احمد (۱/ ۳۹۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند منقطع ہے ۔]

[2] [ضعیف : ابوداود: کتاب الملاحم : باب فی الامر والنھی (۴۳۳۶)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے ۔ [ضعیف ابوداود]

[3] [ضعیف : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة المائدہ (۳۰۴۷) ابن ماجہ : کتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (۴۰۰۶)] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں ۔ [ضعیف ترمذی (۵۸۲)] شیخ عبدالرزاق مہدی، حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد نے بھی اسے ضعیف کہا ہے ۔]

[4] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الملاحم : باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (۴۳۳۷) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۳۰۹)] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں ۔ [ضعیف ابوداود ۹۳۳)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں ۔]

[5] [سورة المائدہ: آیت ۶۳]

[6] [سورة المائدہ: آیت ۱۰۵]

[7] [صحیح : مسند احمد (۵/ ۳۹۱) ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجاء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (۲۱۲۹)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں ۔ [السلسلة الصحیحة (۲۸۶۸)]

ماجہ میں ہے ''اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرو اس سے پہلے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے سے روک دی جائیں''۔ (1) صحیح حدیث میں ہے ''تم میں سے جو شخص خلاف شرع کام دیکھے' اس پر فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے' اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اور یہ بہت ہی ضعیف ایمان والا ہے''۔ (2)

(مسلم) مسند احمد میں ہے ''اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں کرتا لیکن اس وقت کہ برائیاں ان میں پھیل جائیں اور وہ باوجود قدرت کے انکار نہ کریں' اس وقت عام خاص سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں گھیر لیتا ہے''۔ (3) ابوداؤد میں ہے کہ جس جگہ اللہ کی نافرمانی ہونی شروع ہو وہاں جو بھی ہو' ان خلاف شرع امور سے ناراض ہو (ایک اور روایت میں ہے ان کا انکار کرتا ہو) وہ مثل اس کے ہے جو وہاں حاضر ہی نہ ہو اور جو ان خطاؤں سے راضی ہو گو وہاں موجود نہ ہو وہ ایسا ہے گویا ان میں حاضر ہے۔ (4) ابوداؤد میں ہے لوگوں کے عذر جب تک ختم نہ ہو جائیں وہ ہلاک نہ ہوں گے۔ (5) ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا خبردار کسی شخص کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے روک نہ دے۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمانے لگے افسوس ہم نے ایسے موقعوں پر لوگوں کی ہیبت مان لی۔ (6) ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے افضل جہاد کلمہ حق ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا ہے (7) ابن ماجہ میں ہے کہ جمرۂ اولیٰ کے پاس حضور ﷺ کے سامنے ایک شخص آیا اور آپ سے سوال کیا کہ سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ آپ خاموش رہے۔ پھر آپ جمرۂ

---

(1) [حسن : ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهى عن المنكر (٤٠٠٤) مسند احمد (١٥٩/٦)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔[صحيح ابن ماجه ، التعليق الرغيب (١٧٢/٣)]

(2) [صحيح : صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب بيان كون النهى عن المنكر من الايمان (٤٩) ابوداؤد : كتاب الصلاة : باب الخطبة العيد (١١٤٠) نسائی : كتاب الايمان : باب تفاضل اهل الايمان (٥٠١١) ابن ماجه : كتاب اقامة الصلاة (١٢٧٥) مسند احمد (١٠/٣)]

(3) [صحيح بالشواهد : مسند احمد (١٩٢/٤) ابوداؤد (٤٣٣٩) ابن ماجه (٤٠٠٩)]

(4) [حسن : ابوداؤد : كتاب الملاحم : باب فى الامر والنهى (٤٣٤٥، ٤٣٤٦)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [صحيح ابوداود ، المشكاة (٥١٤١)]

(5) [صحيح : ابوداؤد : كتاب الملاحم : باب فى الامر والنهى (٤٣٤٧)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ابوداود ، صحيح الجامع (٥٢٣١)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

(6) [صحيح : ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهى عن المنكر (٤٠٠٧)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحيح ابن ماجه ، السلسلة الصحيحة (١٦٨-٣٢٣٧)]

(7) [صحيح : ابوداؤد : كتاب الملاحم : باب فى الامر والنهى (٤٣٤٤) ترمذی : كتاب الفتن : باب ماجاء افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر (٢١٧٤) ابن ماجه : كتاب الفتن (٤٠١١)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[السلسلة الصحيحة (٤٩١)]

ثانیہ پر آئے تو اس نے پھر وہی سوال کیا مگر آپ خاموش ہو رہے جب جمرۂ عقبہ پر کنکر مار چکے اور سواری پر سوار ہونے کے ارادے سے رکاب میں پاؤں رکھے تو دریافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا حضور ﷺ میں حاضر ہوں فرمایا حق بات ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا۔ [1] ابن ماجہ میں ہے کہ تم میں سے کسی شخص کو اپنی بے عزتی نہ کرنی چاہیے لوگوں نے پوچھا: حضور یہ کیسے؟ فرمایا خلاف شرع کوئی امر دیکھے اور کچھ نہ کہے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی کہ فلاں موقعے پر تو کیوں خاموش رہا؟ یہ جواب دے گا کہ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں سب سے زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے خوف کھائے۔ [2] ایک روایت میں ہے کہ جب اسے اللہ تلقین حجت کرے گا تو یہ کہے گا کہ تجھ سے تو میں نے امید رکھی اور لوگوں سے خوف کھا گیا۔ [3]

مسند احمد میں ہے کہ مسلمانوں کو اپنے آپ کو ذلیل نہ کرنا چاہیے۔ لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا ان بلاؤں کو سر پر لینا جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ [4] ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑی جائے؟ فرمایا اس وقت جب تم میں بھی وہی خرابی ہو جائے جو تم سے اگلوں میں ظاہر ہوئی تھی ہم نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کمینے آدمیوں میں سلطنت کا چلا جانا۔ بڑے آدمیوں میں بدکاری کا آ جانا۔ رذیلوں میں علم کا آ جانا۔ حضرت زید رحمہ اللہ کہتے ہیں رذیلوں میں علم آ جانے سے مراد فاسقوں میں علم کا آ جانا ہے۔ [5] اس حدیث کی شاہد حدیثیں ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیت ﴿لَا يَضُرُّكُمْ﴾ [6] الخ کی تفسیر میں آئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

پھر فرماتا ہے کہ اکثر منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں ان کے اس فعل کی وجہ سے یعنی مسلمانوں سے دوستیاں چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لیے بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ اس کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے۔ اور اسی بنا پر اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور قیامت کے دن کے لیے دائمی عذاب بھی ان کے لیے آگے آ رہے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے اے مسلمانو! زنا

---

[1] [صحیح : ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر (۴۰۱۲)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه، السلسلة الصحيحة (۴۹۱)]

[2] [ضعیف : ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر (۴۰۰۷)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعيف ابن ماجه] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح : ابن ماجه : كتاب الفتن : باب قوله تعالى يايها الذين امنو عليكم انفسكم (۴۰۱۷)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (۹۲۹)]

[4] [صحیح : ترمذی : كتاب الفتن (۲۲۵۴) ابن ماجه : كتاب الفتن (۴۰۱۶)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ترمذی، السلسلة الصحيحة (۶۱۳)]

[5] [ضعیف : ابن ماجه : كتاب الفتن (۴۱۰۵) السلسلة الضعيفة (۵۷۰۳)]

[6] [سورۃ المائدہ: آیت ۱۰۵]

کاری سے بچو اس سے چھ برائیاں آتی ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ اس سے عزت و وقار رونق و تازگی جاتی رہتی ہے۔ اس سے فقر و فاقہ آ جاتا ہے۔ اس سے عمر گھٹتی ہے اور قیامت کے دن تین برائیاں یہ ہیں اللہ کا غضب حساب کی سختی اور برائی اور جہنم کا خلود۔ پھر حضور ﷺ نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی۔ [1]

یہ حدیث ضعیف ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ لوگ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور قرآن پر پورا ایمان رکھتے تو ہرگز کافروں سے دوستیاں نہ کرتے اور چھپ چھپا کر ان سے میل ملاپ جاری نہ رکھتے۔ نہ سچے مسلمانوں سے دشمنیاں رکھتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں اس کی وحی اور اس کے پاک کلام کی آیتوں کے مخالف بن بیٹھے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ
وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ
ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

یقیناً تو ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب تو یقیناً انہیں پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں دانش مند اور گوشہ نشین ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ○

اہل ایمان کے سخت ترین دشمن یہودی: یہ آیت اور اس کے بعد کی چار آیتیں نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہیں۔ جب ان کے سامنے حبشہ کے ملک میں حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ یہ خیال رہے کہ یہ آیتیں مدینے میں اتری ہیں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیتیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جسے نجاشی نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپ سے ملیں حاضر خدمت ہو کر آپ کے حالات وصفات دیکھیں اور آپ کا کلام سنیں۔ جب یہ آئے آپ سے ملے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سنا تو ان کے دل نرم ہو گئے بہت روئے دھوئے اور اسلام قبول کیا اور واپس جا کر نجاشی سے سب حال کہا نجاشی اپنی سلطنت چھوڑ کر حضور ﷺ کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے لیکن راستے میں ہی انتقال ہو گیا۔ [2] یہاں بھی یہ خیال رہے کہ یہ بیان صرف سدی رحمہ اللہ کا ہے اور صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ وہ حبشہ میں ہی سلطنت کرتے ہوئے فوت ہوئے ان کے انتقال والے دن ہی حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے انتقال کی

---

[1] [**ضعیف جدا:** يهيقي في شعب الايمان (٥٤٧٥) ابو نعيم في الحلية (٤/١١١)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔[١٠٧/٣] اس کی سند میں مسلمہ راوی متروک ہے اور ابو عبدالرحمن راوی مجہول ہے۔]

[2] [**مرسل:** تفسير ابن جرير الطبري (١٢٣١٨)]

خبر دی اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔ [1] بعض تو کہتے ہیں اس وفد میں سات تو علماء تھے اور پانچ زاہد تھے یا پانچ علماء اور سات زاہد تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ کل پچاس آدمی تھے اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ سے کچھ اوپر تھے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ستر تھے۔ فاللہ اعلم۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن کے اوصاف آیت میں بیان کیے گئے ہیں یہ اہل حبشہ ہیں۔ مسلمان مہاجرین حبشہ جب ان کے پاس پہنچے تو یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلے یہ دین عیسوی پر قائم تھے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم کو سنا تو فوراً سب مسلمان ہو گئے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کا فیصلہ ان سب اقوال کو ٹھیک کر دیتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جن میں یہ اوصاف ہوں خواہ وہ حبشہ کے ہوں یا کہیں کے۔ یہودیوں کو مسلمانوں سے جو سخت دشمنی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے اور جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں اور ضد سے ناحق پر اڑتے ہیں' حق کے مقابلہ میں بگڑ بیٹھتے ہیں حق والوں پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہیں ان سے بغض و بیر رکھتے ہیں۔ علم سے کورے ہیں علماء کی تعداد ان میں بہت ہی کم ہے اور علم اور ذی علم لوگوں کی کوئی وقعت ان کے دل میں نہیں یہی تھے جنہوں نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا خود پیغمبر الزمان احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ بھی کیا اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار۔ آپ کو زہر دیا' آپ پر جادو کیا اور اپنے جیسے بد باطن لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کیے لیکن اللہ نے ہر مرتبہ انہیں نامراد اور ناکام کیا۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کبھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے [2] ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن ہے بہت ہی غریب ہاں مسلمانوں سے دوستی میں زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے تابعدار ہیں انجیل کے اصلی اور صحیح طریقے پر قائم ہیں ان میں ایک حد تک فی الجملہ مسلمانوں اور اسلام کی محبت ہے یہ اس لیے کہ ان میں نرم دلی ہے جیسے ارشاد باری ہے ﴿وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً﴾ [3] الخ۔

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابعداروں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا ہے۔ ان کی کتاب میں حکم ہے کہ جو تیرے داہنے رخسار پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے بایاں رخسار بھی پیش کر دے۔ ان کی شریعت میں لڑائی ہے ہی نہیں۔ یہاں ان کی اس دوستی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان میں خطیب اور واعظ ہیں ﴿قِسِّيسٌ﴾ اور ﴿قَسٌّ﴾ کی جمع ﴿قِسِّيسِينَ﴾ ہے ﴿قُسُوسٌ﴾ بھی اس کی جمع آتی ہے

---

[1] **صحيح** : صحيح بخاري : كتاب الجنائز : باب الصفوف على الجنازة (١٣١٨) صحيح مسلم : كتاب الجنائز : باب في التكبير على الجنازة (٩٥١ـ ٩٥٢)]

[2] [**ضعيف** : المجروحين لابن حبان (١٢٢/٣) السلسلة الضعيفة (٤٤٣٩)]

[3] [سورة الحديد: آيت ٢٧]

﴿رُهْبَانٌ﴾ جمع ہے راہب کی۔ راہب کہتے ہیں عابد کو۔ یہ لفظ مشتق ہی رہبت سے اور رہبت کے معنی ہیں خوف اور ڈر کے۔ جیسے ﴿رَاكِبٌ﴾ کی جمع ﴿رُكْبَانٌ﴾ ہے اور ﴿فُرْسَانٌ﴾ ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کبھی ﴿رُهْبَانٌ﴾ واحد کے لیے بھی آتا ہے اور اس کی جمع ﴿رَهَابِيْنَ﴾ آتی ہے جیسے ﴿قُرْبَانٌ﴾ اور ﴿قَرَابِيْنَ﴾ اور ﴿جردان﴾ اور ﴿جرادين﴾ اور کبھی اس کی جمع ﴿رَهَابِنَه﴾ بھی آتی ہے۔ عرب کے اشعار میں بھی لفظ ﴿رُهْبَانٌ﴾ واحد کے لیے آیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ایک شخص ﴿قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا﴾ پڑھ کر اس کے معنی دریافت کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں ﴿قِسِّيْسِيْنَ﴾ کو خانقاہوں اور غیر آباد جگہوں میں چھوڑ مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿صِدِّيْقِيْنَ وَرُهْبَانًا﴾ پڑھایا ہے۔ [1] (بزار اور ابن مردویہ) الغرض ان کے تین اوصاف یہاں بیان ہوئے ہیں ان میں عالموں کا ہونا۔ ان میں عابدوں کا ہونا۔ ان میں تواضع، فروتنی اور عاجزی کا ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے محض اس کے فضل وکرم لطف وکرم سے تفسیر محمدی کا چھٹا پارہ بھی ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہمیں اس سے دونوں جہاں میں فائدہ بخشے۔ آمین۔

---

[1] [ضعیف جدا: طبرانی کبیر (٦١٧٥) مجمع الزوائد (١٠٩٨٢)] اس میں یحییٰ حمانی اور نصیر بن زیاد دو راوی ضعیف ہیں۔ شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]